فہرست

دورِ حاضر کی بہت بڑی ضرورت 1
تعارف 1
تقریظ 4
تقریظ 6
پیش لفظ 7
آغازِ کتاب 9
حصہ اول وجود باری تعالیٰ 11
باب اول عام دلائل 12
دہری وجدانی اندھے ہیں 12
دہریت کی بنیاد محض شک اور لاعلمی پر قائم ہے 12
دہری وجودِ باری تعالیٰ کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ 14
انفسی دلائل 15
امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل 15
دلیل نمبر (۲) حرارتِ بدن کی یکسانیت اور صورتوں کا اختلاف کیوں ہے؟ 16
دلیل نمبر (۳) انسان کی حیرت انگیز مشینری 17
مادہ اور طبیعت سے خود بخود مخلوقات منظرِ عام پر نہیں آسکتیں 18
دلیل نمبر (۱) 18
دلیل نمبر (۲) 19
دلیل نمبر (۳) 19
دلیل نمبر (۴) 20
دلیل نمبر (۵) 20
دلیل نمبر (۶) 20
دلیل نمبر (۷) 21
دہریوں کا شبہ اور اس کا جواب 22

بدو، گنوار کی دلیل 22
ایک نظر نباتات پر ڈالتے جایئے 23
ناریل کے درخت میں اللہ تعالیٰ کی عجیب کاریگری 24
عالَمِ حیوانات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ 25
شہد کی مکھی کے حیرت انگیز کارنامے 26
ماہر ریاضی اور طبعیات کی رائے 27
انسان خالق نہیں ہو سکتا 28
کائنات کا حیرت انگیز نظم ونسق 29
دہریوں کی جہالت 30
ایک خوبصورت مثال 30
یورپی محقق کی حیرانگی 32
منکرین کے بے بنیاد سوالات 32
خدا کے وجود کو تسلیم کرنا ایک فطری امر ہے 34
حضرت امام جعفر صادق کی دلیل 34
فطری امور کی جانچ پڑتال کے لیے ایک بڑا اصول 34
خدا کا عقیدہ سرمایہ داری نظام وتہذیب سے بہت پہلے کا ہے 35
باب دوئم 37
منطقی اور فلسفی دلائل 37
ذاتی اور عارضی وصف کی پہچان 37
کائنات کا وجود ایک عارضی وصف ہے 37
حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل 38
مادے کی اتفاقی حرکت سے عالَمِ ممکنات کا وجود میں آنا قطعاباطل ہے 38
ایک دلچسپ مثال 39
عالَمِ کائنات کے بارے میں منکرین کا نظریہ اور اس کے باطل ہونے کی وجوہات 39
پہلی وجہ 40

دوسری وجہ 40

تیسری وجہ 41

چوتھی وجہ 41

کائنات کو پیدا کرنے کے لیے ایسی ہستی ضروری ہے جس کا وجود اس کا ذاتی وصف ہو 42

یہ سوال کہ خدا کا وجود کیوں ہے لغو و باطل ہے 42

منفی محض سے مثبت کا وجود میں آنا ناممکن ہے 43

ہر ممکن الوجود کسی بیرونی علت کا نتیجہ ہوتی ہے 43

مادہ اور تمام کائنات کا از خود وجود میں آنا باطل ہے 44

چند حکما اور فلسفیوں کے خیالات و اقوال 44

قدیم فلاسفہ کی رائے 45

باب سوئم 48

سائنسی دلائل 48

کائنات کے متعلق سائنس دانوں کا نظریہ 48

زمین کیسے بنی؟ 49

سائنسی نظریات کا مختصر جائزہ 50

اتحادِ زمانی 50

حیات کے بارے میں سائنسدانوں کے نظریات 51

ڈارون کا نظریہ 52

ڈارون کا نظریہ کیوں مقبول ہوا؟ 54

ڈارون کا نظریہ ارتقاء غیر متعصب سائنس دانوں کی نظر میں 55

نظریہ ارتقاء پر تنقید و تبصرہ 56

ایک مشہور سائنس دان کا قول فیصل 60

کسی نظریے پر سائنسدانوں کی اکثریت کا متفق ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ خالق کے انکار پر بھی متفق ہیں 60

سائنس کا دائرہ کار اور حدود کہاں تک ہو سکتے ہیں؟ 61

سائنس کی بے بسی کے بارے میں چند چوٹی کے سائنسدانوں کے اعترافات 62

سائنسدان وجودِ باری تعالیٰ سے انکار نہیں کرتے 63
عقل اور سائنس خود مادی اشیاء کی حقیقت پالینے سے قاصر ہیں 64
ذرا اپنی آنکھ میں غور کرکے عبرت حاصل کیجیے 66
حفاظت کا سامان 67
بیرونی پردہ 68
پردۂ عروقی 68
ذی حس پردہ 69
رطوبتیں 69
بلوری رطوبت 69
زجاجی رطوبت 69
آنسو 70
جس اللہ نے کان ایجاد کیے ہیں کیا وہ خود صفتِ سمع سے محروم ہے؟ 71
فلکیات کا حیرت انگیز نظام 71
ایک نظر چاند پر 73
عناصر کا حیرت انگیز تناسب 74
سالموں کی بناوٹ میں حکیمانہ نظام 78
عقل اور سائنس تو انسان کو اس بات پر مجبور کر دیتی ہیں کہ خالق یکتا کے سامنے سر بسجود جائیں 78
حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل 81
کیا اتفاق سے کوئی چیز وجود میں آسکتی ہے؟ 82
کیا کوئی نظریہ باری تعالیٰ کو مانے بغیر مکمل ہو سکتا ہے؟ 87
مصنوع کے لیے صانع کا ہونا ضروری ہے 88
ساری کائنات کو انسان کی نشو و نما میں کس نے لگایا ہے؟ 91
باب اول 98
توحید 98
دائمی انقلاب 98

بار ثبوت مشرک پر ہے 98
محتاج خدا نہیں ہو سکتا 99
خدا کمزور نہیں ہو سکتا 99
خدا محدود نہیں ہو سکتا 100
تمام عقلا خدا کی وحدانیت کے قائل ہیں 100
جولین ہکسلے کا اعتراف 101
خدا ناقص العلم نہیں ہو سکتا 101
مشرک قومیں بھی علمی طور پر توحید کی قائل ہیں 101
خدا نہ والد ہو سکتا ہے نہ مولود 101
حادث خدا نہیں ہو سکتا 102
خدا مرکب نہیں ہو سکتا 102
حضرت عیسیٰ اور مریم دونوں اسباب کے محتاج تھے 102
توحید ایک فطری امر ہے 103
توحید میں دنیا و آخرت کے فوائد 103
باب دوئم 105
آخرت 105
آخرت کی عقلی ضرورت 105
حکیم کا کوئی فعل بے کار نہیں ہوتا 106
آخرت کی فطری ضرورت 106
منکرینِ آخرت کا اشکال اور اس کا جواب 109
اعادۂ معدوم کا شبہ باطل 109
آخرت کے وجود پر یقین کرنے والوں اور منکرین کے استدلالات 110
سائنس کا اقرار کائنات کے درہم برہم ہو جانے پر 112
سائنس دانوں کے نظریئے ملاحظہ فرمایئے 112
قیامت کا وقوع تواتر سے ثابت ہے 113

باب سوئم 116

ضرورتِ وحی اور نبوت 116

وحیِ الٰہی ایک فطری ضرورت ہے 116

عقل اور سائنس کا دائرہ کار مادیات ہے 117

روح کا انتظام ضروری ہے 118

سعادت و شقاوت کے اصول بتلانے کے لیے وحی کی ضرورت ہے 119

عقل اور وحی دونوں کے دائرے جدا جدا ہیں 121

اشراقیت اور روحانیت کے حدود 121

مذہب اور انسانی قوتوں کا دائرۂ کار 122

وحی اور رسالت کی تردید کرنا کسی فلسفی کے بس میں نہیں 123

جاہلوں کے لیے مذہب سے متزلزل ہونے کا سبب 126

مذہب کی پابندیوں کو غلامی کہنا حماقت ہے 127

وحی اور مذہب کے فوائد 128

مذہب سے محروم قوموں کا انجام 129

مذہب کے بارے میں چند سائنسدانوں اور مفکرین کی آراء 129

لوگ مذہب سے کیوں بے زار ہو رہے ہیں؟ 132

نصاریٰ کے خود ساختہ عقائد 132

مذہبِ عیسائیت کا بانی کون ہے؟ 133

عقیدۂ تثلیث موجودہ اناجیل سے ثابت نہیں ہو سکتا 135

عیسائیوں کا استدلال اور اس کا جواب 137

باب چہارم 143

حقانیتِ اسلام 143

محمد ﷺ پر نبوت ختم ہوئی 143

اللہ تبارک و تعالیٰ کی حقیقی معرفت سعادت و شقاوت کے اصول صرف اسلام ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں 143

قرآن مجید کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنے ذمے لے لی ہے 143

اسلام کے سوا کوئی اور مذہب مدارِ نجات نہیں ہو سکتا 144
سابقہ انبیا علیہم السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دی ہے 145
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اہلِ کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات اور اسمِ گرامی کو دیکھ کر مسلمان ہوتے تھے 145
عصرِ حاضر کی موجودہ تورات وانجیل میں آج بھی ایسے کلمات موجود ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی کا پتہ دیتے ہیں 148
تورات کی کتاب استثناء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشن گوئی 148
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشہور حواری پطرس کی گواہی 149
تورات کی دوسری پیشن گوئی 150
حضرت سلیمان علیہ السلام کی گواہی 151
حضرت اشعیا کی پیشن گوئی 152
حضرت سلیمان علیہ السلام کی غزل الغزلات میں آج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی موجود ہے 154
انجیل یوحنا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشن گوئی 155
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے متعلق حضرت عیسیٰ کی بشارتیں 155
ڈیڑھ سو سال قبل مطبوعہ اناجیل میں لفظ ''فارقلیط'' 157
بعض عبرانی نسخوں میں اب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی موجود ہے 158
اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ کی خیانت 158
یوحنا حواری کا مکاشفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے متعلق 158
انجیل برناباس 160
انجیل برناباس اور دوسری اناجیل کے درمیان اختلاف 161
انجیل برناباس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عیسیٰ کی بشارتیں 162
دوسری بشارت 165
تیسری بشارت 165
چوتھی بشارت 165
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت ہندوؤں وغیرہ کی کتب میں 166
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منتظر تھی 167
عصرِ حاضر میں قرآن مجید اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند انکشافات اور پیشین گوئیوں کا ظہور 167

اسلام کی خصوصیات 172
اسلام کا نظامِ معیشت 172
قرآن اور پیغمبرِ قرآن غیر مسلموں کی نظر میں 176
دینِ اسلام کی توحید 184
اسلام کی ناقابلِ انکار خوبیوں کا انکار کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں غیر مسلم محققین بھی اس کے قائل ہیں 187
منکرین کو چیلنج ہے 190

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دورِ حاضر کی بہت بڑی ضرورت

صفحۂ ہستی سے کسی قوم کی مذہبی شناخت فنا کرنے کا سب سے مؤثر وار اسے اپنے بنیادی مذہبی افکار و نظریات سے بے زار کر کے شکوک و شبہات اور تردّد میں ڈالنا ہے۔ علّامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎:

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج　　　ملّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

علّامہ اقبال کی بیان کردہ ابلیس کی اس حکیمانہ وصیت پر اسلام دشمن قوتیں پوری طرح عمل پیرا ہیں، چنانچہ وہ مال و دولت خس و خاشاک کی طرح بہا کر اور اپنی پوری توانائیاں بروئے کار لا کر اہلِ اسلام کے فکر و نظر پر حملہ آور ہیں، اور بد قسمتی سے اسلام بے زار مسلمان بھی ان سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں، چنانچہ حقیقی مسلمان آئے دن طرح طرح کی مشکلات میں گھرتے چلے جا رہے ہیں، شاید یہ وہ دور ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "دین پر جم کر رہنا اتنا مشکل ہو جائے گا جیسے انگارے پکڑنا" اور جس کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ: "صبح کو آدمی مسلمان ہو گا اور شام کو کافر یا شام کو مسلمان ہو گا اور صبح کو کافر"۔

ظاہر ہے کہ اس جیسے دور میں سب سے اہم کام اور بہت بڑی ذمہ داری اسلامی عقائد و افکار کو بچا کر مسلمان نسل کی ارتداد سے حفاظت کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے شیخ و مرشد مختار الامّہ حضرت مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو ہماری طرف سے خصوصاً اور پوری امت کی طرف سے عموماً جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی جملہ مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے جنہوں نے "دہریت سے اسلام تک" نامی اس کتاب میں وجودِ باری تعالیٰ، توحید، آخرت، نبوّت، حقّانیتِ اسلام، محاسنِ اسلام اور ضرورتِ نظامِ اسلام کو، عقل و نقل اور منطقی و فلسفی دلائل سے ثابت کرنے کے علاوہ غیر مسلم اقوام کی شہادت بھی ان پر پیش فرمائی ہے جس کے بعد کسی کے لیے اسلام کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بطریقۂ عمل و نظام اپنانے میں کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مسلمانوں کی فکری و نظریاتی حفاظت کا ذریعہ بنا کر ہم سمیت پوری امّت کو صاحبِ کتاب کے فیوض و برکات سے پوری طرح مالا مال فرمادے۔ اور نظامِ اسلام کو پوری دنیا میں نافذ کر کے دین کا بول بالا فرمائے اور ہمیں ایک قوی ذریعہ کے طور پر اس میں استعمال کر کے اپنے خصوصی فضل و کرم سے نوازے۔

نوٹ: کتاب میں کسی قسم کی غلطی کی اصلاح کی طرف توجہ دلانا باعثِ شکر و امتنان ہو گا۔

اخوکم: زین الدین چغرزئی

جامعہ زکریا دار الایمان والتقویٰ (کربوغہ شریف)

۲۱/۴/۱۴۴۴ھ.........16/11/2022 یوم الخمیس

رابطہ نمبر: 03085673393

تعارف

از حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب زید مجدہم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامدا و مصلیا و مسلما

زیرِ نظر کتاب مخدوم، مکرم و محترم جناب حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب زید مجدہ خلیفۂ مُجاز برکۃ العصر قطبِ عالم مرشدی حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف فرمائی ہے۔

حضرت مفتی صاحب صوبہ سرحد کے عظیم روحانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں، ان کے جد اعلی حضرت صاحب مبارک کربوغہ شریف کے ایک عظیم مجاہد اور صوفی بزرگ تھے، جن کے کارناموں کے لیے علیحدہ تصنیف چاہیے۔

حضرت صاحب کربوغہ شریف کا فیض نہ صرف صوبہ سرحد کے دور ودراز علاقوں میں پھیلا بلکہ دوسرے صوبوں کے مسلمان بھی ان کے خاندان سے مستفیض ہوئے اور اب تک مخلوقِ خدا کو ہدایت نصیب ہو رہی ہے۔ حضرت مولانا مفتی سید مختارالدین شاہ صاحب اس خاندان میں عمر کے لحاظ سے سب سے کم عمر پیر طریقت ہیں۔ حضرت اس وقت عمر کے پینتیسویں سال میں داخل ہوئے ہیں۔ آپ کو اللہ جلّ شانہ نے بہت سے کمالات عطا فرمائے ہیں۔ آپ کی سعادت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ مہاجر مدنی سے شرفِ بیعت مدینہ منورہ میں حاصل ہوا۔ حضرت شیخ اپنے

زمانے کے قطب الاقطاب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ کو وہ قبولیت بخشی تھی جو امت کے خواص کو نصیب ہوئی آپ بیک وقت تبلیغ کے سرپرست، شیخ الحدیث، ایک اعلیٰ مصنف اور عظیم مرشد تھے۔ محترم مفتی صاحب ان کے فیضِ نظر سے بہت جلد باطنی برکات اور کمالات سے مالامال ہوئے اور قلیل عرصہ میں اپنے شیخ سے مدینہ منورہ میں چاروں سلاسلِ عالیہ چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ میں مجاز ہوئے۔ حضرت شیخ کی توجہاتِ عالیہ کی برکت سے بیعت ہونے کے بعد علومِ دینیہ پڑھنے کا شوق ہوا۔ الحمد للہ درسِ نظامی سے نہ صرف فارغ التحصیل ہوئے بلکہ دارالعلوم کراچی سے تخصص فی الفقہ کرکے مسند افتاء پر فائز ہوئے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ۔۔۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے آبائی قصبہ کربوغہ شریف میں قیام پذیر ہیں اور الحمد للہ اللہ جلّ شانہ نے محبوبیت و قبولیت اس قدر عطا فرمائی ہے کہ آپ کا فیض اس قلیل وقت میں صوبہ سرحد کے دور دراز علاقوں تک پھیل گیا ہے۔ بندہ کا مشاہدہ ہے کہ اس کم عمر شیخِ کامل سے اب تک جو بیعت ہوا الحمد للہ اس کی زندگی میں روحانی انقلاب آگیا۔ حضرت کو علاقہ میں بھی قبولیتِ عامہ حاصل ہے اور اپنے خاندان کے بڑے، چھوٹے سب ہی آپ سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ آپ کے جد امجد حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب زید مجدہم جو خاندان میں اس وقت سب سے بڑے ہیں انہوں نے بھی اپنی طرف سے آپ کو خاندانی سلسلہ کی اجازت دی تاکہ آپ کو خاندانی برکات بھی حاصل ہوں اس طرح گویا حضرت مفتی صاحب کو جامعیتِ سلاسل بھی نصیب ہو گئی۔ حضرت مفتی صاحب کو رُشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے تصنیف کا شوق بھی عطا کیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب آپ کے اسی ذوق کی آئینہ دار ہے۔ الحمد للہ! آپ کی تحریر علمیت کے ساتھ ساتھ اخلاص اور للّٰہیت سے بھرپور ہوتی ہے۔ کتاب کو پڑھنے سے خود ہی ان شاء اللہ تعالیٰ ہر قاری کو موضوع کی اہمیت کا اندازہ ہو گا، عام مسلمانوں کا ایمان ان شاء اللہ پڑھنے سے محفوظ ہو گا اور جو لوگ کمیونزم کے ویرانوں میں بھٹک رہے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ان کو راہِ ہدایت نصیب ہو گی۔

اس کے علاوہ کتاب مذکور میں یہودیت، عیسائیت وغیرہ دوسرے مذاہب اور فتنوں کا رد خود ان مذاہب کی کتب سے نہایت سنجیدہ شستہ اور باحوالہ انداز میں کیا ہے جس سے توحیدِ خالص، اسلام کی حقانیت اور محسنِ انسانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین ہونا روزِ روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے۔

بندہ نے بحمد اللہ اس کتاب کی قبولیت عند اللہ کا نظارہ خواب میں دیکھا ہے۔ دل سے دعا ہے کہ رب کریم اس کو قبولیتِ تامہ عطا فرما کر اپنے بندوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ اور حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب اور ان کے مشائخ اور خاندان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین

بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

ناکارہ

عزیز الرحمن عفی عنہ ۲۰ شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ

تقریظ

از پروفیسر جلیل احمد صاحب دام ظلہ العالی

حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ کے خلیفہ مجاز ہیں۔ ان کے اخلاص، للّٰہیت اور عشقِ الٰہی کے سوز گداز کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ خاص سے عطا فرمایا ہے ہر عمر اور ہر طبقہ کے لوگ ان کی شخصیت میں ایک عجیب کشش اور جاذبیت محسوس کرتے ہیں اور ان سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

حضرت کی زیرِ نظر تصنیف، مصنف کی حیثیت سے ان کی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے اور یہ میرے لیے ان کی شخصیت کی نئی جہت ہے۔ کتاب کا موضوع دراصل دین اسلام کی دعوت ہے جس کا خلاصہ حضرت کی کتاب کے آخری پیراگراف میں موجود ہے۔

قرآن شریف کی عظمت، فضیلت، شرف اور اسے کلامِ الٰہی ثابت کرنے کے بعد حضرت رقم طراز ہیں ۔جب پوری دنیا قرآن مجید کی نظیر پیش کرنے سے تا ابد عاجز ہے تو اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں کوئی ادنیٰ شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ پھر اس کے احکام اور نظامِ حیات بھی مکمل فطرت کے عین مطابق ہے تو ساری دنیا کے انسانوں اور جنات پر عقلی اور نقلی حیثیت سے لازم ہو جاتا ہے کہ وہ آخرت کے وقوع، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور اعمال کی جزاوسزا پر سچے دل کے ساتھ پیغمبرِ اسلام خاتم الانبیاء فخر الرسل سیدنا محمد ﷺ کی سچی اتباع میں صرف خالق کے سامنے سر بسجود ہو جائیں۔ اپنی انفرادی اور اجتماعی الغرض پوری زندگی کو پورے اخلاص کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال کر دنیا میں چین وسکون اور دنیا کی لامتناہی سختیوں کو ابدی خوشیوں سے تبدیل کر دیں۔ لیکن یہ نتیجہ نکالنے سے پہلے حضرت نے تمام جدید سائنسی علوم اور فلسفہ سے بہت دلائل پیش کیے ہیں جو بے حد دلچسپ اور مفید ہیں۔

حضرت کا اسلوبِ بیان بالکل سادہ، بے ساختہ اور دل نشین ہے جو عوام کے لیے بھی مفید ہے اور خواص کے لیے بھی۔ خصوصاً ہمارے انگریزی داں نوجوان طبقہ کے لیے بھی ہر قسم کی دہریت، لادینیت اور جدید فتنوں کا کماحقہ رد کرتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اتنا ہی مفید بنادے جس جاں سوزی سے حضرت مفتی صاحب نے

اسے تحریر فرمایا ہے اور حضرت کی ذات کی طرح اس کو لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنادے اور حضرت کو اپنی رضا سے نواز دے۔ آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ وَاَهْلِ نَسَبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

از

پروفیسر جلیل احمد

وائس پرنسپل گورنمنٹ کالج سائنس آف ملتان اگست ۱۹۸۵ء

تقریظ

از حضرت مولانا احمد عبد الرحمن صدیقی صاحب

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم!

زیرِ نظر کتاب "دہریت سے اسلام تک" مؤلفہ حضرت مولانا مفتی سید مختارالدین صاحب مدظلہ، بندۂ ناچیز نے جستہ جستہ مقامات سے دیکھی اور اس کی اہمیت سامنے آئی۔ ماشاء اللہ بڑے آسان اور عام فہم انداز میں علمی اور تحقیقی مباحث بیان کیے گئے ہیں۔ اگرچہ اس موضوع پر شیخ العصر حضرت علامہ شمس الحق افغانی قدس سرہ کی تصنیف "اسلام و سائنس" میں بڑی تحقیقانہ اور فلسفیانہ انداز سے بحث کی گئی ہے لیکن عام مسلمانوں اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس تک رسائی سے قاصر ہے اس لیے برادرِ محترم حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم (کربوغہ شریف) نے وقت کی ضرورت کے پیشِ نظر بڑے آسان اور دلنشین انداز میں بعض اہم موضوعات پر بحث کر کے ملتِ اسلامیہ پر ایک احسان فرمایا۔ فجزاهم الله تعالىٰ احسن الجزاء۔

مولانا موصوف علومِ اسلامیہ کے فاضلِ اجل اور باطنی نسبت کے لحاظ سے قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب المدنی قدس سرہ کے خلیفہ مجاز ہیں اس لیے ان شاء اللہ تعالیٰ پوری امید ہے کہ جادۂ حق پر گامزن رہتے ہوئے اہلِ زیغ کو مسکت اور بہترین علمی دلائل و براہین سے خاموش کرانے میں کامیاب رہیں گے۔ رب کریم ان کی اس خدمت کو شرفِ قبولیت سے نوازیں اور مسلمانوں کو اس سے کما حقہ بھرپور استفادہ کی سعادت نصیب کریں۔ آمین

طالبِ دعا

احقر احمد عبد الرحمن صدیقی

نظارۃ المعارف

مسجد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نزد لال پل، نوشہرہ صدر، ضلع پشاور محدہ

۲۵ ویں شب ماہِ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ

پیش لفظ

پروفیسر ضیاء الرحمن۔ اسلامیہ کالج پشاور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمُدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

میری خوش قسمتی کی اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت مولانا مفتی سید مختارالدین شاہ صاحب دامت برکاتہم خلیفۂ ارشد قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی زیرِ نظر کتاب کے مسودے کا مطالعہ مجھ بے نوا سے کرایا گیا۔ کتاب پڑھتے ہی دل کو ناقابلِ بیان سرور اور اطمینان نصیب ہوا۔ دل ودماغ میں ایک بہت بڑا خلاروشنیوں سے پُر ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ ایسا محسوس ہوا گویا کسی نے منجدہارسے آہستہ آہستہ نکال کر ایک مضبوط چٹان پر لا کر کھڑا کر دیا۔ لڑکھراتے قدموں نے بے اندازہ قوت و توانائی محسوس کی۔

اردو میں اس موضوع پر چند کتابیں موجود ضرور ہیں۔ لیکن مجھے یقین نہیں کہ کوئی دوسری کتاب اتنے سادہ، بے ساختہ اور دل نشین انداز میں اسلامی عقائد کے عین مطابق نہ صرف دہریت کا مؤثر قطعی رد کرتی ہے، بلکہ عام مسلمانوں کے ذہنوں میں پیدا شدہ شکوک وشبہات کے تشفی بخش جواب بھی فراہم کرتی ہو۔ کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں تین باب ہیں پہلے باب میں عام دلائل ہیں جو پڑھنے والے کی تشفی کے لیے کافی ہیں۔ دوسرے اور تیسرے باب میں فلسفی اور سائنسی دلائل ہیں جو طلبہ علومِ جدیدہ اور فلاسفہ کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ انتہائی مفید اور دل آویز ثابت ہوں گے۔

دوسرے حصے میں توحید، عقیدۂ آخرت، وحی اور حقانیتِ اسلام سے بحث کی گئی ہے۔

افسوس ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مغرب زدہ، مستشرقین (ORIENTLISTS) سے متاثر مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والے لیکن انگریزی کتابوں سے اسلام سیکھنے والے کمیونسٹوں کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہونے والے اور اسلامی عقائد سے عام طور پر ناواقف لوگ موجود ہیں۔ جن کی زندگی میں ذہنی اور روحانی الجھنوں کی کثرت نے اضطراب اور پریشانی برپا کر رکھی ہے۔ ان میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو حق کے متلاشی اور قوم وملت کی سچے دل سے خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن علومِ دینیہ سے ناواقفیت کی وجہ سے

نفع کے بجائے ضرر کا باعث بنتے ہیں۔ علمائے حق اور صالحین کی مجالس میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے مختلف قسم کے فتنوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنی بھی آخرت برباد کر لیتے ہیں اور نہ جانے کتنے اور نادانوں کی عاقبت بھی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اس کتاب کا مطالعہ سچائی کی طلب اور منصف مزاجی کے جذبے سے کیا جائے تو ان کے تمام شکوک وشبہات، وساوس واوہام، غلط فہمیاں اور الجھنیں کافور ہو جائیں گی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اس کتاب سے خواص وعوام، طلبہ و اساتذہ، مزدور وکسان، مؤمن ومنکر، نام نہاد کمیونسٹ اور دہریے غرض یہ کہ ہر قسم کا نقطۂ نظر رکھنے والوں اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والوں کو مستفید ومستفیض فرمائے۔ اللہ پاک محترمی، محسنی ومحبوبی حضرت مولانا مفتی مختارالدین صاحب دام ظلہم العالی کے علوم سے پوری امت کو فیض یاب فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین

فَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدِنِ النَّبِى

الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً۔

ضیاء الرحمن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آغازِ کتاب

سب تعریفیں اسی وحدہ، لاشریک لہ، ذات کے لیے ہیں جسے نہ اولاد کی ضرورت ہے اور نہ یار و مدد گار کی۔ جو آسمانوں اور زمینوں کا بادشاہ ہے جس کا امر ساری کائنات کی حرکت اور سب مخلوق کی زندگی اور جان ہے۔ جس کا قانون پورے عالمِ ہستی اور نفسِ انسانی کو جکڑے ہوئے ہے، اسی کے دم سے یہ کارخانۂ قدرت قائم ہے۔ زمین وآسمان کی ساری فوجیں اسی کی ہیں جن کو نہ کوئی شکست دے سکاہے نہ ان پر فتح حاصل کر سکاہے جس کا اعلان ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کو پھاڑ کر جہاں کہیں بھی فرار ہو کر جاسکتے ہو جاکے دیکھ لو۔ وہ بابرکت ذات جس نے زندگی وموت کو پیدا کیا تاکہ دیکھے کہ ہم میں کون نیک عمل کرتاہے اور کون نہیں کرتا؟

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا ۙ الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ یَكُنۡ لَّهٗ شَرِیۡكٌ فِی الۡمُلۡكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِیۡرًا ☆

بڑی برکت ہے اس ذات کی جس نے اتاری فیصلہ کی کتاب اپنے بندہ پر تاکہ ہو جہاں والوں کے لیے ڈرانے والا۔ وہ کہ جس کی ہے سلطنت آسمان اور زمین میں اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا اور نہیں کوئی اس کا ساتھی سلطنت میں اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر۔" (سورت فرقان:۱،۲)

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ بِیَدِهِ الۡمُلۡكُ ۫ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُۨ ۙ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَیٰوةَ لِیَبۡلُوَكُمۡ اَیُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ☆

"بڑی برکت ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ہے بادشاہی اور وہ سب کچھ کرسکتاہے جس نے بنایا مرنا اور جینا تاکہ تم کو جانچے کہ کون تم میں اچھا کام کرتاہے"۔ (سورۃ الملک:۱،۲ ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا ؕ لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ ☆

"اے گروہ جنوں کے اور انسانوں کے! اگر تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو نہیں نکل سکتے بدون سند کے۔" (سورۃ الرحمن:۳۳ ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اور لاکھوں درود و سلام ہوں فخرِ موجودات، ہمارے آقا، خاتم الأنبیآء، حبیبِ خدا، محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر جن کو اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی محفوظ کتاب دے کر قیامت تک کے آنے والے

انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے کے لیے مبعوث فرمایا جنہوں نے ساری انسانیت کو ایک اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین کی دعوت نہایت واضح اور روشن دلائل سے دی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اس خاص بندے (محمد ﷺ) کے ذریعے حق کا بول بالا کر دکھایا اور قیامت تک کے لیے اعلان کر دیا کہ:

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اور اسی نبی الامی ﷺ کی ختمِ نبوت کے صدقے میں کارِ نبوت اس کے پیروکاروں کو عطا فرما کر اس دنیا میں پیدا ہونے والے آخری انسان تک پر اپنی حُجّت کو تمام کر دیا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾

"اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے"۔

(سبا:۲۸)

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾

"چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی اپنے منہ سے اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی اور پڑے برا مانیں منکر"۔

(سورۃ الصف:۸)

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٩﴾

"وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ دے کر اور سچا دین کہ اس کو اوپر کرے سب دینوں سے اور پڑے برا مانیں شرک کرنے والے"۔ (سورۃ الصف:۹)

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

"تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر"۔ (آل عمران:۱۱۰)

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٨﴾

"کہہ دے یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بنانے والوں میں"۔ (سورت یوسف:۱۰۸: ترجمہ شیخ الہند رحمہ اللہ)

فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی جمیع الال وجمیع الاصحاب والتابعین لھم باحسان الی یوم الحشر والحساب

(مختارالدین) کربوغہ شریف

حصہ اول

وجود باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار بدیہیات اور مشاہدات کے انکار سے زیادہ غلط ہے۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے ہر چیز حتی کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کارخانہ کا کوئی موجد ہے، اسے چلانے والی کوئی عظیم الشان ہستی ہے۔ اس نظامِ عالَم کو قائم رکھنے والی کوئی ذات ضرور ہے، ورنہ خود بخود یہ کاروبارِ ہستی کیسے چل سکتا اور قائم رہ سکتا ہے؟ دہریوں کے انکار کی وجہ ان کو اپنے محسوسات کے دائرہ میں اللہ تعالیٰ کا نظر نہ آنا ہے حالانکہ محسوسات کے دائرہ کے محدود ہونے کے وہ بھی قائل ہیں۔ دہری ہستیٔ باری تعالیٰ کے منکر ہو کر عالم کائنات کو بے جان مادہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر اپنی ہستی ہی میں غور کریں کہ جب اس کا کچھ نام و نشان نہ تھا پانی کی بوند سے اتنا خوبصورت متناسب الاعضا انسان بنادیا، علم و عقل عطا فرما کر سب جانداروں پر فوقیت دے کر اشرف المخلوقات بنایا تو عقلِ سلیم فوراً باور کرلے کہ مجھے ضرور ایک قادرِ مطلق اور حکیم و خبیر ہستی نے تخلیق کیا ہے۔

هَلْ اَتٰی عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۚ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ☆

"کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں کہ نہ تھا وہ کوئی چیز جو زبان پر آئی۔ ہم نے بنایا انسان کو ایک دورنگی بوند سے ہم پلٹتے رہے اس کو پھر کردیا ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا"۔ (دہر آیت:۲،۱ ترجمہ از حضرت شیخ الہندؒ)

دہریوں کا یہ کہنا کہ یہ سب مادہ کا ہیر پھیر ہے، ہماری زندگی و موت صرف زمانے کا چکر ہے کہ پیدا ہونے کے بعد ایک وقت معین تک زندہ رہے اور مر کر ختم ہوگئے حالانکہ زمانہ میں نہ حِس ہے، نہ شعور اور نہ ارادہ تو پھر دہر و زمانہ کا تصرُّف کیسے چلتا ہے؟ پھر اللہ ہی کو کیوں نہ مانیں جس کا وجود اور تصرف علی الاطلاق ہونا دلائلِ فطریہ اور براہینِ عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہوچکا ہے۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ☆

اور کہتے ہیں کہ کچھ نہیں بس یہی ہے ہمارا جینا دنیا کا ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم جو مرتے ہیں سو زمانہ سے اور ان کو کچھ خبر نہیں اس کی محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ (سورت جاثیہ:۲۴ ترجمہ از حضرت شیخ الہندؒ)

باب اول

عام دلائل

دہری وجدانی اندھے ہیں

اللہ تعالیٰ کا وجود سورج سے زیادہ واضح ہے لیکن جب اندھوں سے واسطہ پڑتا ہے تو ان کے لیے سورج کے وجود پر بھی دلائل پیش کرنے پڑتے ہیں اور انہیں مختلف طریقوں سے سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو بھائی! دن کے وقت لوگ گھومتے پھرتے ہیں، جب دن ہوتا ہے تو سورج کی عام روشنی وجہ سے کاروبار کرتے ہیں اور موسمِ سرما میں دوپہر کے وقت ہم جو زیادہ سردی محسوس نہیں کرتے اور بغیر چادر اوڑھے بھی باہر آسانی سے چل پھر سکتے ہیں، یہ اسی سورج کی حرارت کے کرشمے ہیں۔

غرض جس طرح پیدائشی اندھے کے سامنے سورج کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے دلائل قائم کرنے پڑتے ہیں بالکل اسی طرح وجدانی[1] اندھوں (جن لوگوں کا وجدان کام نہ کرتا ہو) کو بھی سمجھا سمجھا کر حقیقت پر لانے کے لیے یہی کچھ کرنا پڑتا ہے۔

دہریت کی بنیاد محض شک اور لاعلمی پر قائم ہے

تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ سے ہر زمانے اور دنیا کے ہر گوشے میں انسانوں کی اکثریت حق تعالیٰ کی ربوبیت پر کسی نہ کسی حد تک متفق چلی آرہی ہے اگرچہ باقی چیزوں یا عقائد میں اختلاف موجود ہے لیکن وجودِ باری تعالیٰ کا عقیدہ بہر حال انسانی اکثریت کا متفقہ عقیدہ ہے۔

اور جس محدود گروہ نے اپنے روحانی مرض کی وجہ سے اس عام فطری احساس کی خلاف ورزی کی اور منکرِ خدا ہوا تو ان کا انکار کسی علمی تحقیق یا معقول دلیل پر مبنی نہیں بلکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کا مشاہدہ نہ ہونے کی بنا پر شک وشبہ میں پڑ گئے ہیں۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ باری تعالیٰ کا انکار کوئی شخص بھی یقین کی بنیاد پر نہیں کرتا۔ کیونکہ یقین ہونے کا مدار، علم اور دلیل پر قائم ہے اور کسی بھی انسان کے پاس کوئی بھی ایسی علمی دلیل نہیں کہ ”خدا نہیں ہے“ پس جس کسی نے بھی یہ منفی عقیدہ اختیار کیا ہے تو محض شک اور لاادریت (میں نہیں جانتا) کی

---

[1] وجدان: باطنی حس، اندرونی بصیرت۔ وہ صفت جس کی وجہ سے انسان کسی سچ بات کو سنتے یا دیکھتے ہی مان لیتا ہے۔

بنیاد پر ایک عمارت کھڑی کی ہے اور جہاں تک تشکیک (شک کرتا) اور لاادریت (کہ میں نہیں جانتا) کا تعلق ہے تو یہ ایک جاہلانہ بات ہے جس کا حقیقت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

دہریوں کی تحریروں میں یہ بات صاف اور واضح طور پر ملتی ہے کہ ان لوگوں کا انکار صرف اس بنا پر ہوتا ہے کہ ان کو اپنے محسوسات (محسوس کی جانے والی چیزوں) کے دائرے میں اللہ تعالیٰ نظر نہیں آتا مثلاً لینن کہتا ہے:

"ہر سوشلسٹ اصولی طور پر دہریہ ہوتا ہے"۔

اور خدا کی ہستی کے معاملے میں ہمارا کہنا یہ ہے کہ ہم خدا پر یقین نہیں رکھتے اور ہمیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مذہبی پیشواؤں، زمینداروں اور سرمایہ داروں نے خدا کا تصور پیدا کیا ہے، تاکہ وہ بطور لوٹنے کھسوٹنے والوں کے اپنے مفاد کا تحفظ کر سکیں [1] (VI Lenin selected works P. 46)

میکسم گورکی نے ایک اخباری مضمون میں لکھا ہے کہ:

خدا کی تلاش فی الحال بند کر دینی چاہیے یہ ایک بے کار مشغلہ ہے، جہاں کسی چیز کے ملنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا وہاں تلاش بے سود ہے، جب تک کوئی چیز بوئی نہ جائے کاٹنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تم نے ابھی تک کوئی خدا بنایا ہی نہیں ہے، خداؤں کو تلاش نہیں کیا جاتا، خدا بنائے جاتے ہیں۔ تم زندگی کی تشکیل نہیں، تخلیق کرتے ہو۔ (بحوالہ روسی الحاد صفحہ ۱۳۲) (VI Lenin on Religion P38. V .P46

نعوذ باللہ من ذالك

"ایک کیتھولک پادری جو نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری کرتا ہے وہ کم خطرناک ہے بہ نسبت اس بغیر وردی پادری کے جو خدا کے تصور کا پرچار کرتا ہے۔" (VI. Lenin on Religion P. 37)

"مجلہ الازہر" کے مرحوم ایڈیٹر احمد حسین زیات نے "شرح الحاد" کے عنوان سے اپنے افتتاحیہ میں ماسکو ریڈیو کے حوالہ سے "میگزین آف سویت سائنسز" کے چیف ایڈیٹر کے الفاظ حرف بہ حرف نقل کیے ہیں۔ ان کا اردو ترجمہ یہ ہے: "روس کا مصنوعی سیارہ جو حال ہی میں خلا میں چھوڑا گیا ہے اور جو اپنے نازک آلات سے

---

[1] نوٹ: اسلام نے وجوب زکوٰۃ اور تقسیم وراثت کے ذریعے سرمایہ داروں پر کاری ضرب لگا کر اس کی جڑ کاٹ دی ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم اس پر روشنی ڈالیں گے۔ ان شاء اللہ

لیس ہے جن میں دیکھنے، سننے اور جائزہ لینے کی پوری طاقت موجود ہے۔ اس نے جو چیزیں بھیجی ہیں ان میں کوئی ایسی خبر نہیں ہے جس سے مختلف مذہبوں کے اس دعوے کا ثبوت ملا ہو کہ آسمان پر کوئی برتر بادشاہ موجود ہے جو تختِ خدائی پر براجمان ہو اور اس کے ارد گرد فرشتے گھیرا باندھے کھڑے ہوں اور اس کے آستانوں کا پیغمبر طواف کر رہے ہوں اور اس کے اطراف میں جنت اور دوزخ برپا ہو اور اس کی عدالت سے قضا و قدر کے فیصلے صادر ہو رہے ہوں۔ گویا یہ تصورات محض وہم ہیں اور جہالت نے لوگوں کی عقلوں کے اندر اتار رکھے ہیں یا یہ ایک ڈھکوسلہ ہے جسے دنیاوی اقتدار کے حریص بطورِ حربہ استعمال کرتے ہیں۔"

(روسی الحاد" بحوالہ مجلہ الازہر قاہرہ" شمارہ: ۱۰، اپریل ۱۹۵۹ء)

دہری وجودِ باری تعالیٰ کا انکار کیوں کرتے ہیں؟

مذکورہ بالا چند مثالوں سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ان ملحدین کے پاس خدا کے انکار پر کوئی علمی دلیل نہیں ہے، بلکہ ان کے یہاں صرف جھوٹے پروپیگنڈوں اور افترا پردازیوں کی بھر مار ہے، ورنہ خدا پرستوں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ جلّ شانہ چاند یا مریخ پر ہیں یا وہاں پر جنت اور دوزخ موجود ہے۔ اس قسم کی باتیں قائلین پر [1] محض افترا ہیں اور سادہ لوح لوگوں کو دھوکا دینا ہے کہ جھوٹ موٹ ایسی باتیں بناتے ہیں جن سے ان کے دل خدا اور شریعت سے پھر جائیں۔ آپ

جہاں بھی خدا کے انکار کے بارے میں ان کے دلائل سنیں گے تو ان کے پاس صرف یہی ایک کھوکھلی بات ہے کہ خدا تعالیٰ دائرہ محسوسات میں نہیں ملتا۔ اس بنا پر باری تعالیٰ سے منکر ہو کر عالمِ کائنات کو ایک بے جان مادہ کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں۔ خدا تعالیٰ جب دائرہ محسوساتِ ظاہری سے خارج ہی ہے تو اس ظاہری دائرے میں اس کو پانا کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ یہ تو ایسی بات ہے کہ جیسے کسی چیز کی خوشبو یا بدبو آنکھ اور کان سے معلوم نہیں ہو سکتی تو یہ نظریہ قائم کر لیا جائے کہ واقعہ میں خوشبو اور بدبو کا وجود نہیں! بلکہ کہنا یہ چاہیے کہ یہ دائرۂ مسموعات [2] اور مبصرات [3] سے خارج ہے۔ یہ دائرہ مشمومات [4] کی چیز ہے۔ یا پھر کوئی شخص جنگل میں عمر گزار کر بس، ٹرک یا کوئی ملاح (بحری پائلٹ) سمندر پر تمام عمر رہ کر ہاتھی کے وجود کا انکار کرنے لگے۔ کیا ان لوگوں کے انکار کو صحیح سمجھا

---

[1] اللہ کے قائل (یعنی ماننے والے)۔
[2] سننے کی۔
[3] دیکھنے کی۔
[4] سونگھنے کی۔

جائے گا؟ ہر گز نہیں بلکہ ان کو جاہل اور بے وقوف قرار دیا جائے گا۔ یہی حال منکرینِ خدا کا بھی ہے کیونکہ کسی چیز کو نہ جاننا اور اس کا علم نہ ہونا اس چیز کے عدمِ وجود ① کی دلیل نہیں۔

انفسی دلائل

کاش کہ یہ لوگ عقل سے کام لے کر فقط اپنی ذات کے بارے میں غور و فکر کرتے تو کبھی بھی راہِ حق سے نہ بھٹکتے اور اپنی ذات میں وجودِ باری تعالیٰ پر کافی شافی دلائل پاتے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

ہارون رشید نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے وجودِ باری تعالیٰ پر دہریوں کے مقابلہ کے لیے دلیل معلوم کرنا چاہی تو آپ نے انسانوں کی مختلف شکلوں، آوازوں، نغمات اور لغات ② سے استدلال کیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ابتدا سے آدم علیہ السلام کی اولاد کی شکلیں اور آوازیں ایک دوسرے سے مختلف چلی آرہی ہیں کبھی دو آدمیوں کی آواز اور شکل ایک جیسی نہیں ملے گی بلکہ ضرور کچھ نہ کچھ فرق ہو گا۔ حالانکہ تمام بنی آدم ایک ہی قسم کے نطفہ سے رحم میں پرورش پا کر ایک ہی غذا کھا کر پیدا ہوئے ہیں۔ اسی طرح جس ہوا کے تموّج ③ سے آواز پیدا ہوتی ہے وہ ہوا بھی ایک ہی ہے اور گلوں کی خلقت اور آلات صوت وغیرہ (LARYNX) بھی ایک جیسے ہیں پھر بھی اربوں مختلف آوازیں، آوازوں کا یہ باریک فرق عجیب کرشمہ قدرت ہے۔

پھر ذرا لغات کے اختلاف میں غور فرمائیے تو عربی، فارسی، افغانی اور انگریزی کتنی مختلف زبانیں ہیں جو دنیا میں بولی جاتی ہیں جن کو ہر شخص اپنے والدین اور ماحول کے لوگوں سے سیکھتا ہے، اسی طرح یہ سلسلہ اوپر جا کر پہلے انسان تک جا پہنچتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس پہلے انسان نے اتنی زبانیں کہاں سے سیکھی تھیں؟ اسی طرح اختلافِ لب ولہجہ اور انسانوں کے مختلف رنگ اور مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ اس میں کیا کیا حکمتیں مستور ہیں؟ بہت سی حکمتیں تو معمولی غور و فکر سے سمجھ میں آسکتی ہیں اور بعض تک ابھی تک عقلِ انسانی کی رسائی نہیں ہوئی۔ رنگت، لب ولہجہ اور صورت کا یہ باریک فرق (جس کی بدولت ایک انسان دوسرے سے ممتاز ہے حالانکہ سب کے وہی دو ہاتھ پیر، دو آنکھیں، دو کان اور ایک ناک ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ ایک باپ

---

① نہ ہونے۔

② زبانوں

③ لہریں پیدا ہونا

کے چار بیٹے ہوں تو کسی کو تین آنکھیں اور چار کان شناخت کے لیے ملے ہوں) کس طرح اور کہاں سے آیا؟ اس کے جواب میں یوں کہنا کہ یہ سب اندھے، بہرے مادہ کے کرشمے ہیں ایسا مضحکہ خیز مُغالَطہ ہے جس پر صرف جاہل یا دیوانہ یقین کر سکتا ہے۔

آخر کیا استحالہ یا نا ممکن ہے اگر ہم کہیں کہ آخر کوئی ایسی ہستی ضرور موجود ہے جس نے اپنی حکمتِ بالغہ سے یہ سب کچھ کر دیا ہے اور اسی نے پہلے انسان کو الہام کے ذریعے بولی سکھائی اور پھر اسی سے دوسرے لوگوں نے سیکھی، اسی بات کو قرآن واضح کرتا ہے:

وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ وَاَلۡوَانِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡعٰلِمِیۡنَ

"اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا اور طرح طرح کی بولیاں تمہاری اور رنگ، اس میں بہت نشانیاں ہیں سمجھنے والوں کو"۔(روم:۲۲ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

دلیل نمبر(۲)حرارتِ بدن کی یکسانیت اور صورتوں کا اختلاف کیوں ہے؟

یہ عام مشاہدہ ہے کہ صحت مند آدمی کا درجۂ حرارت 98 1/2 درجہ فارن ہیٹ ہے۔ سردی پڑے یا گرمی بدن کا درجۂ حرارت جوں کا توں رہتا ہے، نہ اضافہ ہوتا ہے اور نہ کمی۔ افریقہ کے منطقہ حارہ [1] کے باشندے اور بحر الکاہل کے جزائر میں رہنے والی قومیں اس شدت کی گرمی میں زندگی گزارتے ہیں جس کا حال سن کر آدمی گھبرا جاتا ہے، اس کے باوجود وہاں کے لوگ دھوپ میں چلتے پھرتے اور کام کاج کرتے رہتے ہیں ۔لیکن ان کے بدن کی گرمی یا درجۂ حرارت وہی 98 1/2 درجہ فارن ہیٹ ہوتا ہے جیسا کہ منطقہ معتدلہ میں رہنے والے انسانوں کا ہوتا ہے۔ جہاں چھ ماہ کا ایک دن اور چھ ماہ کی ایک رات ہو جہاں سورج صرف افق پر دیکھا جاسکتا ہو وہاں سردی کی شدت کا کیا عالم ہو گا؟ درختوں کا نام ونشان تک نہیں، چاروں طرف برف ہی برف ہے اور ہر شئے منجمد، لیکن جو انسان اس ماحول میں زندگی بسر کر رہا ہے، برف کے میدانوں اور پہاڑوں پر چلتا پھرتا ہے اور انہی برف کے تودوں کے اندر مکان بنا کر رہتا ہے۔ اس کے بدن کا درجۂ حرارت بھی وہی 98 1/2 درجہ فارن ہیٹ ہو گا۔

[1] گرم علاقہ۔

آب وہوا میں اتنا اختلاف اور ماحول میں اتنا فرق کہ غذا یکساں نہیں، بود و باش الگ الگ، رہن سہن الگ، غرض بہت سی باتوں میں منطقۂ حارہ کے رہنے والے منطقۂ باردہ کے رہنے والوں سے مختلف ہیں مگر اتنے وسیع اختلاف کے ہوتے ہوئے بھی دونوں کے بدن کا درجۂ حرارت یکساں ہے کیا یہ اس امر کا ثبوت نہیں کہ ایک ایسی ہستی ضرور موجود ہے جس نے زمین پر رہنے والے انسانوں کے فائدے اور ضرورت کے پیشِ نظر جہاں شکل و آواز میں فرق رکھا کہ زید، بکر سے ممتاز ہو سکے اور دنیاوی کاروبار چلانے میں آسانی ہو، وہاں درجۂ حرارت ہمیشہ اور ہر جگہ یکساں 98 1/2 درجہ فارن ہیٹ رکھا کہ درجۂ حرارت کی وجہ سے بیماریوں کا تشخص ہو سکے۔

دلیل نمبر(۳)انسان کی حیرت انگیز مشینری

انسان جب بھی اپنی ذات وصفات اور جن مراحل سے اسے گزرنا پڑتا ہے ان پر غور کرے گا تو اس کو اس بات کا کامل یقین ہو جائے گا کہ میرا پیدا کرنے والا ضرور ایک رب ہے، ورنہ ایک قطرہ پانی عورت کے رحم میں پہنچ کر کس طرح مختلف ادوار سے گزر کر کیسے کیسے عجیب احوال اور تغیرات کو قبول کر رہا ہے، بتدریج ہڈیوں اور اعضاء کی ساخت ہوتی ہے، گوشت پوست، رگیں اور پٹھے بنتے چلے جاتے ہیں، ناپاک خون سے اس کو غذا مل رہی ہے، تنگ و تاریک مقام میں اس کی نشو نما کا سلسلہ جاری ہے، اسی شکمِ مادر میں اس کے تنفُّس کا سامان بھی مہیا کر دیا گیا ہے۔ پھر ایک مدت کے بعد تخلیقی مراحل کے پورے ہونے پر اس کی ولادت ہوتی ہے۔ اس کی شکل وصورت، اعضا کی ترکیب اور پیدائش کو دیکھو۔ اس کی ظاہری اور باطنی قُویٰ اور حرکات پر نظر کرو، پھر یہ کہ پیدا ہوتے ہی جب کہ اس کو کوئی بات سکھانا کسی کے بس میں نہیں ہے، یہ کس نے سکھایا کہ دودھ حاصل کرنے کے لیے ماں کی چھاتی دبا کر چوسے۔ بھوک، پیاس، گرمی یا بیماری کی تکلیف ہو تو رو پڑے جو اس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی ہو جائے گا۔

پھر بتدریج اس میں قوت، عقل و فہم اور شعور کی صلاحیتیں تیز ہو جاتی ہیں اور آخر اس حد تک جا پہنچتا ہے کہ اس کی تمام صلاحیتیں عروج پا کر رک جاتی ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ تنزُّل شروع ہو جاتا ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں! کائنات کے عجائبات میں عجیب ترین چیز خود انسان ہے، فطرت میں سادہ ترین اور نتائج کے اعتبار سے حیرت انگیز۔ یہ ایک ایسی مشینری ہے جس کا ہر پرزہ عجیب وغریب خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس مشین کے جس پرزے کو جس مقصد کے لیے بنایا گیا ہے اس اعتبار سے اس کو شکل بھی دی گئی ہے اور جس پرزے کو جو شکل دی

گئی ہے اس سے بہتر شکل ممکن ہی نہیں اور جس جگہ فٹ کیا گیا ہے اس سے زیادہ موزوں جگہ کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ ڈھانچہ، دماغ، آنکھیں، کان، ناک، آواز کا آلہ، زبان، معدہ، دل، گردے، غدود، جلد، دورانِ خون کا نظام اوراعصاب، غرض ہر ایک پرزہ حیرت انگیز کمالات دکھارہاہے جو کہ صاحبِ عقل کو حیران کر دیتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اگلے دانت تیز اس لیے ہیں کہ غذا کو توڑا جاسکے اور ڈاڑھیں اس لیے چوڑی چکی کی طرح ہیں کہ غذا کو پیس ڈالیں اور زبان لقمہ کو الٹتی پلٹتی ہے اور انگلیوں میں بند اس لیے لگائے گئے ہیں کہ کھولنا اور بند کرنا آسان ہو، ازل سے لے کر اب تک دنیا میں اربوں انسان پیدا ہوئے ہیں مگر کسی کی شکل بعینہ دوسرے جیسی نہیں، کسی انسان کے انگوٹھے اور پوروں کی لکیریں دوسرے انسان سے نہیں ملتیں حتیٰ کہ انہی لکیروں کے اختلاف سے مجرموں کی پہچان کرنا تمام ممالک میں ایک مسلّمہ بین الاقوامی قانون کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اسی طرح جسم کا ہر حصہ نہایت حیرت انگیز طور پر صرف ایک دو نہیں بلکہ کئی کئی خدمات انجام دے رہا ہے۔ انسانی عقول کو حیرت میں ڈالنے والی اس صناعی کو دیکھ کر صاحبِ عقل پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حیرت انگیز کرشمے ایک بے حِس وبے شعور مادہ اور اس کی طبیعت کی اتفاقی حرکتوں کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ سب ایک عظیم ہستی کی کاریگری کا شاہکار ہے۔

مادہ اور طبیعت سے خود بخود مخلوقات منظرِ عام پر نہیں آسکتیں

دہری لوگ تمام مخلوقات کو مادہ اوراس کی طبیعت کا فعل بتاتے ہیں کیونکہ دنیامیں جتنی اشیاء ہیں وہ سب (بظاہر) چار طبیعتوں کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہیں جس سے یہ اخذ کر لیا کہ طبیعتیں ہی فاعل ہیں۔ در حقیقت ان لوگوں کو اپنی بھی خبر نہیں کیونکہ

دلیل نمبر (۱)

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اس کا فہم اور ذکاوت بہ نسبت اور حیوانات کے بہت کم ہوتی ہے۔ دیکھو جب مرغی کے بچے پیدا ہوتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو مضر اشیاء سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی ماں کو پہچانتے ہیں۔ اگر کائنات کا انتظام طبیعت پر ہوتا جس طرح کہ نیچریوں کا خیال ہے تو ہونا یوں چاہیے کہ جو چیز پیدائش ہی سے زیادہ ذکی اور فہیم ہو وہ حدِ کمال میں بہت ہی ذکی اور فہیم ہو، لیکن یہاں معاملہ بر عکس ہے کیونکہ جب انسان کمال کو پہنچتا ہے تو وہ تمام حیوانات سے زیادہ سمجھدار اور فہیم ہوتا ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انسان کی غیر معمولی ذہانت، صرف قادر و قیوم ذات کا عطیہ اور بخشش ہے۔

دلیل نمبر (۲)

پھر انسان کی طبیعتیں اور مزاج مختلف پیدا کیے ہیں تا کہ معیشت کا نظام چلے۔ ورنہ اگر طبائع اور مزاج ایک جیسے ہوں تو معیشت کا نظام درہم برہم ہو جاتا اور سب کے سب ایک ہی پیشہ اختیار کرتے، لیکن دنیا کا نظام کچھ ایسا عجیب و غریب چلایا گیا ہے کہ کسی کو عدل وانصاف کے عہدے پر فائز کیا گیا ہے، کسی میں مکینک بننے کی خواہش رکھی گئی ہے اور کسی کو زمینداری کے فوائد نظر آتے ہیں اور کسی کی توجہ تجارت کی طرف مبذول کر دی گئی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس انسانوں کے مختلف خیالات اور طبیعتوں سے معیشت کا نظام چل رہا ہے۔ اسی طرح انسان مختلف صورتوں میں نمودار ہوتا ہے تا کہ ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان سکے، ورنہ اگر یہ امتیاز نہ ہوتا تو تجارت اور دیگر کاروبار میں عظیم خلل پڑ جاتا۔ اگر طبیعت مؤثر ہوتی تو تمام انسانوں کی طبیعت ایک جیسی ہونی چاہیے تھی، پھر اس قدر شدید تفاوت کہاں سے آیا جس میں بے شمار فوائد مضمر ہیں۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اختلافِ طبائع و مزاج ایک حکیم اور قادر ذات کی طرف سے ہے نہ کہ بے شعور طبیعت کی طرف سے۔

دلیل نمبر (۳)

اسی طرح زمین کے ایک خطے کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے سورج، چاند اور ستاروں کی تاثیر برابر ہے پھر بھی زمین سے مختلف رنگ، ذائقے اور خاصیت کے میوے نکلتے ہیں۔ بعض کا میوہ اندر اور چھلکا باہر ہوتا ہے جیسا کہ کیلا، مالٹا، انار، اخروٹ، بادام وغیرہ۔ اور بعض کا میوہ ظاہر اور گٹھلی اندر ہوتی ہے جیسا کہ آڑو، آلوچہ، خوبانی وغیرہ اور بعض کا اندر اور باہر تمام ہی تمام غذائی صلاحیت رکھتا ہے جیسا کہ انجیر وغیرہ۔ اسی طرح میوں کے ذائقے، طبائع اور شکلیں مختلف ہوتی ہیں حالانکہ ایک ہی پانی، ہوا اور سورج وغیرہ سے نشو نما پاتے ہیں۔ ان حالات کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب میوے رنگ، بو، ذائقہ اور طبیعت میں ایک جیسے ہوتے تو یہ شدید تفاوُت کا کہاں سے آیا؟ اور یہ مٹھاس، کھٹاس کے مختلف ذائقے کہاں سے آتے ہیں؟ ایک ہی خطہ پر مختلف رنگوں کے پھول اور ان کی مختلف خوشبوئیں کہاں سے آتی ہیں؟ حالانکہ زمین کی مٹی اور پانی کا ذائقہ، رنگ و بو اور مزہ سب یکساں ہیں۔ اسی طرح اس میں مختلف طبیعتیں کہاں سے آتی ہیں؟ یہ سب کچھ ایک زندہ اور دانا ہستی کی طرف سے ہے نہ کہ طبیعت کی طرف سے۔

دلیل نمبر(۴)

ایک درخت پر نظر کریں تو وہ مختلف طبائع کا حامل ہو گا۔ ہم زمین میں گھٹلی یا تخم بوتے ہیں تو چند دن کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ اوپر اور نیچے کی طرف پھٹ جاتا ہے۔ اور دانے کے اوپر کا حصہ زمین سے باہر آکر اوپر کی طرف بڑھنا شروع ہو جاتا ہے اور نیچے کا حصہ نیچے کی طرف جاتا ہے باوجودیکہ دانے کی طبعیت ایک مگر اس کا بڑھنا دو متضاد اطراف یعنی اوپر اور نیچے ہے۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جڑیں باوجود لطافت کے سخت زمین میں اندر کی طرف بڑھ جاتی ہیں۔ اسی طرح ایک چھوٹی سی گٹھلی سے ایک تناور درخت بن جاتا ہے اس میں مختلف طبیعتیں ہوتی ہیں۔ پتوں کا ذائقہ، رنگ اور طبیعت علیحدہ ہوتی ہے اور اس کے میوے کی طبیعت، رنگ اور ذائقہ کچھ اور ہوتا ہے، اسی درخت کے تنے کا رنگ، ذائقہ اور طبیعت، جدا حالانکہ ستاروں کی کشش، موسم وآب ہوا اور آفتاب کے اثرات وغیرہ سب پر یکساں ہوتے ہیں پھر بھی ایک درخت میں مختلف طبیعتیں بن جاتی ہیں۔ ایک ہی گٹھلی سے مختلف اور متضاد طبائع والی اشیاء کا پیدا ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا خالق ایک حکیم ہستی ہے جو اِن باریکیوں کو بخوبی جاننے والا اور حسبِ مرضی پیدا کرنے والا ہے۔

دلیل نمبر(۵)

امام رازی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کی کسی طبیب سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ تم نے اپنے رب کو کیسے پہچانا؟ اس نے جواب دیا کہ ”ھلیلہ“ سے پہچانا ہے کہ یہ سرد اور خشک ہے اور اسہال لاتا ہے۔ لیکن اس کا لعاب تر ہے اور قبض پیدا کرتا ہے۔

دلیل نمبر(٦)

غور کیجیے! پانی کی طبیعت اتصال اور اختلاط ہے لیکن پھر بھی زمین پر دو قسم کے دریا بہتے ہیں اور بعض جگہ پر دونوں مل جاتے ہیں ان کے درمیان معنوی پردہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس قسم کے نظائر تقریباً دنیا کے ہر خطے میں پائے جاتے ہیں مگر جہاں دو دریا شیریں اور نمکین مل کر بہتے ہیں وہاں کافی دور تک دونوں کا پانی الگ اور ممتاز رہتا ہے ایک طرف میٹھا اور دوسری طرف کھارا۔ اور بعض جگہ یہی صورت اوپر نیچے بھی ہوتی ہے کہ جہاں دریائے شور① کسی شیریں دریا کے اوپر چڑھ جاتا ہے وہاں بھی نیچے کا پانی اپنی جگہ شیریں رہتا ہے اور اوپر کا

① کھارے پانی کا دریا۔

پانی نمکین ہوتا ہے۔ پانی باوجود رقیق اور لطیف ہونے کے ایک مسافت تک ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتا۔ الگ الگ رنگ اور ذائقے سے چلتا، طبیعت اور نیچر کے پرستار یہ بتلائیں کہ پانی کی طبیعت اتصال اوراختلاط کے مقتضی ہونے کے باوجود کون سی شئے ہے جو آبِ شیریں کو آبِ شور کے ساتھ مل جانے سے منع کرتی ہے؟وہ کون ہے جو رقیق اشیاء میں سطحی تناؤ(Suf-Acetension)پیدا کرتا ہے؟ بلاشبہ وہ وہی قادر ذات ہے جس نے اس سطحی قانون کا چودہ سو سال پہلے اعلان فرمایا۔

وَهُوَالَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَّ جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا

”اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے چلائے دریا۔ یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا اور یہ کھاری کڑوا اور رکھا ان دونوں کے بیچ پردہ اور آڑ روکی ہوئی“۔(الفرقان :۵۳ ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

دلیل نمبر(۷)

اگر غور کیا جائے تو طبیعت نہ شعور رکھتی ہے نہ علم، تو پھر سوال یہ ہے کہ سورج، چاند اور دیگر کواکب اور تمام دنیا کا نظام جو باقاعدہ ترتیب سے چلتا ہے اور اس میں انسان جیسا صاحبِ عقل بھی موجود ہے جو اپنے ذہنی کمالات کی بدولت ہوا میں اڑ کر سفر کر سکتا ہے اور چاند جیسے دور دراز اجرام کی سیر کر رہا ہے، ساری دنیا کے انسان مل کر صرف سورج جیسا ایک سورج تو بنا کر دکھائیں جو تمام دنیا کو روشنی دے، فصلوں کو پکائے، چاند کو روشنی دے اور دیگر جتنے فوائد ہیں وہ اس سورج میں رکھیں۔ جب ایسا کرنا ایک ذی عقل وشعور کے لیے دشوار بلکہ ناممکن ومحال ہے تو بے شعور مادہ کس طرح خود بخود دنیا کا نظام اس حیرت انگیز ترتیب کے مطابق چلائے گا اور اس سے انسان جیسا باشعور وجود کس طرح منظرِ عام پر آئے گا؟ بات صرف یہ ہے کہ جب انسان تعصّب اور عناد کی عینک لگاتا ہے تو خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی راہ سے بھٹکانے کی سوچتا ہے، ورنہ کون نہیں جانتا کہ طبائع کا اجتماع تو صرف اس امر کی دلیل ہے کہ طبائع موجود ہیں اس سے یہ نتیجہ کہاں نکلتا ہے کہ طبائع خود فاعل بھی ہیں؟ اب تک یہ بات بخوبی واضح ہو چکی ہے کہ تقریباً سب کچھ طبائع کے خلاف ہو رہا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ طبائع مجبور اور مقہور ہیں اور یہ بات بھی مسلَّم ہے کہ طبائع میں حیات، علم اور قدرت نہیں اور یہ بھی ظاہر ہی ہے کہ باانتظام اور باقاعدہ فعل کسی عالم اور داناہی سے سرزد ہو گا۔ پھر جب کسی چیز میں خود علم نہیں تو وہ دوسرے عالم کا فاعل وخالق کیسے ہو سکتی ہے؟اور جس میں قدرت نہیں وہ ایک قادر کا فاعل کیسے ہو گی؟

دہریوں کا شبہ اور اس کا جواب

دہری لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و حقیقت تصور سے بالاتر ہے اور جب تک کسی چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو وہ کس طرح ثابت ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی چیز کا وجود اجمالی طور پر ثابت ہو جائے، اگرچہ تفصیلاً باریکیوں کا ادراک اور حقیقت تک رسائی نہ ہو تو اس بنا پر اصل وجود کا انکار کرنا بالکل جہالت ہے کیونکہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا ادراک ہم اجمالی طور پر کرتے ہیں جیسے عقل اور روح اور ان کی تفصیل کچھ معلوم نہیں، حالانکہ کوئی بھی ان کے وجود کا انکار نہیں کر سکتا تو پھر خدا کی ہستی کا اس وجہ سے انکار کیوں کیا جاتا ہے؟

ہم دن رات بلا دیکھے سینکڑوں چیزوں کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کا وجود ہی باطل ہے، عقل کے کرشمے ہم دیکھتے ہیں لیکن عقل دکھائی نہیں دیتی۔ اور روح باوجودیکہ بدن کی رگ رگ میں اس کا ظہور ہے مگر پھر بھی آج تک یہ ایسی نادیدہ چیز ہے کہ خود اپنا نفس بھی اس کی دیدار سے محروم ہے۔

کسی فریادی کی فریاد، رنگ ولہجہ سے ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ اس کو تکلیف ہو رہی ہے ورنہ یوں پریشان نہ ہوتا اور فریاد نہ کرتا لیکن کیا ہمیں اس کا درد یا غم دکھائی دیتا ہے۔

موٹر یا جہاز وغیرہ کو دیکھ کر ایک صاحبِ عقل ان کے بنانے والوں کو دیکھے بغیر استدلال کر لیتا ہے کہ ایسی عجیب و غریب چیزیں کسی صاحبِ عقل کی ایجاد ہیں، اس کے استدلال کے لیے براہِ راست موٹر یا جہاز بنانے والے یا اس کے کاریگر کی کارکردگی کا عین مشاہدہ ضروری نہیں بلکہ موٹر کا وجود اور اس کی ساخت وترکیب صاحبِ عقل کو یقین دلانے کے لیے کافی ہے کہ وہ خود بخود نہیں بن جاتی بلکہ کسی شخص نے ایک منظم منصوبے کے مطابق اور ایک خاص مقصد کے لیے بنائی ہے۔ اسی طرح بہت سی چیزیں محض اپنی علامات اور نشانیوں سے پہچانی جاتی ہیں اور بغیر دیکھے ان پر یقینِ کامل کر لیا جاتا ہے۔ اگر ہم اِن چیزوں کو بغیر دیکھے مان لیتے ہیں تو خدا کو بھی بغیر دیکھے مان لینے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟

بدو، گنوار کی دلیل

ایک بدو گنوار نے اپنے طریقے سے دہری کو کیا خوب جواب دیا ہے جب ایک دہری نے دریافت کیا

کہ تمہارے پاس خدا کے وجود اور ہستی پر کیا دلیل ہے؟ تو اس نے جواب دیا:

البعر تدل علی البعِیر، واثار الاقدامِ علی المسِیرِ، فالسمآ ذات الابراجِ والارض ذات الفِجاجِ والبِحار ذات الامواجِ فکیف لاتدل علی الصانِعِ اللطِیفِ الخبِیرِ العلِیمِ القدِیرِ

ترجمہ: اونٹ کی مینگنی اونٹ کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور قدموں کے نشان چلنے والے کی نشانیاں ہوا کرتی ہیں۔ پس یہ برجوں والا آسمان اور یہ گھاٹیوں والی زمین اور یہ موجوں والا سمندر ایک ماہر کاریگر جو لطیف اور بڑے علم و قدرت والے ہیں پر دلالت نہیں کریں گے؟

ایک نظر نباتات پر ڈالتے جایئے

صاحبِ عقل جہاں بھی نظر دوڑائے گا وہاں اللہ تعالیٰ کے وجود پر کافی شافی دلیل پائے گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عالمِ نباتات کا محکم اور منضبط نظام ایسے عجائب و غرائب پر مشتمل ہے جن کے اسرار اور حکمتوں نے دنیا کے عقلا کو حیرت میں ڈال رکھا ہے، ان سے متعلق علوم اور باتوں کا مکمل احاطہ طاقتِ بشریہ سے باہر ہے چنانچہ ایک اجمالی نظر ڈالتے ہی نظر آجائے گا کہ نباتات کی بعض قسمیں ایسی ہیں جو زمین پر بچھی ہوئی ہیں، بعض سطحِ زمین سے بلندی کی طرف چڑھنے والی ہیں، کسی کی بلندی ہاتھ دو ہاتھ تک ہے۔ بعض تناور درخت ہیں اور بعض صرف تنکوں کی طرح ہیں، کسی پر پھول ہیں تو کسی پر پھل پھر پھولوں اور پھلوں کی قسمیں دیکھیں! کہ کس قدر ہیں، پھولوں کے رنگ اور خوشبو میں غور کریں اور یہ بھی دیکھیں کہ بعض پھول دوسرے پھولوں سے رنگت اور وضع میں بالکل مشابہ ہیں لیکن ہر ایک کی خوشبو جدا جدا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ پھولوں کی خوشبوؤں میں بھی انواع و اقسام کی کثرت حیرت انگیز ہے، کسی کی خوشبو لطیف ہے اور کسی میں کثافت ہے، کسی میں ناگوار بو یا بالکل بدبو ہے۔ پھر پتوں کی رنگتیں، وضع اور ہیئت، ان کی نرمی اور خشونت، ان میں رنگوں کی آمیزش، ان کا طویل اور عریض یا گول ہونا۔ پھر پتوں اور سبزیوں میں بعض غذائیں ہیں۔ اگر ایک طرف انسان ان سے لذیذ انواع و اقسام کے کھانے تیار کر رہا ہے تو دوسری طرف حیوانات و بہائم دن رات ان کو چر رہے ہیں اور خداوند عالم کے اس فرمان مبارک كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ”کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چارہ دو۔“ کی یہ شان ہر گھر، بازار اور سبزہ زار میں نظر آرہی ہے۔ اس کے علاوہ بعض نباتات دواؤں کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، بعض ایسے ہیں کہ جن سے مختلف قسم کے تیل کشید کیے جارہے ہیں۔ دوسری طرف انہی پتوں، پھولوں اور پھلوں

سے شہد کی مکھیاں عرق چوس چوس کر ایسا شیریں اور مزیدار شہد اللہ تعالیٰ کے حکم سے دنیا کو مہیا کر رہی ہیں جس میں بے شمار بیماریوں کا علاج اور غذاؤں کا بہترین جوہر ہے۔ بعض نباتات سے ایسا دودھ ٹپکتا ہے جیسے جانوروں کے تھنوں سے، پھر ان نباتات کے بیجوں کے بے شمار استعمال ہیں۔ ایک اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بعض زمین پر پھیلی ہوئی کمزور بیلیں ہیں اور ان پر خربوزہ اور تربوز جیسے وزنی اور بڑے پھل لگتے ہیں۔ اور بعض بڑے بڑے درختوں پر بیر اور توت جیسے چھوٹے پھل آتے ہیں۔

ناریل کے درخت میں اللہ تعالیٰ کی عجیب کاریگری

صرف ناریل کے ایک درخت کو لیجیے کہ اس میں اللہ رب العزت کی بے پایاں قدرتوں کا کرشمہ کس طرح جلوہ گر ہے۔ ناریل کا پھل کھایا بھی جاتا ہے اور دواؤں میں بھی استعمال ہوتا ہے اس سے تیل بھی نکل رہا ہے اور خول توڑنے پر نہایت صحت بخش پانی بھی۔ اس کے علاوہ دودھ کی طرح سیال عرق بھی اس میں سے نکلتا ہے، اس کی کونپلوں اور کلیوں سے مختلف قسم کے مشروب تیار ہوتے ہیں اور اس کے پتے ترکاریوں کے طور پر پکائے جاتے ہیں۔ اس سے چٹائیاں، سائبان اور پردے بھی بنتے ہیں، اس کی چھال اور ریشے سے رسیاں بن رہی ہیں، تھیلے تیار ہو رہے ہیں، ٹہنیاں اور لکڑیاں چھتوں میں استعمال کی جارہی ہیں، انہی سے سوختہ اور ایندھن کا کام بھی لیا جاتا ہے، کہیں اس کے پتوں سے روشنائی تیار ہو رہی ہے اور کاغذ بھی بن رہے ہیں۔ الغرض یہ صرف ایک درخت ہے جس کے فوائد اور استعمالات انسانی نظامِ زندگی میں کتنے زیادہ پھیلے ہوئے ہیں۔ انسان سوچے اور غور کرے کہ یہ سب کسی مدبّر، حکیم، دانا اور خالق کے بغیر کیونکر ممکن ہے؟ یہ محیر العقول نظام کیا کسی بے حس و بے شعور مادہ اور طبیعت کا اقتضا ہو سکتا ہے؟ اور کیا یہ سب کرشمہ سازیاں اور حیرت انگیزیاں محض بخت و اتفاق سے منظرِ عام پر آسکتی ہیں؟ یہ بے شمار مختلف رنگوں اور خاصیتوں والے سبزے ایک پانی سے اور ایک ہی زمین میں اگتے ہیں۔ منکرینِ خدا بتائیں کہ ایک زمین سے جو اپنی خاصیت اور جوہر کے لحاظ سے واحد ہے اور ایک ہی پانی سے جو اپنے مزاج و خاصیت میں یکساں ہے اس قدر مختلف رنگوں، ذائقوں اور خوشبوؤں والے پھول اور پھل کیسے پیدا ہوئے؟ اسی امر کو حق تعالیٰ شانہ واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يُسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ

”یعنی (سب نباتات) ایک ہی پانی سے سیراب کیے جاتے ہیں اور مزے میں ہم کسی کو کسی پر فضیلت اور برتری بخشتے ہیں“۔ (سورت رعد:۴)

علامہ آفندی کہتے ہیں کہ ماہرینِ نباتات، نباتات کی جن قسموں کی تحقیق کر سکے اور ان کا علم ان کو ہو سکا وہ اسّی ہزار اقسام سے متجاوز ہیں۔ علمِ طب میں مفردات کے موضوع پر جو ضخیم ترین کتابیں موجود ہیں ان سے عالَمِ نباتات کی حیرت انگیز وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور جڑی بوٹیوں کے جو خواص اور تاثیرات ذکر کی گئی ہیں ان پر نظر ڈالنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی قدرت پر ہر شخص ایمان لانے پر فطرۃً اور عقلاً مجبور ہو جاتا ہے جس کو ادنی درجے کا عقل و شعور حاصل ہو۔ اگر اس کے باوجود بھی کوئی شخص خداوند کریم کی خالقیت اور قدرت پر ایمان نہیں لاتا تو آخری درجہ پر پہنچنے والا دیوانہ ہے یا انتہائی معاند و متعصب، وہ تو دیدہ و دانستہ اس طرح خدا کا انکار کر رہا ہے جس طرح کوئی احمق عین دوپہر کے وقت جب کہ سورج کا نور اور اس کی شعاعیں عالَم کو منور کر رہی ہوتی ہیں سورج کے وجود کا انکار کر رہا ہو۔ (ماخوذ از منازل العرفان)

عالَمِ حیوانات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ

اسی طرح عالَمِ حیوانات کو بغور دیکھا جائے تو ایک نہایت وسیع عالَم جو قدرتِ خداوندی کے ثبوت کے لیے دلائل کا ایک ناپیدا کنار سمندر ہے نظر آئے گا۔ بحر و بر کے جانوروں کے انواع و اقسام، ان کے رنگ اور شکلیں، ان کے احوال و اطوار، ان کے طبائع اور خواص اور ان کے معاشی واکتسابی طور طریقے، ان تمام باتوں کی تفصیل کے لیے ضخیم کتابیں چاہییے، ان میں سے ہر ہر جانور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی عظیم ترین دلیل ہے۔

ان جانوروں میں طاقت ور اور خون خوار درندے بھی ہیں۔ موٹے بڑے بڑے شحیم جانور بھی، اور سیدھی سادی مخلوق بھی، تیز اور سبک رفتار بھی لیکن ہر ایک میں کوئی نہ کوئی ایسی کمی موجود ہے جس نے اس کو عاجز کر رکھا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ درندے طاقت میں جتنے زیادہ ہوں گے، تعداد میں کم ہوں گے، دنیا میں ہر جگہ شیر ببر اور ہاتھی کیوں نہیں پھیل گئے؟ اس کے مقابلے میں یہ حقیقت کتنی حیرت انگیز ہے کہ دنیا میں لاکھوں بھیڑیں روزانہ ذبح ہوتی ہیں۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر تو شاید ہی کوئی غریب مسلمان رہ جاتا ہو جو بھیڑ یا بکری کی قربانی نہ کرے، اتنی کثرت سے ختم ہونے کے باوجود ان کا حال یہ ہے کہ تقریباً ہر جگہ ان کے گلوں کے گلے چرتے ہوئے ملتے ہیں۔ کمزوروں کی اکثریت کا یہ عالَم اور طاقتوروں کی یہ قلت کتنی حیرت انگیز ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ اس لیے کہ کارخانۂ قدرت کی رونق برقرار رہے۔ اگر کمزوروں کی نسل افزائی اور تعداد میں یہ کثرت نہ ہوتی تو کون جانتا کہ ان بھیڑ بکریوں کی نسل بھی دنیا میں تھی۔ کیا یہ واقعات آدمی کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں؟

شہد کی مکھی کے حیرت انگیز کارنامے

شہد کی چھوٹی سی مکھی کتنے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیتی ہے۔ چھتے کو کتنی کاریگری اور صناعی سے تیار کرتی ہے۔ چھتے کے سب خانے مساوی الاضلاع مسدس ہوتے ہیں اور بغیر پیمانے و پرکار کے اس قدر صحیح اور انضباط کے ساتھ بنائے جاتے ہیں کہ اگر ان کی پیمائش کی جائے تو بال برابر بھی فرق نہیں ہوگا اور یہ بات علمِ ہندسہ کی رو سے ثابت ہو چکی ہے کہ ان کے گھر مسدّس نہ ہوتے بلکہ کوئی دوسری شکل مثلاً مربّع یا مخمس اختیار کر لیتے تو درمیان میں ضرور کچھ نہ کچھ جگہ خالی رہ جاتی۔ یہ چھتے اپنی تمام ضروریات کے عین مطابق بنائے جاتے ہیں جن کو چھوٹے ،درمیانے اور بڑے خانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جو ہر لحاظ سے آرام دہ ہوتے ہیں، ان کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انجینئر بڑوں، چھوٹوں اور درمیانے لوگوں کے لیے ان کی ضروریات کے پیشِ نظر کوارٹر تیار کر رہا ہے۔

اس ضعیف جانور کا نظامِ زندگی انسانی سیاست اور حکمرانی کے اصول پر ہوتا ہے۔ تمام نظم و نسق ایک بڑی مکھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو تمام مکھیوں کی حکمران ہوتی ہے۔ یہ ملکہ تقسیمِ کار کے اصول پر تمام رعایا کو مختلف امور پر مقرر کرتی ہے۔ بعض کو حفاظت اور دربانی کا کام سپرد کر دیتی ہے جو کسی دشمن کو اندر آنے نہیں دیتیں۔ بعض انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں اور بچے پالتی ہیں۔ کچھ کو چھتے بنانے کا کام سپرد کیا جاتا ہے اور ان میں سے بعض مختلف پھولوں اور پھلوں سے رس چوستی ہیں اور ہر قسم کی مضر چیز سے اجتناب کرتی ہیں تا کہ شہد خراب نہ ہو باقاعدہ ڈاکٹری جانچ پڑتال ہوتی ہے، اگر ان میں سے کوئی گندگی پر بیٹھ جائے تو اسے باہر روک لیا جاتا ہے اور ملکہ اسے قتل کر دیتی ہے۔ یہ مختلف گروہ ملکہ کے حکم کی تعمیل دل و جان سے کرتے ہیں۔

اگر ملکہ مر جائے اور شہزادی بھی نہ ہو تو مزدوروں میں سے انتخاب کیا جاتا ہے اور نئی ملکہ کی فرمانبرداری اسی طرح دل و جان سے کی جاتی ہے جس طرح پہلی ملکہ کی۔ یہ سارا عظیم الشان نظام ایک زہریلے کیڑے سے شہد بنانے کے لیے چلایا گیا ہے تاکہ حضرت انسان اس سے دنیا میں فائدہ اٹھائے اور غور کرے کہ شہد کی مکھی میں اتنی فہم و فراست کیسے آئی؟ جس سے وہ یہ سارے کام سرانجام دیتی ہے، پھر یہ کہ شہد کی مکھی انسان سے کوئی محبت و ہمدردی نہیں رکھتی بلکہ اگر کوئی ان کے قریب جاتا ہے تو کاٹتی ہے۔ پھر یہ انسان کے فائدے کے لیے اس قدر محنت و مشقت میں کیوں پڑتی ہے؟ صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا اس طرح چھتے بنانا اور یہ شاندار نظم و نسق چلانا اور شہد تیار کرنا ایک حکیم ذات کی طرف سے الہام کیا گیا ہے جو انسان کے فائدے

کی خاطر ان سے شہد تیار کراتا ہے، اسی بات کو اللہ تعالیٰ شانہ واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۙ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔

"اور حکم دیا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنالے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں ٹٹیاں باندھتے ہیں۔ پھر کھا ہر طرح کے میووں سے۔ پھر چل راہوں میں اپنے رب کی صاف پڑے ہیں نکلتی ہے ان کے پیٹ میں سے پینے کی چیز جس کے مختلف رنگ ہیں۔ اس میں مرض اچھے ہوتے ہیں لوگوں کے اور اس میں نشانی ان لوگوں کے لیے جو دھیان کرتے ہیں"۔ (النحل:۶۸،۶۹ ترجمہ از شیخ ہندؒ)

غور کریں! حیوانات کو کوئی معلِّم تعلیم نہیں دیتا خود ان کی زبان نہیں کہ کلام سمجھ سکیں یا سمجھا سکیں۔ پھر بھی ان کے اندر عجیب و غریب کمالات دیکھنے میں آتے ہیں کہ عقلِ انسانی یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ کسی عظیم قدرت نے ان کو یہ تمیز بخشی ہے۔ بے زبان جانداروں کی یہ فضیلتیں خود ان کی اپنی پیداوار کیسے کہی جاسکتی ہیں لازمی طور پر یہ ماننا پڑے گا کہ جس نے ان جانوروں کو پیدا کیا ہے اور جس نے ان کو نفع وضرر کی باتیں اور ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی عظیم و حکیم ہستی ہے۔

ماہر ریاضی اور طبعیات کی رائے

ریکس ایک بڑے مفکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کائنات میں نظم وضبط کے معاملے میں ماہرینِ حیاتیات مادی اجسام کے اندر انتہائی کمال کا مظاہرہ دیکھتے ہیں۔ انسانی جسم کے خون کے ذرات انتہائی مناسب شکل اور قد و قامت کے مالک ہیں تاکہ اپنے فرائض مناسب طریقہ پر انجام دے سکیں اور یہی اصول تمام ذرات اور اعضا پر صادق آتا ہے۔ کیڑے مکوڑوں کی دنیا میں اگر ہم شہد کی مکھی کے چھتے کو غور سے دیکھیں تو دیگر سینکڑوں چیزوں کی طرح ان میں تناسُب، یکسانیت اور مکمل نظام نظر آئے گا۔

دنیا کے لاکھوں شہد کے چھتوں میں سے ہر ایک اصولِ ہندسہ پر بنایا جاتا ہے اور انتہائی باقاعدہ ہوتا ہے۔ اگر یہ اور بہت سی اس قسم کی چیزیں ایک خالق کی ذہانت و تدبُّر اور رہنمائی کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کرتیں تو میں ایک سائنس دان ہونے کے دعوی کو واپس لیتا ہوں۔

("خدا موجود ہے۔" مرتبہ جان کلورو مونزما۔ مترجم عبدالحمید صدیقی۔ مطبوعہ مقبول اکیڈمی ادبی مارکیٹ چوک انار کلی لاہور)

انسان خالق نہیں ہو سکتا

انسان اشرف المخلوقات ہے، اس کو عقل و فہم دوسری مخلوق سے زیادہ عطا کی گئی ہے جس سے وہ کمال کی چیزیں ایجاد کرتا ہے، ہوا میں اڑتا ہے، آلات کے ذریعے دور دراز کی باتیں سنتا اور دیکھتا ہے، مختلف قسم کی معلومات اور ایجادات کے لیے ایک لامحدود میدان اس کے سامنے کھلا پڑا ہے، اس کو دیکھ کر بعض دہری انسان کو سب کچھ سمجھنے لگے ہیں گویا انسان ہی کائنات کا کرتا دھرتا ہے اور اختیار و قدرت کی باگیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ لیکن دنیا جانتی ہے کہ اگر انسان خالق ہوتا تو بے عقل کوئی نہ رہتا، سب کے سب ارسطو اور افلاطون بن کر رہتے کیونکہ کوئی یہ نہیں چاہتا کہ بے عقل رہے، پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں عقلمندوں کی نسبت بے وقوف اور کم عقل زیادہ ہیں۔ آخر سوچیں تو سہی! کہ کون سی طاقت ہے جو ہم کو عدم سے وجود میں لے آئی ہے اور وہ کون سی طاقت ہے جس نے ہمارے آباواجداد کو دنیا سے ختم کر دیا اور ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اول خلقت میں کتنا کمزور ہوتا ہے، اس کو ہر قسم کی محتاجیاں لاحق ہوتی ہیں اور وہ اس پر بھی قادر نہیں کہ اپنے بڑھاپے اور موت سے بچنے کا علاج کرے حالانکہ عصرِ جدید کے دہریوں کے علمبردار لینن اور مارکس وغیرہ بلند بانگ دعوؤں میں پیش پیش تھے مگر خود کو موت کے حملوں سے بچا نہ سکے۔ آخر وہ کون ہے جس نے ان کو نیست و نابود کر دیا؟

اس طرح ایک انسان چاہتا ہے کہ اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو، لیکن لڑکی پیدا ہو جاتی ہے اور چاہتا ہے کہ اسے تکلیف نہ پہنچے، پھر بھی تکلیف پہنچتی ہے اور کوئی یہ نہیں چاہتا کہ وہ دوسروں سے مال، عزت اور حسن وغیرہ میں کم رہ جائے لیکن پھر بھی دنیا میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

کوئی نہیں چاہتا کہ اس کی اولاد لنگڑی، اندھی یا بہری پیدا ہو پھر بھی پیدائشی اندھے، بہرے اور لنگڑے ہر ملک میں نظر آتے ہیں اور انسان کسی چیز یا کام کے لیے مضبوط ارادہ کرتا ہے پھر بھی اس کے ارادے کے خلاف بات واقع ہو جاتی ہے۔

جوانی ڈھلنے اور بڑھاپا آنے پر آنکھوں کی بینائی کم ہونے، مفلسی اور محتاجی سے چھٹکارا پانے میں بڑے بڑے عقلمندوں، حکیموں اور فلاسفروں کی تمنائیں اور مرادیں پوری نہیں ہوتیں حالانکہ انہیں اپنی عقل و تدبیر پر پورا بھروسہ ہوتا ہے۔ اسی طرح معمولی معمولی چیزوں میں انسان بے بس ہے۔ ہم دیکھتے ہیں! بعض بہت ہی عقلمند لوگ مال حاصل کرنے کے لیے بہت زیادہ وقت ضائع کرتے ہیں لیکن ان کو مال بہت کم ہاتھ آتا ہے۔

اس کے برعکس ایک جاہل آدمی کو دیکھتے ہیں جس کو بغیر کسی خاص کوشش کے زیادہ مال میسر ہوتا ہے۔ اگر مال وصحت کا حصول محض انسانی عقل اور کوشش سے ہوتا تو جاہل لوگ روزی تک نہ پہنچ پاتے اور عقلمند لوگ سونے کی عمارات میں رہتے لیکن یہ بات تو تقریباً تمام انسانوں کو معلوم ہے کہ بہتیرے جاہل عقلمندوں سے زیادہ ثروت اور فراخی میں وقت گزارتے ہیں۔ اسی طرح قدم قدم پر انسان کی بے بسی اور بے چارگی کو دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ انسان نہ قادر و مختار ہو سکتا ہے اور نہ خالق، بلکہ سراسر کمزور اور محتاج مخلوق ہے اور بلاشبہ اس سے بڑھ کر کوئی ارفع و اعلیٰ قدرت والا موجود ہے جو سب انسانوں کے حالات کا بنانے اور بگاڑنے والا ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ ہے تاکہ کسی انسان کو اپنے اوپر بے نیازی کا گمان نہ ہو جائے۔

کائنات کا حیرت انگیز نظم ونسق

انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر کائنات کے نظم و نسق کا توجہ و غور سے مشاہدہ و مطالعہ کرے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ عالم کی تمام اشیا میں حکیمانہ ترتیب موجود ہے۔ حیوانات کے اجزائے بدن بڑی ترتیب رکھتے ہیں اور نباتات کے اجزاء میں بھی پُر حکمت ترتیب نظر آ رہی ہے، اسی طرح خود جسمِ انسانی کے اعضاء میں مکمل ترتیب ہے۔ اگر اس میں کوئی بھی چیز بے ترتیب ہو جائے تو بدن میں فساد کا خطرہ ہے اور یہی حال عناصرِ کائنات اجرامِ فلکی اور سیارات کا بھی ہے مثلاً زمین اپنے محور اور مدار پر معین رفتار سے گردش کرتی ہے۔ اگر اس کی رفتار تیز یا سست ہو جائے تو دن رات اور موسموں کے نظام میں فساد پڑ جائے گا۔ زمین کی محوری گردش تقریباً اٹھارہ میل فی منٹ ہے اگر اس کی رفتار دو میل فی منٹ ہوتی تو دن اتنے لمبے ہوتے کہ سورج کی تپش تمام فصلوں کو بھون کر رکھ دیتی اور راتیں اتنی لمبی ہوتیں کہ اگر کسی چیز میں سورج کی تپش سے کچھ زندگی باقی رہتی تو رات کی سردی اسے منجمد کر کے ختم کر دیتی۔

اسی طرح اگر سورج معین فاصلہ سے قریب تر ہو جائے تو دنیا جل جائے گی اور اگر معینہ مقدار سے دور ہو جائے تو دنیا سردی کی شدت سے جم جائے۔

الغرض جس چیز کو دیکھیں! اس میں ایک خاص قسم کی ترتیب، یکسانیت اور موزونیت نظر آئے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ کس کی قدرت کے کرشمے ہیں؟ کیا یہ عقل کے ساتھ مذاق نہیں ہے کہ جواب میں بے جان مادے اور اس کی طبیعت کا نام لیا جائے اور اسی کو ہر قسم کی قدرت رکھنے والا فرض کیا جائے۔

اگر کاغذ کی پرچیوں پر ترتیب کے ساتھ ایک سے لے کر دس تک ہندسے لکھ لیے جائیں اور ان کو ایک تھیلے میں خلط ملط کر کے رکھا جائے اور کسی اندھے سے کہا جائے کہ اس تھیلے سے ایک ایک کر کے پرچیوں کو نکالے تو اس کو کروڑوں بار کوشش کرنے پر بھی ایک سے دس تک ہندسے ترتیب وار نکالنے کی نوبت نہیں آئے گی تو ممکن ہے کہ پہلی بار ہی یہ نوبت آجائے اس لیے "شاید" کا اضافہ مناسب ہو گا کارخانۂ عالَم کی عظیم ترتیب اور اس کے قوانین کی ہمہ گیری و حکمت کو دیکھ کر عقلِ سلیم یہ فرض کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوتی کہ یہ کارخانہ بغیر کسی بنانے والے کے خود بخود بن گیا ہے اور بغیر کسی چلانے والے کے چل رہا ہے۔

دہریوں کی جہالت

عجیب تماشہ یہ ہے کہ منکرین ایسے عجیب و غریب نظام (جس کے بیان کرنے سے بھی حکماوسائنسدان عاجز ہیں) کو بے حس و بے شعور، اندھے بہرے مادے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی ایک عظیم الشان عمارت کو دیکھے جو اینٹوں اور سیمنٹ سے بنی ہو اور یہ نتیجہ نکالے کہ اس کے بنانے والے خود اینٹ اور سیمنٹ ہی ہیں، یہی اس کے معمار ہیں تو اس شخص کا یہ قیاس کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ بالکل اسی طرح ان لوگوں نے کائنات کی ساخت و بناوٹ میں مادے اور اس کی حرکت کو دیکھا تو اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ تمام کائنات اس بے شعور مادے سے خود بخود بن رہی ہے۔ آخر اگر یہ جہالت نہیں تو جہالت کسے کہتے ہیں؟

ایک خوبصورت مثال

منازل العرفان میں رسالہ حمیدیہ کے حوالے سے خدا پرست اور مادہ پرست کی ایک عجیب مثال ذکر کی گئی ہے۔ علامہ آفندی رسالہ حمیدیہ میں لکھتے ہیں کہ اہلِ اسلام اور مادہ پرستوں کی مثال ان دو شخصوں کی سی ہے جو کسی نہایت رفیع الشان محل میں داخل ہوئے جس میں مختلف قسم کے کمرے اور متعدد نشست گاہیں ہیں، اور کمرے میں اعلیٰ درجہ کے تخت اور عمدہ قسم کی قالین اور فرش بچھے ہوئے ہیں اور طرح طرح کے ساز و سامان سے آراستہ ہیں۔ ہر چیز اس میں قرینہ کے ساتھ لگی ہوئی ہے، کمروں کے سامنے سیر گاہیں اور قسم قسم کے سبزے اور شاداب چمن بھی ہیں۔ درمیان میں حوض ہیں اور نہریں بھی بہہ رہی ہیں۔ غرض یہ دونوں شخص اس میں داخل ہوئے اب ان میں سے ایک شخص نے دیکھ کر کہا کہ گو میں نے اس کے بنانے والے کو نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کی پوری حقیقت سے واقف ہوں اور نہ ہی اس محل کی صنعتوں کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں لیکن اتنا

ضرور جانتاہوں کہ اس کا بنانے والا کوئی بہت ہی بڑا مدبّرِ، اختیار والا اور حکمتوں کی رعایت کرنے والا ہے۔ گو میں اس کی حکمتوں کو اپنی عقل نارسا کی وجہ سے پوری طرح نہ سمجھ سکا لیکن اس کے مدبّر اور حکیم ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور جو کچھ اس نے بنایاہے وہ ضرور حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔ اس کے برعکس دوسرا شخص چاروں طرف دیکھنے لگا گویا وہ کسی گتھی کو سلجھانے کی فکر کر رہاہے کہ اچانک اس کی نظر ایک پہاڑ پر پڑی جس میں کچھ چشمے بھی جاری نظر آئے کچھ سوچ کر (بڑے مدبّرِانہ انداز میں) کہنے لگا (نہیں یہ بات نہیں جو تم کہہ رہے ہو کہ یہ مکان کسی بڑے صنّاع و کاریگر نے بنایاہے) بلکہ ان سب کی علت معلوم ہوتی ہے کہ قدیم زمانہ میں اسی پہاڑ کی طرف سے ایک ہوا چلا کرتی تھی، پس وہ ہوا اسی طرح ہزاروں، لاکھوں سال چلتی رہی اور اس کی وجہ سے مختلف مقامات سے پتھر اور مٹی حرکت کر کے اپنے طبعی اور مادی تقاضا کی وجہ سے ایک جگہ جمع ہو گئے اور سالہا سال ان پر بارش ہوتی رہی حتی کہ ایک طویل عرصہ اور مدتِ دراز کے بعد اس تدریجی اور اتفاقی اجتماع سے ارتقائی طور پر یہ محل خود بخود تیار ہو گیا، اسی طرح اتفاقاً یہ پتھر اور اینٹیں خود بخود ایک دوسرے پر جمتی رہیں اور جب بلند ہو گئیں تو دیواریں بن گئیں اور اتفاق یہ کہ ان کے درمیان کشادگی ہوتی رہی تو کمروں کی شکل ہو گئی، پھر اتفاق یہ کہ جب دیواریں بلند ہو گئیں تو کچھ شہ تیر اور لمبی لمبی لکڑیاں، کڑیوں کی شکل میں ان دیواروں پر آکر جم گئیں، پھر اتفاقاً کچھ تختے اڑ کر آپڑے، پھر وہ اپنے طبعی تقاضا سے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہو گئے۔ پھر ایک ہوا چلی تو اتفاق سے مٹی ان تختوں پر پڑ کر جم گئی اور اس طرح اس محل کی چھت مکمل ہو گئی۔ پھر اتفاق یہ ہوا کہ وہ پانی جو پہاڑی چشموں سے بہہ رہا تھا اس کا رخ محل کی طرف ہو گیا جس کی بدولت یہ حوض اور نہریں محل میں بن گئیں۔ اور رہا یہ کہ اس محل میں زیب وزینت اور آراستگی کے اسباب، عمدہ عمدہ قالین اور مرصّع تخت کہاں سے آئے؟ سو اصل میں اس کا سبب یہ ہے کہ کسی زمانہ میں ایک قافلہ اس پہاڑ پر آکر اترا اور اتفاقاً اپنا سامان بھول کر چلا گیا، ہوائیں تو چلتی رہی ہیں تو ہواؤں نے رفتہ رفتہ یہ سامان اس محل میں لا ڈالا اور یہ سامان تدریجی طور پر اپنے مادہ اور طبعی طریقہ سے مرتب ہو گیا اور ہر جگہ اس طرح سے سلیقے سے رکھا ہوا نظر آرہاہے۔

ذرا غور فرمایئے! بخت، اتفاق اور مادہ وطبیعت کے تقاضوں پر ایمان لانے والوں کی عقل کا اندازہ لگایئے کہ ان کی کہانی عقل ودانش سے کس قدر بعید ہے بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والا انسان بھی مادہ اور خاک کی

حرکتوں کے قائل فلسفی کے اس فلسفے کو سن کر ہنسے گا اور سمجھ جائے گا کہ ایسے شخص کا اصل ٹھکانہ تو پاگل خانہ ہے، جس چیز کو یہ شخص فلسفیانہ تحقیقات سمجھ رہا ہے وہ بے ہودہ، بکواس اور خرافات ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے عقل کے دشمن میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ وہ دلائل اور حقائق کو سن سکے یا ان کو سمجھ سکے۔ ان چیزوں کو سمجھنا اور پہچاننا تو عقل والوں کا کام ہے، جیسا کہ خود رب العالمین کا ارشاد ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ

"بے شک ان تمام چیزوں میں یقیناً عبرت و نصیحت ہے ہر ایسے شخص کے واسطے جس کے لیے قلب (شعور و فہم) ہو یا ان کی طرف کان لگائے حاضر الحواس ہو کر"۔

یورپی محقق کی حیرانگی

یورپ کا ایک محقق راسٹن مناظرِ قدرت کو دیکھ کر کہتا ہے اے آسمانو! مجھ کو خبر دو اے دریاؤ! مجھ کو بتاؤ اے زمین! مجھ کو جواب دے اے بے انتہا ستارو! بولو کہ کون سا ہاتھ ہے جس نے تم کو افق میں تھام رکھا ہے او شب چاردہ! (چودھویں رات)! کس نے تیری تاریکی کو خوبصورت بنایا ہے؟ تو کس قدر شاندار ہے؟ اور کس قدر عظمت مآب ہے؟ تو خود بھی بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع ہے جس نے تجھ کو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے، اس نے تیری چھت کو قبہ ہائے نور سے مرصَّع کیا ہے جس طرح اس نے زمین پر خاک کا فرش بچھایا ہے اور گرد کو ابھارا ہے اور مژدہ رسانِ سحر اور نیر شگرف اور ہمیشہ روشن رہنے والے ستاروں اور آفتابِ درخشان سچ بتا! تو کس کی ادائے اطاعت کے لیے محیط کے پردے سے باہر آتا ہے اور نہایت فیاضی کے ساتھ اپنی روشن شعاعیں عالَم پر ڈالتا ہے۔ اے پر رعب سمندر! اے وہ جو غضب ناک ہو کر زمین کو نگل جانا چاہتا ہے! کس نے تجھ کو محبوس کر رکھا ہے جس طرح کہ شیر کٹہرے میں قید کر دیا جاتا ہے تو اس قید خانہ سے بے فائدہ نکل جانے کی کوشش کرتا ہے لیکن تیری موجوں کا زور ایک حدِ معین سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔ (منازلِ العرفان صفحہ ۴۸۷ تا ۴۹۰)

منکرین کے بے بنیاد سوالات

منکرین خوب جانتے ہیں کہ جو کوئی بھی کائنات کی رنگینیوں اور اس کے حیرت انگیز نظم و نسق میں غور کرے گا وہ لامحالہ اور ضرور بالضرور ایک خارجی قوت (یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل ہو جائے گا) اس لیے یہ لوگ سادہ لوح انسانوں کو دھوکا دینے اور بہکانے کے لیے ٹوپی کو ہوا میں پھینک کر سوال کرتے ہیں کہ اگر خدا

موجود ہے تو میری ٹوپی کو ہوا میں روک دے یا پھر اس قسم کے دیگر لغو اور بے ہودہ سوالات کی بھرمار کرتے ہیں مثلاً اگر خدا موجود ہے تو ہمارا کہا مانے ہم جو کہیں ویسا کرے۔ اگر ہم بارش مانگیں تو فورا بارش برسا دے۔ اگر ہم سونے کے پہاڑ چاہیں تو فوراً آسمان سے سونے کے پہاڑ اتر آئیں یا ہمارے اضطراب کو سکون سے بدل دے۔ یہ ایسے فضول اور لایعنی سوالات ہیں جن پر ادنیٰ صاحبِ عقل بھی شرم سے سرنگوں اور حیران ہو جاتا ہے کیونکہ اگر خدا کے وجود پر اس کے سوا اور کوئی دلیل نہ ہوتی پھر تو کوئی بات تھی لیکن وجودِ باری تعالیٰ پر تو اتنے دلائل ہیں کہ اگر تمام سمندروں کو سیاہی بنا کر بھی لکھے جائیں تو ختم نہ ہوں گے۔

ان تمام سوالات سے تو ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ گویا (نعوذ باللہ) خدائے تعالیٰ ہمارا فرمانبردار ہے یا شریک کار، ہم جو کہا کریں وہ کرتا جائے اگر ایسا نہ کرے تو ہم خدا کو نہیں مانیں گے۔ بالفرض اگر ایسا ہو جائے پھر تو خدا، خدا ہی نہ رہا بلکہ تم خدا ہو گئے۔ اس کی مثال تو ایسی ہو گی جیسے کوئی بادشاہِ وقت کا ملازم اور سپاہی ہو، بادشاہ کی دی ہوئی سرکاری وردی پہنے ہوئے دربار میں آ کر کہے کہ میں اس وقت تک بادشاہ کو تسلیم نہیں کروں گا جب تک وہ ہمارے گھر میں آ کر جھاڑو نہ دے، صاف ظاہر ہے کہ جب تک یہ شخص صریح پاگل نہ ہو ایسے مطالبات نہیں کر سکتا۔ ایسے خود ساختہ پاگل، نمک حرام ملازم اور احمق سپاہی کی ادنیٰ سزا عمر قید نہ ہو گی تو اور کیا ہو گی؟ جب ایسے سوالات ایک مجازی بادشاہ کے سامنے جرمِ عظیم ہیں تو یہی سوالات حقیقی بادشاہ مالک الملک اور خالقِ کائنات کے بارے میں کیسے زیبا ہو سکتے ہیں؟

پھر اس قسم کے سوالات اس لحاظ سے بھی لاحاصل اور بے ہودہ ہیں کہ اگر ایک شخص کہے کہ میری ٹوپی کو خدا ہوا میں ٹھہرائے تو دوسرا یہ کہے گا کہ نہیں اس کو آسمان تک پہنچائے اور تیسرا یہ کہے گا کہ شمال کی طرف منتقل ہو جائے کیونکہ انسان کا تو یہ حال ہے کہ اگر کسی سے ذرا برابر تکلیف پہنچے تو فوراً کہتا ہے کہ فلاں کی روزی بند ہو جائے۔ اسی طرح کسی کو ٹھنڈی ہوا سے تکلیف پہنچتی ہے اور کسی کو راحت۔ اگر لوگوں کی بے سروپا خواہشات اور تمنائیں پوری ہونے لگیں تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ ایسے متضاد سوالات میں کس کس کی رعایت کی جائے گی اور کن کا مطالبہ پورا کیا جائے گا؟ کوئی کہے گا کہ میں بادشاہ بن جاؤں اور کوئی کچھ اور۔

اللہ تعالیٰ حکیم وخبیر اور قادرِ مطلق ذات ہے، وہ اپنی تدبیر اور حکمت سے دنیا کا نظام چلاتے ہیں اور کسی کی تدبیر کے محتاج نہیں۔

خدا کے وجود کو تسلیم کرنا ایک فطری امر ہے

انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کرنا ایک فطری امر ہے۔ انسان جب بھی کسی سخت تکلیف اور مصیبت میں پڑ جائے اور اس تکلیف سے نجات حاصل کرنے میں ظاہری اسباب سے بالکل ناامید ہو جائے تو آخر کار اپنی امید غیبی قوت سے مربوط و قائم کرتا ہے، ایسی حالت میں اللہ پاک کی غیبی قوت کی طرف التجا کا وجود ہر قوم، ملت اور مذہب میں پایا جاتا ہے۔ چاہے وہ مذہب دہریت ہی کیوں نہ ہو، کٹر سے کٹر دہریوں کو بھی بوقتِ تکلیف خدا یاد آجاتا ہے اور بے اختیار اسے پکار اٹھتے ہیں جس سے یہ نمایاں طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ایک فطری بات ہے۔

حضرت امام جعفر صادق کی دلیل

حضرت جعفر صادق سے کسی نے اللہ کے وجود پر دلیل دریافت کی تو آپ نے پوچھا کہ کبھی بحری سفر کا اتفاق ہوا ہے؟ اس نے جواب میں کہا "ہاں"!

اس پر حضرت نے پوچھا بحری سفر میں کسی تکلیف کا سامنا بھی ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ ایک دن ایسا طوفان آیا کہ کشتی ٹوٹ گئی اور ملاح بھی ڈوب گئے اور میں کشتی کے ایک تختے سے چمٹا رہا حتی کہ وہ بھی میرے ہاتھ سے نکل گیا، پھر مجھے سمندر کی موجوں نے خشکی پر پھینک دیا۔ حضرت نے جواب دیا کہ آپ نے اول اعتماد کشتی پر کیا تھا اور پھر ملاح پر اور پھر تختے پر۔ بس جب ان تمام چیزوں سے اعتماد جاتا رہا تو کیا تم نے اپنی جان کو ہلاکت کے سپرد کیا یا پھر بھی سلامتی کی کچھ امید تھی؟ اس نے جواب میں کہا کہ سلامتی کی امید تو تھی جس پر آپ نے کہا کہ سلامتی کی امید کس سے تھی؟ وہ خاموش رہا۔ آپ نے فرمایا کہ خالق، مالک اور صانع وہی ذات ہے جس سے تم ایسی یاس (1) کے عالم میں بھی سلامتی کے امیدوار تھے اور جس نے تمہیں غرق کرنے سے بچایا۔ یہ سن کر وہ فوراً آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔

فطری امور کی جانچ پڑتال کے لیے ایک بڑا اصول

دیکھیے! فطری امور کی جانچ پڑتال کے لیے بڑا اصول یہ ہے کہ تمام اقوامِ عالَم میں جب ایک چیز مختلف شکلوں میں پائی جاتی ہو تو ان کی غیر ضروری مقامی خصوصیات کو حذف کرنے کے بعد جو قدر مشترک باقی رہ

(1) نااُمیدی

جائے وہی تمام اقوامِ عالَم کے لیے فطرت ہو گی۔ مثلاً شادی بیاہ کرنا تمام اقوام میں مختلف طریقوں سے رائج ہے۔ لیکن جب ہم ان کی رسومات یا مقامی خصوصیات کو حذف کرتے ہیں تو تمام اقوام میں قدر مشترک نفس نکاح باقی رہ جاتا ہے۔ پس نکاح کرنا ایک فطری امر ہے اللہ تعالیٰ کا عقیدہ مختلف رنگوں میں دنیا میں ہر جگہ موجود ہے۔ بعض اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے ہیں۔ بعض تثلیث کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کوئی بت کی شکل میں مانتا ہے۔ الغرض مختلف قسم کے خیالات اور عقائد اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔ اب اگر تمام مختلف خصوصیات کو حذف کیا جائے تو نفس خدا تعالیٰ کا عقیدہ، قدرِ مشترک تمام اقوامِ عالم میں رہ جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ ایک فطری چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فرد میں اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرنے کا قدرتی رجحان اور مادہ پایا جاتا ہے۔ پھر انسان فطرۃً خام مادے اور مصنوعات میں فرق وامتیاز کرتا ہے مثلاً عمارت سیمنٹ سے بنائی جاتی ہے لیکن انسان صرف مواد کو اس کی تعمیر کے لیے کافی نہیں سمجھتا اس لیے کہ مصنوعات یا موجودات صرف مادے سے خود بخود تیار نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے لیے ایک صانع حکیم کی ضرورت ہے۔

خدا کا عقیدہ سرمایہ داری نظام و تہذیب سے بہت پہلے کا ہے

علم الانسان کے ماہرین اسی بات پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر انسان کو اپنی فطری حالت پر چھوڑ دیا جائے اور اس کی پرورش و تربیت بالکل کسی معاشرہ کے ماحول میں نہ ہو اور نہ ہی اسے کوئی علوم وفنون پڑھائے جائیں تب بھی وہ لامحالہ، حقیقی معبود (اللہ تعالیٰ) کے وجود کا قائل ہو گا اور اس کی عبادت کرے گا۔

حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ اپنی کتاب علوم القرآن میں لکھتے ہیں۔

علم الانسان کے ماہرین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ انسان جب فطری حالت میں تھا (یعنی علوم وفنون و تہذیب کا وجود نہ تھا) تو اس نے اس وقت خدا کی پرستش اختیار کی۔

الکلام میں مشہور محقق مکس مولر کی کتاب "(MAN) آدمی" میں یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ہمارے اسلاف نے خدا کے آگے اس وقت سر جھکایا جب وہ خدا کا نام بھی نہ رکھ سکے، جسمانی خدا (یعنی بت کی پرستش) اس حالت کے بعد اس طرح پیدا ہوئی کہ اصل فطرتِ انسانی مثالی صورت کے پردے میں چھپ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ جس زمانے سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے دنیا کے ہر حصے میں خدا کا اعتقاد موجود تھا اشوری، مصری، کلدانی، یہود اور اہلِ فینشیہ سب کے سب خدا کے قائل تھے۔

بلیوٹارک کہتا ہے:

اگر تم دنیا پر نظر ڈالو گے تو بہت سے ایسے مقامات ملیں گے جہاں نہ قلعے ہیں، نہ سیاست، نہ علم، نہ صناعت، نہ حرفت اور نہ دولت لیکن ایسا کوئی مقام نہ ملے گا جہاں خدا موجود نہ ہو۔

فولیٹر فرانس کا مشہور فاضل جو وحی الہام کا منکر تھا کہتا ہے کہ زردشت، منوسولن، سقراط سب ایک سردار، ایک منصف اور ایک خدا کی پرستش کرتے تھے۔(علوم القرآن صفحہ ۱۵۷تا۱۵۸)

مشہور جرمن محقق ڈاکٹر رونڈولف کوٹونے مدلّل بحث کرکے بتایا کہ انسان نے ہر زمانے میں ایک قسم کی مقدس ہیئت محسوس کی ہے۔ یہ وہ بات نہیں جس کو مذہبی جبلت کہا جاتا ہے بلکہ یہ اس چیز کی یاد دلاتی ہے کہ قدیم زمانے میں بھی جہاں تک ہماری رسائی ہو چکی ہے، انسان ہمیشہ احساسِ مخلوقیت کا حامل رہا ہے۔ انسان نے ہر زمانے میں یہ محسوس کیا ہے کہ اس جہاں میں اس کے علاوہ ایک اور ہستی بھی ہے جو کہ انسانی شعور سے ماوراء ہے جس کی عظیم طاقت(verpowering absolute might)کے آگے انسان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو پست (DEBASE) کردے لیکن اس احساس کے باوجود وہ اس کی طرف ایک کشش اور لگاؤ بھی محسوس کرتا ہے۔

تاریخ کا ایک درسِ عبرت یہ بھی ہے کہ ہٹلر جیسے شخص کو زندگی کے آخری لمحات میں خدا یاد آگیا حالانکہ وہ اس عقیدے کے خلاف مسلسل لڑتا رہا تھا۔ اس کے ثبوت میں ایک مستند یادداشت ملاحظہ ہو۔

اس بات سے قطع نظر نہیں کیا جاسکتا کہ ہٹلر جو چرچ پر اس لیے زیادتیاں کرتا رہا کہ کہیں خدا کا نظریہ اس کے خدائی مقام حاصل کرنے میں رکاوٹ نہ بن جائے، اس کو اب اچانک خدا یاد آگیا اور یہ گناہ بھی یاد آگیا کہ وہ ایک عورت کے ساتھ بغیر نکاح کے رہنے کی معصیت کا مرتکب رہا ہے پس اس نے ۲۸ اپریل ۱۹۴۵ء کی رات کو باقاعدہ شادی کی اور اس کے دودن بعد ہٹلر اور ایوا یران کی موت کی تاریخ نیر وبین کی ڈائری میں ۳۰ اپریل ۱۹۴۵ء درج ہے۔ (Barmann Diary April 30th 1945 Progress Publishers) Moscow 1969 P. 247 -251 قرآن نمبر ڈائجسٹ ۱۶پریل ۱۹۷۰ء)

بلاشبہ یہ اس میثاق کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں تمام ارواح سے لیا تھا اور یہی وہ فطرت ہے جسے قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا

"اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر، کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب بولے ہاں ہے، ہم اقرار کرتے ہیں۔" (الاعراف:۱۷۲ ترجمہ شیخ الہندؒ)

باب دوئم

منطقی اور فلسفی دلائل

اللہ تعالیٰ کا وجود فلسفہ اور منطق کی رو سے بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکما میں سے کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار نہیں کیا، البتہ فلسفہ اور حکمت کے متعصب اور نام نہاد دعویدار اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس سلسلے میں چند منطقی اور فلسفی دلائل اور بعض حکما کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

ذاتی اور عارضی وصف کی پہچان

یاد رکھنا چاہیے کہ ایک چیز کو جب دوسری چیز کی طرف منسوب کیا جائے تو اگر دوسری چیز پہلی چیز کے ساتھ لازم اور اس سے جدا نہ ہونے والی ہو مثلاً حرارت آگ کے ساتھ تو ایسی چیز کو مابالذات کہتے ہیں۔ اور اگر دوسری چیز پہلی چیز کے ساتھ لازم نہ ہو بلکہ جدا ہونی والی ہو تو ایسی چیز کو مابالعرض کہتے ہیں۔ (یعنی عارضی اور غیر لازمی وصف کہتے ہیں۔) جیسے پانی کے ساتھ گرمی کہ کبھی پانی گرم ہوتا ہے اور کبھی گرم نہیں ہوتا۔

بالفاظِ دیگر ایسی آگ کا تصور نا ممکن ہے جس میں حرارت اور گرمی نہ ہو یہ تو ہوئی لازمی صفت آگ کی (یعنی مابالذات جو ذات کا تقاضا ہے)۔ لیکن گرم پانی میں جو گرمی ہوتی ہے وہ اس کی ذاتی اور لازمی صفت نہیں ہوتی یہ ہوئی مابالعرض۔

کائنات کا وجود ایک عارضی وصف ہے

اب دنیا کی تمام چیزوں کا وجود یا تو ان کا ذاتی اور لازمی جدا نہ ہونے والا وصف ہوگا یا پھر عارضی غیر لازمی اور جدا ہونے والا۔ پہلی صورت تو قطعاً صاف طور پر غلط اور باطل ہے کیونکہ دنیا کی تمام اشیا اور حیوانات و نباتات پر طرح طرح کے حالات آتے ہیں۔ (یعنی وہ عدم سے وجود میں آتے ہیں اور موجود ہونے کے بعد ختم ہو جاتے ہیں) ان کا اس طرح نیست و نابود ہونا کائنات میں تغیُّر و تبدُّل، فنا و زوال کا ہونا اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اس عالم میں کسی چیز کا وجود بالذات نہیں۔ ممکناتِ عالَم کی تمام چیزیں عارضی وجود رکھتی ہیں اور یہ بات مسلَّمات میں سے ہے جس پر تمام حکما متفق ہیں کہ جب کوئی چیز کسی دوسری چیز میں بالعرض پائی جاتی ہو تو وہی چیز یقیناً ضرور بالضرور کسی چیز میں بالذات بھی پائی جائے گی جیسے گرمی پانی کا عارضی وصف ہے لیکن یہی گرمی آگ میں بالذات پائی جاتی ہے۔ عارضی وصف کسی دوسری چیز کا اثر ہوتا ہے۔ جیسے پانی کی گرمی آگ پر رکھنے کا اثر ہوتی

ہے اور ہر اثر حرکت ہوتا ہے، لہٰذا اس دنیا کے تمام حرکات کا سلسلہ ایک ایسے موثّرِ حقیقی اور محرّکِ اصلی پر ختم ہو گا جو کسی کا اثر قبول نہ کرے بلکہ وہ تمام اشیا میں مؤثّر ہو اور کوئی اثر یا متأثّر اس مؤثرِ حقیقی کے دائرۂ تاثیر سے باہر نہ ہو۔ ہر وہ چیز حیوان ونباتات جو موجود ہے اسی مؤثّرِ حقیقی کے فیضِ تاثیر سے وجود میں آئی ہے (ورنہ تسلسل لازم آئے گا جو بالاتفاق باطل ہے) جب یہ ثابت ہو چکا کہ کائنات میں جو چیز بھی موجود ہے مؤثرِ حقیقی کی عنایت ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوا کہ اس مؤثرِ حقیقی کا وجود ذاتی ہو گا اسی کو واجب الوجود بھی کہتے ہیں اور وہی قادر و قیوم کی ذاتِ عالی ہے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

حضرت مولانا الحاج محمد مالک صاحب اپنی کتاب "منازل العرفان" میں لکھتے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ اپنے رسالہ "حجۃ الاسلام" میں فرماتے ہیں کہ کون شخص ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم پردۂ عدم میں مستور تھے اور عنقریب پھر ایسا ہی ایک زمانہ آنے والا ہے کہ ہم اس پردۂ عدم میں جا چھپیں گے۔ ہمارا (یہ) وجود دو عدموں میں ایسا گھرا ہوا ہے جس طرح نور (دن کی روشنی) شبِ گزشتہ اور شبِ آئندہ کی دو ظلمتوں (تاریکیوں) میں محصور (گھرا ہوا) ہے۔ زمین پر نور کی آمد و رفت بآوازِ بلند کہہ رہی ہے کہ یہ نور زمین کا ذاتی نہیں بلکہ مستعار اور عطائے غیر (غیر کا دیا ہوا) ہے کیونکہ اگر یہ نور زمین کا ذاتی ہوتا تو کبھی زائل نہ ہوتا۔ پس اسی طرح موت وحیات کی کشمکش اور وجود کی آمد و رفت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کائنات کا وجود ذاتی نہیں ہے، ورنہ عدم وزوال کو کبھی قبول نہ کرتا بلکہ جس طرح زمین کی روشنی آفتاب کا فیض ہے اور پانی کی گرمی آگ کا فیض ہے۔ اسی طرح ہمارا وجود بھی کسی ایسی ذات کا فیض اور عطیہ ہو گا جس کا وجود اصلی اور خانہ زاد ہو، وجود اس ذات کے لیے اس طرح لازم ہو جیسے آفتاب کے لیے نور اور آگ کے لیے حرارت اور چار کے عدد کے لیے زوجیت (جفت ہونا) اور تین کے عدد کے لیے فردیت (طاق ہونا) لازم ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ آفتاب ہو اور نور نہ ہو، آگ ہو اور حرارت نہ ہو، چار ہو اور زوجیت نہ ہو، تین ہو اور فردیت نہ ہو۔ اس طرح وجودِ اصلی کو اہلِ اسلام واجب الوجود کہتے ہیں۔ (منازل العرفان صفحہ ۴۵۴)

مادے کی اتفاقی حرکت سے عالَمِ ممکنات کا وجود میں آنا قطعاً باطل ہے

عالَمِ کائنات کے وجود کے بارے میں اقوامِ عالَم دو صورتوں میں سے ایک پر ضرور یقین رکھتے ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ اس دنیا کا وجود قادر، مختار اور حکیم ذات کے قصد وارادہ سے ظہور میں آیا۔ دوسری یہ کہ یہ عالَم مادہ اور اس کی حرکت سے اتفاقی طور پر وجود میں آیا یا پھر مادے کی ارادی حرکت سے ظاہر ہوا۔ یہ آخری صورت تو قطعاً باطل ہے کیونکہ سب کے سب حتیٰ کہ مادہ پرست بھی اس پر متفق ہیں کہ مادہ قصد وارادہ سے خالی ہے۔ اب صرف یہی بات رہ گئی ہے کہ مادہ اور اس کی اتفاقی حرکت سے شاید یہ دنیا بنی تو یہ صورت قطعاً باطل ہے کیونکہ عالمِ کائنات میں حکیمانہ ترتیب اور ایسا سنجیدہ نظام ہے جس کا ایک ایک ذرہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اسے کمال درجۂ حکمت کے ساتھ بنایا گیا ہے اور اس کی ہر ایک چیز میں ایک ضابطہ اور قانون کار فرما ہے اور اس کی ہر ایک شے بامقصد ہے جو ایک بے شعور، بے علم، اندھے، بہرے مادے اور اس کی حرکت اِتفاقیہ کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔

ایک دلچسپ مثال

اگر مولانا روم یا شیکسپیئر کی ایک نظم کے متفرق مفردات اور الفاظ کاغذ کی پرچیوں پر لکھ کر ایک تھیلی میں ڈال دیے جائیں اور ایک نابینا بچے کے ذریعے ایک ایک پرچی نکلوائی جائے تو کروڑہا کروڑ مرتبہ ایسا کرنے پر بھی وہ نظم مرتب شکل میں وجود میں نہ آسکے گی۔ جب اتنی چھوٹی سی نظم اس طرح اتفاقاً وجود میں نہیں آسکتی تو کائناتِ عالَم کا یہ حکیمانہ مرتب سلسلہ اور بامقصد نظام اندھے بہرے مادے سے کس طرح وجود میں آسکتا ہے؟ بلکہ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کے وجود کے متعلق یہی ایک صورت ہے کہ وہ ایک حکیم، قادر اور مختار ذات کے قصد وارادہ کے تحت ظہور میں آئی ہے اور یہی درست اور عقل کے عین مطابق اور مقتضٰی ہے۔

عالَمِ کائنات کے بارے میں منکرین کا نظریہ اور اس کے باطل ہونے کی وجوہات

منکرین کا یہ نظریہ ہے کہ مادہ ازلی (1) اور ابدی ہے ارضی اور سماوی اشیاء کی اصل دو چیزیں ہیں: مادہ اور اس کی قوت (یعنی حرکت) چنانچہ مارکس کہتا ہے کہ مادہ ازلی وابدی ہے اور اس کا وجود ہمارے ادراک پر موقوف نہیں اور کائنات کے جملہ مظاہر مادے کی حرکت کے اثرات ہیں۔ لیکن یہ نظریہ کئی وجوہ کی بنا پر باطل ہے اگرچہ اس کے بطلان کے لیے صرف ایک وجہ بیان کرنا بھی کافی ہو سکتی ہے۔ تاہم یہاں پر چند وجوہ ذکر کی جاتی ہیں:

---

(1) وہ جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے۔

پہلی وجہ

یہ ہے کہ یہ ایک قانونی law مسئلہ ہے کہ ہر چیز کے اوصاف اور کمالات اس کے وجود کے تابع ہوتے ہیں، جس درجہ میں وجود وسیع اور قوی ہوگا اسی درجہ اس کے کمالات اور صفات بھی وسیع اور قوی ہوتے ہیں۔ اب اگر مادہ کو قدیم اور واجب مانا جائے تو اس کی صفات بھی قدیم اور واجب ہونی چاہئیں، لیکن مادہ کا حوادث سے دوچار ہونا اور ہر قسم کے نقصانات اور عیوب سے بھرپور ہونا خود ثابت کرتا ہے کہ مادہ کامل الوجود، قدیم اور واجب نہیں کیونکہ کامل الوجود شئے اپنے اندر کسی قسم کا نقصان نہیں چاہتی۔ پس مادے کا وجود ذاتی، اصلی اور خانہ زاد نہیں یہ بالکل عارضی ہے عارضی شئے حادث ① ہوتی ہے اور کسی بیرونی علت (Cause) کا نتیجہ ہوتی ہے۔

دوسری وجہ

زمین کے ماہرین اس پر متفق ہیں کہ حیوانات ونباتات کی تمام انواع پہلے موجود نہ تھیں، لاکھوں سال پردۂ عدم میں مستور رہنے کے بعد موجود ہوئیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان کی علت (یعنی مادہ) قدیم ہے تو معلول (مادہ سے نمودار ہونے والی چیزیں) کیونکر حادث ہیں۔ یہ بات عقلاً ناممکن ہے کہ علت (Cause) موجود ہو اور معلول (Effect) موجود نہ ہو (جیسے کہ حیوانات اور نباتات لاکھوں سال نہ تھے)، علت کے وجود کے ساتھ ہی معلول کا موجود ہونا لازمی ہے۔ ورنہ علت، علت ہی نہیں رہی۔ اسی طرح معلول کا وجود علت کے تابع ہوتا ہے۔ اگر علت حادث ہو تو معلول بھی حادث ہوگا اگر علت قدیم ہو تو معلول بھی قدیم ہوگا۔ پس یہاں معلول (یعنی زمین کے سارے نباتات وحیوانات) حادث ہیں تو معلوم ہوا کہ علت بھی حادث ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ علت قدیماً موجود تھی لیکن اتنا طویل زمانہ استعداد کے انتظار میں تھی کہ جب معلولات میں استعداد پیدا ہوگی تو وجود میں آئیں گے۔

اس کے جواب میں یہ سوال ہوگا کہ استعداد پہلے ہی سے کیوں نہیں پائی گئی، اس کے لیے کون سی چیز رکاوٹ یا مانع بنی ہوئی تھی؟ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ کامل الوجود (Perfect) شئے میں مکمل استعداد پہلے سے ہونی ضروری ہے۔ اب اس سوال کے جواب میں یہ کہنا قطعاً غلط ہوگا کہ مادہ اپنے ارادے سے جب چاہے اور جس زمانے میں چاہے پیدا کرتا ہے کیونکہ اس پر سب کے سب متفق ہیں کہ مادہ علم، شعور اور قصد وارادہ سے خالی وعاری ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مادہ ازلی وابدی یعنی قدیم نہیں بلکہ حادث ہے۔

---

① وہ شئے جو عارضی ہو نہ ہمیشہ سے ہو نہ ہمیشہ رہے۔

تیسری وجہ

جس کا وجود اصلی اور ذاتی ہو اس میں ہر قسم کا تغیرُّ و تبدُّل محال ہوتا ہے کیونکہ تغیرُّ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب کہ اس کی ذات میں کسی دوسری چیز کا دخل ہو۔ قدیم اور واجب میں کسی کا دخل ممکن ہی نہیں۔ اگر ایسا ہو تو واجب، واجب نہ رہے گا۔ پس اگر مادہ قدیم اور واجب ہو تو اس میں کسی قسم کا تغیرُّ ممکن نہیں ہو گا لیکن مادہ میں تغیرُّ و تبدُّل اظہر من الشمس ہے لہٰذا مادہ عارضی اور حادث ہے۔

چوتھی وجہ

یہ دنیا دو چیزوں پر مشتمل ہے یعنی اجسام جیسے سورج، چاند، شجر، حجر، ستارے اور اجسام کے ساتھ قائم چیزیں جیسے گرمی، سردی، نرمی، سختی، سیاہی اور سفیدی، سکون و حرکت اور اسی طرح کے دوسرے اعراض (AbstractQualities)۔ یہ سب اعراض حادث یعنی نوپید اور فنا ہونے والے ہیں، جیسے سردی سے گرمی کا وجود اور گرمی سے سردی کا وجود راحت سے مصیبت کا وجود اور حرکت سے سکون کا وجود فنا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ہر جسم مرکب یعنی اجزاء کا بنا ہوا ہوتا ہے اور بنی ہوئی چیز کے لیے ٹوٹ پھوٹ بھی ہے اور ٹوٹنے پر مرکب کا وجود ختم ہو جاتا ہے لہذا جسم بھی قابلِ عدم اور حادث ہوئے۔ اس کے علاوہ جسم تغیر پذیر بھی ہوتے ہیں۔ کبھی گرم، کبھی سرد، کبھی سخت کبھی نرم، کبھی سفید، کبھی سیاہ، کبھی متحرک، کبھی ساکن ہوتے ہیں۔ یہ سب اجسام وجودِ عدم کے متحمل ہیں۔ (یعنی معدوم سے موجود اور موجود سے معدوم ہو سکتے ہیں) لہٰذا اجسام حادث ہیں۔ اجسام چونکہ مادی ہیں اس لیے مادہ تمام تغیرُّات کے محل ہیں۔ ازلی شئے میں تغیرُّ و تبدُّل ناممکن ہوتا ہے، لہٰذا مادہ کسی طرح بھی ازلی نہیں ہو سکتا، بلکہ حادث ہے۔

یہ طویل بحث اور تجزیہ مارکس اور اس کے ہم خیالوں کے نظریہ کو غلط ثابت کرنے کی غرض سے کیا گیا۔ ورنہ اب تو جدید سائنس کے حرکیاتِ حرارت (THERMODYNAMICS) کے دوسرے قانون نے ثابت کر دیا ہے کہ کائنات نہ ازلی ہو سکتی ہے نہ ابدی۔

جب یہ بات منطق اور تجربے سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس مادی جہان کی ابتدا ہوئی ہے اور لازماً اس کی انتہا اور فنا بھی ہو گی تو اس کے لیے ایک محدِث (پیدا کرنے والا) موجد (ایجاد کنندہ) کا ہونا بھی یقینی اور لازمی ہے۔

کائنات کو پیدا کرنے کے لیے ایسی ہستی ضروری ہے جس کا وجود اس کا ذاتی وصف ہو

اب اگر وہ مُحدِث اور ایجاد کنندہ بھی حادث ہو تو اس کے لیے ایک دوسرے مُحدِث کی ضرورت ہو گی، اس طرح اگر یہ سلسلہ کسی ایک حد پر نہ ٹھہرے تو تَسلسُل (یعنی لامتناہی سلسلہ) بن جائے گا جو تمام فلاسفروں کے نزدیک باطل ہے، لہٰذا کائنات کا موجد اور مُحدِث ایسی ذات ہو گی جو حدوث کے شوائب سے منزّہ (پاک) ہو۔ اور وہ حکیم، مختار اور قدرت والا ہو تا کہ دنیا کا نظام اپنے اختیار اور قدرت سے چلا سکے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے۔

یہ سوال کہ خدا کا وجود کیوں ہے لغو و باطل ہے

مسلمانوں سے سوال کرنا کہ خدا کا وجود کیونکر ہے سراسر جہالت ہے کیونکہ مسلمان کسی مخلوق کو خدا نہیں کہتے بلکہ ان کا خدا ایسی ذات ہے جو خالقِ حقیقی ہے۔ خالقِ حقیقی کے بارے میں یہ سوال کہ اس کو کس نے پیدا کیا ہے؟ قطعاً نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سوال صرف مخلوق کے بارے میں ہو سکتا ہے کیونکہ خالقِ حقیقی سب مخلوقات کو پیدا کرنے والی ذات ہے نہ کہ کسی دوسرے کی پیدا کی ہوئی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں یہ سوال کرنا کہ اس کا وجود کس کی وجہ سے ہے؟ فلسفہ کی رو سے بھی غلط اور مردود ہے، کیونکہ ما بالذات یعنی جس کا وجود اس کی ذاتی صفت ہو اس کے بارے میں یہ سوال ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ ما بالعرض یعنی عارضی وصف کے بارے میں کیوں کا سوال ضرور کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ عارضی وصف کسی بیرونی علت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور علت دریافت کرنے کے لیے کیوں کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً پانی کیوں میٹھا یا گرم ہے؟ اس کا جواب یہ ہو گا کہ چینی کی وجہ سے میٹھا یا آگ کی وجہ سے گرم ہے۔ کیونکہ مٹھاس یا گرمی پانی کا عارضی وصف ہے، گھریلو یا خانہ زاد اور ذاتی وصف نہیں۔ لیکن ما بالذات کے بارے میں یہ نہیں پوچھا جا سکتا۔ یعنی چینی کے بارے میں یہ نہیں پوچھا جا سکتا کہ چینی کیوں میٹھی ہے؟ یا آگ کیوں گرم ہے؟ کیونکہ مٹھاس چینی کی اور گرمی آگ کا ذاتی وصف ہے کسی بیرونی علت کا نتیجہ نہیں۔

اسی طرح کائنات کی تمام چیزوں کا وجود عارضی ہے اور ساری کائنات کے بارے میں یہ سوال درست ہے کہ اس کا وجود کیونکر ہے؟ کیونکہ تمام اشیاء اور مخلوقات تغیُّر پذیر ہیں، وجود ان کی عارضی صفت ہے، یہ اشیاء کبھی معدوم ہوتی ہیں کبھی موجود۔ عالَمِ کائنات کے بارے میں اس سوال کا جواب یہ ہو گا کہ اس کا وجود کسی ایسی ذات کی وجہ سے ہے جس کا وجود اس کے ساتھ لازم غیر منفک ہے (یعنی وجود اس کی ذاتی صفت ہے)۔ وہ ذات

اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے۔ یہاں پہنچ کر سب سوالات ختم ہو جاتے ہیں جیسے یہ نہیں پوچھا جا سکتا کہ چینی کیوں میٹھی ہے اور آگ کیوں گرم ہے؟ اسی طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خدا کیوں موجود ہے؟

منفی محض سے مثبت کا وجود میں آنا ناممکن ہے

کائناتِ عالم کو مادے اور اس کی حرکت کی طرف منسوب کرنا اس وجہ سے بھی نامعقول اور باطل ہے کہ تمام کائنات میں حیات موجود ہے اور مادہ حیات سے خالی ہے۔ جس طرح منفی سے مثبت وجود میں نہیں آ سکتا، اسی طرح غیر زندہ مادے سے زندگی اور موت وجود میں نہیں آ سکتی۔ کیونکہ مثبت سے مثبت پیدا ہو سکتا ہے مثلاً کوئلہ اور لکڑی میں جلنے کی صلاحیت موجود ہے تو اس سے آگ پیدا ہو سکتی ہے لیکن راکھ میں یہ صلاحیت نہیں اس لیے راکھ سے آگ کا وجود ناممکن ہے۔ اسی طرح زندہ اشیاء مردہ مادہ سے نہیں نکل سکتیں۔ حیات کو مادہ کی طرف منسوب کرنا خلافِ عقل ہے بلکہ اللہ تعالیٰ مادہ کو مختلف صورتیں دے کر جس کو چاہے حیات کی صفت سے نوازتا ہے۔

ہر ممکن الوجود کسی بیرونی علت کا نتیجہ ہوتی ہے

ہر چیز کے لیے تین حالتیں فرض کی جا سکتی ہیں:

الف) ایسی چیز جس کا وجود ضروری ہو اس کو واجب الوجود کہتے ہیں۔

ب) ایسی چیز جس کا نہ ہونا ضروری ہو۔ مثلاً ایک ہی چیز کے لیے بیک وقت سکون و حرکت ثابت کرنا یا 2 + 2 کا پانچ ہونا ایسی چیز کو ممتنع الوجود کہتے ہیں۔

ج) ایسی چیز جس کا نہ وجود ضروری ہو اور نہ ہونا ضروری ہو۔ ایسی چیز کا عدم اور وجود دونوں برابر ہوتے ہیں، اس کو ممکن الوجود کہتے ہیں جیسے پانی کا خوشبودار یا بدبودار ہونا ضروری نہیں۔ اگر کوئی خاص بو اس میں پیدا ہو جائے تو کسی بیرونی علت کی وجہ سے ہو گی۔ اب کائنات دوسری قسم (یعنی ممتنع الوجود) نہیں۔ کیونکہ وہ موجود ہے اور واجب الوجود بھی نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کبھی معدوم نہ ہوتی لیکن دنیا کی اکثر چیزیں بالمشاہدہ موجود ہو کر معدوم ہو جاتی ہیں جیسے حیوانات اور نباتات اور بعض تغیُّر و تبدُّل الاحوال یا ترکیب من الاجزاء یا افتقار البعض الی البعض کی بنا پر قابلِ عدم یعنی ختم ہونے والی ہیں، لہٰذا عالمِ کائنات اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن الوجود ہے اور اس کے لیے عدم و وجود برابر ہے جیسے پانی کے لیے نہ میٹھا ہونا ضروری ہے نہ ترش، اگر ان دونوں

میں سے کوئی ذائقہ پانی میں ہو گا تو وہ بیرونی علت کا نتیجہ ہو گا لہٰذا عالم کا وجود کسی بیرونی علت کا نتیجہ ہے، خود کائنات کی ذات کا تقاضا نہیں، پھر اگر وہ بیرونی علت ممکن الوجود فرض کی جائے تو اس کے وجود کے لیے دوسری بیرونی علت ہو گی، اس طرح ایک نہ ختم ہونے والا تَسَلسُل لازم آئے گا جو کہ محال ہے تو ضروری ہوا کہ ممکنات کا سلسلہ ایسی ذات پر ختم ہو جس کا وجود ذاتی وصف ہو (یعنی واجب الوجود ہو) اور وہ خدائے تعالیٰ کی ہستی ہے جس کا وجود ضروری ہے، کسی بیرونی علت کا نتیجہ نہیں ہے، اور اسی کے دم سے تمام کائنات کا وجود ہے۔

مادہ اور تمام کائنات کا از خود وجود میں آنا باطل ہے

ان سب اشیا کے بارے میں یہ تصور کہ ایک زمانے تک وہ موجود نہ تھیں، پھر یکایک موجود ہو گئیں بے وقوفی اور پاگل پن کی انتہا ہے، کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ عدم (نیستی) سے وجود (ہستی) پیدا ہوا، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ وجود ہی سے وجود پیدا ہو سکتا ہے، فطرتِ انسانی میں قطعاً اس کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ نیستی اور عدمِ محض سے ہستی اور وجود کے نکلنے کا تصور کر سکے، یہ بات پہلے ثابت ہو چکی ہے، منفی سے مثبت کا وجود ناممکن ہے تو لامحالہ ایسی ہستی کو تسلیم کرنا ضروری ہوا جس کا وجود اس کی ذاتی صفت ہو اور ہمیشہ ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ ہمیشہ تک قائم رہے۔

پھر یہ بات مسلَّم ہے کہ اگر کسی ترازو کے دونوں پلڑے ہم وزن اور برابر ہوں، کسی طرف بھی بال برابر فرق نہ ہو تو کوئی پلڑا بھی بلاوجہ ایک طرف جھک نہیں سکتا، پلڑے کے جھکنے کی کوئی وجہ ضرور ہو گی، مثلاً کسی چیز کا اس میں رکھنا یا ہاتھ کا لگنا، پلڑے کا بلاوجہ جھک جانا عقلاً محال اور عقلاء کے نزدیک باطل ہے، اس کو ترجیح بلا مرجّح کہتے ہیں، اس طرح حوادث اور ممکنات کا خود بخود وجود میں آنا محال اور ناممکن ہے کیونکہ کائنات ممکن الوجود ہے اور اس کے لیے عدم و وجود دونوں بالکل برابر ہوتے ہیں۔ ممکناتِ عالم کے خود بخود وجود میں آنے سے ترجیح بلا مرجّح لازم آئے گی، لہٰذا معلوم ہوا کہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جس نے اپنے اختیار وارادہ سے ان تمام اشیاء کے وجود کو ان کے عدم پر ترجیح دی۔ ہر ممکن اور حادث کو ضرورت کے مطابق مخصوص شکل وصورت عطا فرمائی اور وہ صرف اللہ تعالیٰ وتبارک کی ہستی ہے۔

چند حکما اور فلسفیوں کے خیالات واقوال

مشہور فاضل ڈاکٹر ڈی اولیر ڈی ڈی اپنی کتاب ”فلسفۂ اسلام“ میں خدا کے وجود کے بارے میں لکھتے ہیں

کہ: ”خدا کے وجود کا ثبوت اس دلیل پر مبنی ہے جو افلاطون کے میئیمو ۲۸ اور ارسطو کی مابعد الطبعیات ۱۲، ۷ میں ہے۔ جسے بعد کو ایلبرٹس میگنسی اور دوسرے لوگوں نے استعمال کیا ہے۔ اول تو ممکن (جو صرف بالقوہ ہو سکتا ہے) اور حقیقی میں امتیاز کیا جاتا ہے ممکن کے حقیقی بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مؤثّر علت۔ ظاہر ہے کہ عالم تو مرکب ہے اور خود یہ علتِ اول نہیں ہو سکتا کیونکہ علتِ اول ایک ہونی چاہیے نہ کہ متعدد، لہٰذا ظاہر ہے کہ عالم کا وجود ایسی علت کی بنا پر ہے جو اس کے علاوہ ہے۔ خود علتِ خودی بھی کسی دوسری ماقبل علت کا نتیجہ ہو سکتی ہے، لیکن سلسلۂ عِلَل لامتناہی نہیں ہو سکتا اور نہ ان کی صورت دور کی سی ہو سکتی ہے اور یہ خود اپنی طرف لوٹ سکتی ہیں۔ اگر علتوں کا کھوج لگاتے چلے جائیں تو آخر میں ہمارا ایسے وجود تک پہنچ جانا لازمی ہے جس کی کوئی علت نہیں ہے اور جو سب کی علت ہے اور اس علتِ اول کا وجود لازماً ہے، لیکن ایسے لزوم کی بنا پر نہیں ہے جو خود اس کی ذات کے علاوہ اور کسی شئےَ کی بنا پر ہو۔ اور یہ ایک غیر متغیر، تمام عوارض سے بری، مطلق، مکمل، خیر، علم مطلق، عقل سے سمجھ میں آجانے والا اور عالمِ مطلق ہے۔ اپنی ذات کے اندر یہ حکمت و دانائی، حیات، بصیرت، ارادہ، قوتِ جمال اور کمال خیر رکھتا ہے۔ اور یہ صفات اس کے اندر اکتسابی نہیں بلکہ خود اس کی ذات کے پہلوؤں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ ارادہ اول، پہلا فعل ارادہ اور پہلا معرضِ ارادہ ہے، اسی علتِ اول کا جو خدا ہے علم حاصل کرنا فلسفے کی غایت ہے کیونکہ وہ سب کی علت ہے اور اس کے معرفت اور اس کے علم سے سب چیزیں سمجھ میں آسکتی ہیں۔ (فلسفہ اسلام ص ۱۲۳ نفیس اکیڈمی بلاسیس اسٹریٹ کراچی نمبر ۱)

قدیم فلاسفہ کی رائے

اور مائلٹس (Miletus) کا رہنے والا سب سے پہلا یورپی فلسفی تالیس جو ۶۲۴ تا ۵۵۰ ق، م گزرے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عالمِ کائنات کے لیے ایسا خالق اور مُبدِع ہے کہ اس کی کنہہ اور حقیقت کا ادراک عقول نہیں کر سکتیں۔ اس کا ادراک اس کے آثار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ وہ ایسی ذات ہے کہ اس کی حقیقت اور ہیئتِ وجود تو چھوڑو اس کے نام کی پہچان بھی اس کی ذات کی نسبت سے نہیں ہوتی مگر اس کی پہچان اس کے افعال اور تکوینِ اشیاء کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ہم اس کا نام اس کی ذات کی وجہ سے نہیں پہچانتے بلکہ اس کا نام اپنے ذوات کی وجہ سے پہچانتے ہیں اور حکیم انکیمانس جو یونان کا رہنے والا ہے (۵۸۸- ۵۲۲ ق م یا ۵۵۰- ۵۸۴ ق، م) کہتے ہیں کہ یقیناً باری تعالیٰ ازل سے ہے نہ اس کے لیے اول ہے اور نہ آخر۔ وہی تمام اشیاء کا مبداء ہے اور اس کے لیے ابتدا نہیں ہے اور وہ اپنی تخلیق کی بنا پر پہچانا جاتا ہے۔

اور فیثا غورس جو یونان کے حکماء میں سے ہے ۵۸۰ اور ۵۴۰ ق م کے درمیان گزرا ہے، وہ کہتا ہے کہ اللہ ایک ہے ایسا ایک کہ دیگر احاد کی طرح عدد میں داخل نہیں ہوتا۔ اس کی ذات کا ادراک عقل سے نہیں ہوتا اور نہ نفس اس کی ذات کا ادراک کر سکتا ہے اور نہ فلسفی اور منطقی اس کی صفت بیان کر سکتا ہے، وہ صفاتِ روحانیہ سے بالاتر ہے۔ اس کی ذات کا ادراک نہیں لیا جاسکتا اور اس کا ادراک اس کے آثار، افعال اور صنائع سے کیا جاتا ہے۔ افلاطون جو سقراط کا شاگرد ہے (۴۲۷۔۳۴۷ ق،م) وہ کہتا ہے کہ یقیناً کائناتِ عالم کے لیے ایک محدث اور مبدع ازلی ہے جو واجب بذاتہ ہے۔ (ماخوذ عن الملل والنحل للشہرستانی)

اسی طرح انکسا غورس، انکسیمانس، انند قلس، سقراط، فلوطر خیس، اسکنوفانس، زیتون الاکسر خروسیس، ارسطو، سکندر رومی وغیرہ سب قدیم فلاسفر ایک خدا کے وجود کے قائل ہیں جن کے آراء اور اقوال عبد الکریم الشہر ستانی نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں مفصل لکھے ہیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حکیم خرخوربوس کا مقولہ ہے کہ جو امور بداہۃً عقل سے ثابت ہیں منجملہ ان کے ایک مسئلہ صانع کا بھی ہے۔

(علم الکلام: ص ۱۳)

جدید فلاسفہ کی رائے و خیالات

حضرت علامہ سید شمس الحق افغانی رحمہ اللہ الکلام کے حوالہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ آئیزک نیوٹن کہتا ہے کہ کائنات کے اجزاء میں باوجود ہزاروں انقلابات زمان و مکان کے جو ترتیب و تناسب ہے وہ ممکن نہیں کہ بغیر کسی ایک ذات کے پایا جاسکے جو سب سے اول ہے اور صاحبِ علم اور اختیار ہے۔ اس زمانے کا بہت بڑا حکیم و سائنس دان ہربرٹ سپنسر کہتا ہے کہ ان تمام اسرار سے جن کی یہ کیفیت ہے کہ جس قدر زیادہ ہم غور کرتے ہیں اس قدر وہ اور غامض ہوتے چلے جاتے ہیں اس قدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی و ابدی قوت موجود ہے جس سے تمام اشیاء صادر ہوتے ہیں۔

کیمل فلامریان فرانس کا فاضل کہتا ہے کہ تمام اساتذہ اس بات کے سمجھنے سے عاجز ہیں کہ وجود کیونکر ہوا اور یہ کیونکر برابر چلا آتا ہے۔ اس بنا پر ان کو مجبوراً ایک ایسے خالق کا اقرار کرنا پڑتا ہے جس کا مؤثِّر ہونا ہمیشہ اور ہر وقت قائم ہے۔

پروفیسر لینی لکھتا ہے:

خدا قادر و دانا اپنی عجیب و غریب کاریگریوں سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اور میں بالکل دیوانہ ہو جاتا ہوں۔ ہر چیز میں گو وہ کتنی چھوٹی ہو اس میں کس قدر عجیب و غریب قدرت کس قدر عجیب حکمت کس قدر عجیب ایجاد پائی جاتی ہے۔

فونتسل انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے:

علومِ طبیعات کا مقصد صرف یہ نہیں کہ ہماری عقل کی پیاس بجھائے بلکہ اس کا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی عقل کی نظر خالقِ کائنات کی طرف اٹھائیں اور اس کی جلالت و عظمت پر فریفتہ ہو جائیں۔

(علوم القرآن: ص۴۵۔ مؤلفہ حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانیؒ)

باب سوئم
سائنسی دلائل

پرانی مادہ پرستی کا انحصار اس دعویٰ پر تھا کہ مادہ فنا نہیں ہو سکتا، اس کی صرف صورت بدلی جا سکتی ہے، اسی بنا پر یہ نتیجہ نکالا جاتا تھا کہ عالمِ کائنات کی کوئی ابتدا اور انتہا نہیں۔

لیکن اب جوہری تجربات (NuclearExperiments) اور جدید طبعیات (ModernPhysics) نے اس پورے تخیل کی بساط کو الٹ دیا ہے اور مرکبات (Thermo Dynamics) حرارت کے دوسرے قانون نے ثابت کر دیا ہے کہ مادہ نہ ازلی ہو سکتا ہے اور نہ ابدی۔ اس کا آغاز لازماً ایک مخصوص وقت پر ہوا ہے اور ضرور کسی دن درہم برہم ہو جائے گا۔ اس بات کا اعلان قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے کیا ہے۔

اس عجیب و غریب اور پُر حکمت عالم کو سامنے رکھتے ہوئے ہر سائنس دان کو چاہیے تھا کہ سر بسجود ہوتا، لیکن بعض سائنس گزیدہ منکرین تخلیقِ کائنات و حیات کو اس طرح سے پیش کرتے ہیں جس سے سادہ لوح لوگوں کے دلوں میں وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں شکوک اور وساوس پیدا ہو جاتے ہیں۔

ایک بات ذہن نشین کر لینے کے قابل یہ ہے کہ وہ حقائق جو انسانی یا سائنسی تجربات میں نہ آسکتے ہوں انہیں ماوراء الطبعیات کہتے ہیں۔ انسانی عقل ان کے بارے میں کوئی آخری اور اٹل فیصلہ نہیں کر سکتی۔ کائنات اور حیات (Life) کی تخلیق بھی انہی حقائق میں شامل ہے۔

کائنات کے متعلق سائنس دانوں کا نظریہ

بہر کیف کائنات اور ہماری زمین کی پیدائش کے بارے میں جو نظریہ اکثر انسائکلوپیڈیاز یا معلوماتِ عامہ کی کتابوں میں پایا جاتا ہے اور مغربی ذوق اور فیشن کے موافق ہے کچھ اس طرح سے ہے۔

۱) شاید ابتدا میں یہ تمام کائنات فضا میں پگھلے ہوئے مواد کا کھولتا ہوا بے انتہا سمندر تھا اور آخر کار یہ سیال مادہ منجمد ہو کر اجرامِ فلکی کی صورت اختیار کر گیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شروع شروع میں فضائے عالَم میں نور ہی نور تھا جو کہ بعد ازاں قوت میں تبدیل ہو گیا، یہ قوت بہت زیادہ عرصہ فضاء میں بے حرکت پڑی رہی، اس وقت موجودہ کائنات کے کوئی آثار نہیں تھے۔ ایک مدت کے بعد یہ قوت سیال گیس کی طرح کے روشن مواد کی شکل اختیار کر گئی جو کہ فضا میں یکساں پھیلی ہوئی تھی۔

مسٹر ہبل نے بیان کیا ہے کہ ایک طاقت، کشش ثقل اس بے انتہا گیسی سمندر کے درمیان پھینکی گئی۔ اب ہر ایک ذرے کے لیے فضائے کائنات میں توازن رکھنے کے لیے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ ہمسایہ ذرات کے ساتھ مل کر قوت کشش کا صحیح توازن رکھے اور جو ذرہ اپنی ابتدائی جگہ سے ہل گیا اس کے لیے اپنی پہلی حالت دوبارہ حاصل کرنا ناممکن ہو گیا۔ کشش ثقل کے باعث جو ہلچل پیدا ہوئی اس سے تمام ہوا میں پھیلا ہوا گیسی مواد لاکھوں، کروڑوں منجمد اشیاء کی صورت اختیار کر گیا۔ ہر ایک تکثیف کی مرکزی کششِ ثقل نے اس کے ذرات کو پیوستہ رکھا، ان منجمد اشیاء نے کششِ ثقل کے لحاظ سے بے توازن اور متزلزل ہونے کے باعث گھومنا شروع کر دیا، ان کی گردش نے کچھ ایسی محرک قوتیں پیدا کیں جنہوں نے ان اشیاء کو سنبھال لیا اور کششِ ثقل کے متزلزل اثر پر قابو پا لیا۔

اب ہر تکثیف کے اجزاء نے محوری گردش اختیار کی یعنی اس کے مرکز کے گرد گھومنا شروع کر دیا۔ کششِ ثقل کے توازُن کے لیے یہ لازمی تھا، اس پتلے مواد کی مجموعی گردش نے ایک اور تغیّر پیدا کیا۔ یہ منجمد اجسام نارنگی نما چپٹی شکل اختیار کر گئے، جوں جوں محوری گردش بڑھتی گئی، ان کا چپٹا پن بڑھتا گیا، یہ اجسام محوری گردش کے ساتھ ساتھ سکڑتے بھی گئے اور گردش کی رفتار بھی بڑھتی گئی۔ یہ محوری گردش اور سکیٹر پن جاری رہا حتیٰ کے یہ اجسام چھوٹے چھوٹے اجسام میں بٹتے رہے جو کہ بالآخر ستاروں اور سیاروں کی شکل میں موجود ہوئے۔

زمین کیسے بنی؟

ب) ہماری زمین ایک سیارہ ہے۔ اس بات پر عام اتفاق ہے کہ یہ سیارے نامعلوم ستارے کی کششِ ثقل کی وجہ سے سورج سے نکلے ہوئے سیال گیسی شکل کے مواد سے بنے تھے۔ وہ نامعلوم ستارہ سورج کے بہت قریب پہنچا، اس نے اپنی کشش کے ذریعے سورج میں گیسی بادل اپنی طرف کھینچے۔ اس سے یہ حادثہ غالباً تین ارب برس پہلے واقع ہوا، اس گیسی مواد نے اپنے منبع یعنی سورج کے گرد گھومنا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ یہ گیس ٹھنڈی ہو کر ٹھوس شکلیں اختیار کرتی گئیں جس سے بڑے تودے بن گئے جو سیارے کہلاتے ہیں۔ زمین کا گیسی مواد چونکہ سورج کے مقابلے میں کم تھا اس لیے یہ بہنے والی پگھلی ہوئی چیز کی شکل اختیار کر گیا۔ اگلا مرحلہ پگھلے ہوئے مادہ کا ٹھوس شکل اختیار کرنا تھا۔ مزید ٹھنڈک، پچک، دباؤ اور پپڑی جمنا، ٹوٹ پھوٹ اور کھنچا تانی جاری رہی۔ آخر کار زمین کی سطح غاروں، وادیوں اور پہاڑوں کی شکل اختیار کر گئی، اسی زمین کے جسم سے بخارات اٹھ اٹھ کر

بادل بن بن کر ایسے برسے کہ بڑے بڑے گڑھے سمندروں کی صورت میں حاضر ہوئے۔

سائنسی نظریات کا مختصر جائزہ

یہ اقتباسات پڑھ کر آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس قسم کے نظریات اور خیالات کا مقصد دل کو بہلانا اور اپنے قیمتی وقت عمرِ عزیز کو ضائع کرنا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ وہ حقائق جو انسان کے سائنسی تجربات کے دائرے سے خارج ہوں اور انسانی عقل، حواس یا وجدان ان کے بارے میں کوئی اٹل اور قطعی فیصلہ نہ کر سکتی ہو ماوراء الطبیعات کہلاتے ہیں۔ اب یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ انسان کے سائنسی تجربات کے لیے دو شرائط ضروری ہیں:

اتحادِ زمانی

پہلی شرط یہ ہے کہ تجربہ کرنے والا آدمی یا سائنس دان اور وہ زیرِ تجربہ امور ایک ہی زمانے یا وقت میں موجود ہوں۔ اب اس اصول کا عملی اطلاق کر کے دیکھیے تو یہ بات بخوبی ذہن میں آجائے گی کہ انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہے چونکہ وہ اس کی عقل، فکر اور نظر سے پوشیدہ ہے اسی لیے انسان اس کائنات، آسمان وزمین، آفتاب و ماہتاب اور ستاروں یا سیاروں کی پیدائش کے متعلق کوئی قطعی رائے یا نظریہ قائم نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی رائے یا نظریہ قائم کر بھی لے تو وہ محض تخمینی، ناقص اور غیر یقینی ہو گی۔

اسی طرح یہ بات بھی انسان کے وسائل اور ذرائعِ معلومات سے باہر ہے کہ حیات (Life) کا آغاز کب اور کس طرح ہوا؟ یا انسان کب بنا اور کیسے اس دنیا میں آیا؟ یا انسان سے پہلے کیا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام امور انسان کے لیے غیبات میں سے ہیں۔ انسان نہ حیات کے آغاز کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کر سکتا ہے اور نہ کائنات کے بارے میں۔ (یعنی ان مسائل میں محض خیال آرائی بے سود ہو گی۔)

اسی شرط کے تحت یہ بات بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ انسان مرنے کے بعد کے واقعات کو بھی سائنسی یا عقلی تجربات سے معلوم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حال کا سائنس دان مستقبل کے عالَمِ آخرت، عالَمِ برزخ کے ہم زمان نہیں۔ (تجربہ کنندہ اور زیرِ تجربہ امور کا ایک ہی وقت میں ہونا ضروری ہے)

دوسری شرط یہ ہے کہ سائنس جن چیزوں یا امور اور اعمال (Process & Phenomena) کو زیرِ تجربہ لانا چاہے وہ چیزیں کثیف ہوں یعنی جسامت اور ہیئت و کمیت کے اعتبار سے انسانی حواس کے ترازو میں تولنے

کے قابل ہوں۔ انسان ان کو چھو، سونگھ، چکھ، سن اور دیکھ سکے، لہٰذا لطیف اشیاء تک سائنس کے تجربات یا تحلیل وتجزیے کی رسائی ناممکن ہے۔ ایسی چیزیں خالقِ کائنات کی ذات، ملائکہ، جنات، روحِ انسانی، دل کے اندر کا یقین اور عقائد، اخلاق و اعمالِ انسانی کا اچھا یا برا ہونا اور انسانی زندگی کے مختلف مراحل میں نیک وبد اعمال کے فوائد ونقصانات یہ تمام امور سائنسی تجربات کی حدود سے خارج ہیں۔ ان کو روحانیات کہا جاتا ہے۔ ان کا علمِ قطعی صرف وحی اور الہامِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔

وحی الٰہی انسانی عقل سے متصادم ہرگز نہیں بلکہ جس طرح انسانی آنکھ کی اندرونی قوت باہر کی قدرتی روشنی کے بغیر بے فائدہ اور ناکام ہوتی ہے، اسی طرح انسانی داخلی عقل وبصیرت بھی وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر اٹکل پچو اور اندھادھند چلتی ہے اور انسان کے فائدے کے بجائے اس کی دائمی تباہی اور بربادی کا سبب بنتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسان سے پہلے ہونے والے واقعات یا انسان کے مر جانے کے بعد کے واقعات اور روحانیات کے بارے میں سائنس ناکام ہے، کیونکہ ماوراء الطبعیات (تخلیقِ کائنات وحیات) اور روحانیات دونوں اس کے دائرہ کار سے خارج ہیں، ان مسائل کے بارے میں محض اپنی عقل اور رائے سے کچھ کہنا اندھے کے لیے اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے اور عقلِ سلیم رکھنے والے انسان کے لیے کسی طرح بھی زیبا نہیں۔

یہ ضروری بنیادی باتیں عرض کرنے کے بعد ہم حیات کی پیدائش اور جانداروں خصوصاً انسان کے آغاز (اور ڈارون کے نظریۂ ارتقاء) کے متعلق خیالات اور آراء کا مختصر و جامع مطالعہ کرتے ہیں۔

حیات کے بارے میں سائنسدانوں کے نظریات

مغرب کے سائنسدان اور فلسفی جس طرح مادہ کی حقیقت کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں، اسی طرح حیات کا آغاز ان کے لیے ایک مستقل معمہ ہے۔ مادے کا فانی ہونا تو مستقل طور پر ثابت ہو چکا ہے لیکن جاندار فانی کیوں ہیں؟ جان، زندگی یا حیات کی حقیقت کیا ہے؟ یہ دنیا جانداروں سے آباد کیسے ہوئی؟ نباتات اور حیوانات کی لاکھوں انواع واقسام کیسے پیدا ہوئے؟ یہ چند ایسے سوالات ہیں جس نے فلاسفہ اور سائنسدانوں کو حیران وسرگردان کر رکھا ہے، بہرکیف حیات کے بارے میں بالعموم تین طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں:

۱) کسی مافوق الفطرت قوت نے حیات کی تخلیق کی۔

۲) ذی حیات اجسام کائنات کے کسی دوسرے حصے سے زمین پر پہنچے۔

۳) کسی مادے نے بتدریج ترقی کر کے حیات کی صورت اختیار کر لی۔

پہلا① بیان تو سائنس کے دائرہ کار سے باہر اور ماوراء ہے کیونکہ سائنس تو صرف فطرتِ ظاہرہ کی لامحدود خوبصورتی اور کمالات کا ایک نہایت ہی محدود مطالعہ ہے، اس کی بنیاد تو مشاہدہ ہے اور جو اشیاء مشاہدے اور تجربے میں نہ آسکیں ان کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکتا۔ دوسرا نظریہ اگر صحیح مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذی حیات اجسام آتشیں خلاء سے کیونکر گزرے؟ تیسری توضیح پر صرف مادہ پرست اور دہری فلاسفہ یا نام نہاد سائنس دان متفق ہیں۔

ڈارون کا نظریہ

حیاتیات کی نصابی کتاب (TEXT BOOK OF BIOLOGY) اٹھا لیجیے! زندگی کیا ہے؟ حیات کسے کہتے ہیں؟ کوئی ماہرِ حیاتیات اس سوال کا جواب دینے کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ آپ صرف جاندار اور غیر جاندار اجسام کے درمیان (Differences) فرق اور اختلافات پر مشتمل جدول (Tables) پائیں گے۔ اس کے علاوہ مردہ گوشت یا مردہ جانوروں کا تجزیہ (Structure and composition protoplasm)

کی طرح کے عنوانات سے پائیں گے۔ اس کے باوجود آپ حیران ہوں گے کہ بیالوجی (Biology) کی کتابوں میں ڈارون کا نظریہ ارتقاء بہت عام ملے گا۔ ڈارون کا نظریہ جس نے یورپ وامریکہ میں لوگوں کی سوچ و فکر پر بہت گہرا اثر ڈالا اور کوئی سکول یا کالج اس کے خیالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا جس کے نتیجہ نے ارادۃً یا غیر ارادی طور پر دہریت کو شدت اور قوت بخشی آخر کیا تھا؟ نظریہ کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے:

۱) تمام جانداروں کی آبادی جیومیٹریکل تناسب سے بڑھتی ہے۔

۲) خوراک اور جگہ کے تنگ ہونے کے باعث اس کثیر آبادی کے جوانوں میں (Struggle For Existence) تنازع البقا یعنی آپس کی خانہ جنگی کا مقابلہ شروع ہو جاتا ہے۔

۳) تمام جانداروں میں مفید یا غیر مفید تبدیلیاں (Variations) ظاہر ہونے لگتی ہیں۔

۴) جن افراد میں مفید اور کارآمد تبدیلیاں ظاہر ہونے لگتی ہیں وہ بیرونی زندگی کے حالات سے بہتر مطابقت رکھتے ہیں اور بھاری تعداد میں زندہ رہ جاتے ہیں بہ نسبت ان افراد کے جو کم مفید صلاحیتوں یا تبدیلیوں کا اظہار کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر تنازع للبقاء (Struggle For Existence) میں فطرت بہترین (Fittest) افراد کو منتخب کرتی

① آئندہ صفحات میں سائنس کے دائرۂ کار پر مفصل بحث آرہی ہے۔

ہے۔ یعنی زیادہ مفید تبدیلیوں والے جاندار زندہ باقی رہتے ہیں اور کم مفید تبدیلیوں والے مر جاتے ہیں اِسے (Survivalof the Fittest Natural Selection) کہتے ہیں یعنی انتخاب طبعی کے نتیجے میں بقا اصلح۔

۵) اس طرح ایک نسل کے زندہ باقی رہ جانے والے افراد آئندہ نسل کے آباواجداد بن جاتے ہیں اور یوں زیادہ مفید تبدیلیاں نسلاً در نسلاً منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

۶) ہر نسل آہستہ آہستہ لیکن باقاعدہ طور پر بیرونی فضا اور حالاتِ زندگی کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے اور بدلنے کی کوشش کرتی ہے۔

۷) اس طرح مفید تبدیلیاں جو کہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی رہتی ہیں، لمبا عرصہ گزرنے کے بعد افراد میں اس حد تک جمع ہو جاتی ہیں کہ یہ افراد ایک الگ اور نئی نوع (Species) میں بدل جاتے ہیں۔ ڈارون کے نزدیک ساری انواع کے جراثیم آپس میں مساوی ہیں، ان میں کوئی جوہری اور حقیقی تفاوت موجود نہیں، اس کے نزدیک کسی مادے نے بتدریج ترقی کر کے حیات کی صورت اختیار کر لی۔ قدیم ترین نباتات و حیوانات یک خلیی (Unicellular) تھے۔ رفتہ رفتہ زمان و مکان کے تقاضا کے موافق ضروریات اور مجبوریوں کی بنا پر عوامل خارجی کی وجہ سے ایک نوع دوسری نوع کی طرف خود بخود انتقال کرتے ہیں اور پرانی صورت سے موجود صورت کی طرف بدلتے ہیں، اسی طرح بدلتے اور ترقی کرتے کرتے بندر کا ظہور ہوا اور آہستہ آہستہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ عواملِ خارجی کی وجہ سے بندر کی صورت سے تبدیل ہو کر چھبیسویں مرحلے پر انسان نے پہلا درجہ اختیار کیا ہے جس سے حبشیوں کی جنسیں اور دیگر کمینی جنسیں وجود میں آ گئیں، اس کے بعد بعض افراد ترقی کر کے حبشیوں کے افق سے اعلیٰ اور برتر افق کی طرف پہنچ گئے اور وہ سفید فام انسان کا افق ہے۔ ڈارون کے نزدیک سلسلہ ارتقاء ایک خطِ مستقیم پر جاری ہے جس کی ہر اوپر کی کڑی نچلی کڑی سے جڑی ہوتی ہے اور تمام حیوانات کا سلسلۂ نسب اوپر جا کر آپس میں مل جاتا ہے۔ ڈارون کے نزدیک انتخابِ طبعی روز بروز اور ساعت بہ ساعت خفیف اختلافات و تغیرات پر نظر رکھتا ہے جو خراب ہوں انہیں رد کر دیتا ہے جو اچھے ہوں انہیں قبول کر لیتا ہے۔

ڈارون اپنی مشہور کتاب اصل الانواع (The Origin of Species) کے آخر میں چند قوانین اخذ کرتا ہے جو اس کے خیال میں جانوروں، پرندوں، کیڑوں مکوڑوں کی مختلف اقسام و انواع کی موجودگی کی توضیح کرتے ہیں۔ وہ قوانین حسبِ ذیل ہیں:

نشو و نما و توالُد، وراثت جس کا مفہوم قریباً توالُد میں شامل ہے۔ استعمال و عدمِ استعمال کی وجہ سے تغیر اعضاء۔

تعداد (آبادی) کا اضافہ اس حد تک کہ کشمکشِ حیات اور انتخابِ قدرت کا عمل شروع ہو جائے اور اس کے نتیجے کے طور پر بعض نئے نئے اوصاف اور نئی نئی اشکال کے حیوانات وجود میں آئیں اور بعض جو ترقی نہ کر سکیں مٹ جائیں۔ گویا وہ اعلیٰ ترین موجودات جن کا ہم تصور کر سکتے ہیں۔ یعنی حیوانات کی بلند ترین اقسام قدرتی جنگ، قحط اور موت کے براہِ راست نتیجہ کے طور پر ظہور میں آتے ہیں۔

ڈارون کا نظریہ کیوں مقبول ہوا؟

نامعقول اور ناقص ہونے کے باوجود اس نظریہ کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کی کئی وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ مسیحیت کے علمبر داروں کی انسانیت سوز حرکات اور کلیسا کے ظلم اور خود ساختہ خرافات نے عوام کو اس درجہ متنفر کر دیا تھا کہ ہر وہ بات جو (جھوٹی) مسیحی تعلیمات سے متصادم ہوتی اسے وہ دیوانہ وار قبول کر لیتے۔ ڈارون کا نظریہ شائع ہوتے ہی آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا گیا اور اس نظریے کے حق میں ڈھیروں لٹریچر فراہم کیا گیا۔ اس نظریہ کی مخالفت اور تنقید کرنے والوں کے لیے اشاعتی راستے بند کر دیے گئے، اس طرح اسے ایک عالمگیر شہرت مل گئی۔

دوسری بڑی وجہ یہ ہوئی کہ یہ نظریہ یورپ کے استحصالی اور استعماری مزاج کے عین موافق تھا۔ کمزور اقوام کو مٹانا اور قوی کو باقی رکھنا خود قدرت کا فیصلہ تھا انہیں کیوں پسند نہ آتا؟ اس کے علاوہ بقول انگریز مفکر و ادیب برناوڈ شا کے، یہ نظریہ ہر ایک جماعت کے اغراض کا مؤید تھا۔ جنگ کے حامیوں سے لے کر اشتراکیت پسندوں اور سرمایہ داروں تک نے اس کو پسند کیا۔ اشتراکیوں نے اپنے لیے نظامِ بقائے اصلح سمجھا اور سرمایہ داروں کو اس لیے پسند کہ اس میں کمزوری کی شکست و بربادی اور طاقتور کی فتح مندی کو فطرت کا ایک اٹل قانون بنا دیا گیا۔

تیسری بڑی وجہ ارتقاء کو ثابت کرنے میں فریب و دھوکہ سے بھی کام لیا گیا۔ نظریے کے معتقدین نے سائنسدانوں کی روایتی ایمان داری کو بھی چھوڑ کر جعلی ثبوت تیار کیے۔ دھوکے بازی کے سارے واقعات کا نقل کرنا تو مشکل ہے۔ البتہ چند نمونے کے طور پر ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱) ۲۵ فروری ۱۹۴۱ء کے سائنس نیوز لیٹر میں یہ تحریر ہے کہ ایک بہت مشہور فریب جس کا سائنسی حقائق کی بنیادوں پر انکشاف کیا گیا، سوسیکس (Sussex) انگلستان میں پایا جانے والا ایک ڈھانچہ تھا۔ جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا کہ وہ پانچ لاکھ برس پرانا ہے۔ فی الحقیقت وہ زمانہ قدیم کے کسی انسان سے ہرگز مناسبت نہ رکھتا تھا بلکہ ایک مجسمہ اور مرکب فریب تھا جس میں پوٹاش اور لوہے کے نمکیاتی مرکب کی مدد سے عمل جراحی کر کے مشابہت پیدا کرنے کے لیے دور حاضر کے ایک انسانی ڈھانچہ کی کھوپڑی میں بن مانس کے جبڑے لگا دیے گئے تھے، اسی واقعہ کے متعلق اکتوبر کے ریڈرز ڈائجسٹ میں لکھا تھا کہ یہ افسانہ شروع سے لے کر آخر تک ایک فریب تھا ڈاسن (اس) طلسم ہوشربا کا مصنف تھا۔ اس شعبدہ باز نے انسانی کھوپڑی اور اس کے ساتھ پیوست کیے ہوئے بن مانس کے جبڑوں کو ایسے داغ دھبے لگا دیے تھے جن کی بنا پر وہ بوسیدہ معلوم ہوتے تھے۔

(کائنات کی گواہی: صفحہ ۳۰۷ تا ۳۰۸)

بیل اینڈ ہائجیر (Beal and hoiger) فلورین ٹسٹ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

۲) اس ٹسٹ سے بہت ایسے دعووں کو غلط ثابت کیا جا چکا ہے جس میں کہ انسانی ہڈیوں کا تعلق قدیم جانوروں کی ہڈیوں سے پیدا کیا جاتا ہے۔ خاص کر مشہور اور اہم پلٹ ڈاؤن کے دریافت شدہ آدمی کے معاملہ میں ہے جو کہ شروع سے آخر تک فراڈ اور فریب محض تھا۔

۳) سپین میں کھدائیوں سے متعلق حال ہی میں جو مطالعات سامنے آئے ہیں ان کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے کہ تیس ہزار سال پہلے کی جو لاشیں متحجر ڈھانچے (Fossils) ملے ہیں۔ ان سے صاف طور پر ظاہر ہو گیا ہے کہ پتھر کے زمانے کا انسان بھی ہماری طرح کا تھا اور اس میں بن مانس (Ape) یا بے دم کے بندر کی طرح کی کوئی مشابہت نہیں پائی جاتی تھی۔ (قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ)

ڈارون کا نظریہ ارتقاء غیر متعصب سائنس دانوں کی نظر میں

۴) پروفیسر ڈی آر سی ٹامس لکھتے ہیں کہ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا اسی سالہ مطالعہ ہمیں یہ نہ بتا سکا کہ رینگنے والے کیڑوں سے پرندے کیونکر پیدا ہوئے؟ ابتدائی دور کے بدہیئت چوپاؤں سے دودھ پلانے والے جانور کیونکر وجود میں آئے؟ اور پھر یہ چوپائے مچھلیوں سے کیونکر بنے؟ بغیر ریڑھ کی ہڈی والے حشرات الارض سے ریڑھ کی ہڈی والے کیونکر نمودار ہوئے؟ ان سب کے درمیان اس قدر وسیع خلیج حائل ہے کہ ہمیں اس کا دوسرا کنارہ ہی نظر

نہیں آتا۔۔بن مانس کا حادثاتی ظہور بھی ہنوز مایوس کن حد تک نامکمل ہے۔ سائنٹیفک امریکن دسمبر ۱۹۶۴ء میں یہ مضمون شائع ہوا ہے۔

۵) ذی حیات اشیاء بے شمار اقسام کے ہیں لیکن ان کی جس قدر اقسام بھی ہیں خود اپنی نوعیت کے لحاظ سے مستقل اور غیر متبدل ہیں۔ پشت ہاپشت گزر جانے کے باوجود بکری بکری اور بڑ کا درخت بڑ کا درخت ہی رہتا ہے۔
(کائنات کی گواہی: صفحہ ۳۰۳ تا ۳۰۴)

۶) (CAREUX) لکھتا ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ نظریہ ارتقاء کے نتائج اس صورت میں بھی سچ اور صحیح بیٹھتے ہیں جب ہم مان لیں کہ کوئی ارتقاء نہیں ہوا، بلکہ باری باری سے الگ الگ چیزوں کی تخلیق ہوتی ہے اور ان تحقیقات میں آپس میں کوئی دور کا رشتہ بھی نہیں ہے۔ پس جب پوزیشن یوں ہے تو ہر ایک (شخص) من پسند نظریہ کو امتیاز کرنے میں آزاد ہے۔

AN INTRODUCTION TO ANTHROPOLOGY BY R.A.I.PH BEALS & HOIGER Page:69

۷) پچاس چوٹی کے سائنس دانوں نے یونائیٹڈ نیشنز کے تحت مذاکرہ میں اعلان کیا کہ موجود انسان یعنی (Homosapien) کم از کم ہزار سال قبل بھی اس دنیا میں پایا جاتا ہے۔ اس موقع پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ (Neanderthal Man) جسے سلسلہ ارتقاء کی ایک کڑی قرار دیا جاتا ہے موجود انسان کا جدامجد نہیں تھا۔

۸) (Rang hauvin) نے ایک ماہر حیاتیات کا یہ جملہ ارتقاء کے متعلق پیش کیا ہے کہ ارتقاء کے متعلق تمام نظریات محض بوڑھی عورتوں کے قصے ہیں۔ جن کو ماننے کا لوگ جھوٹا مظاہرہ کرتے ہیں۔

The Living Universe An Fncyclopaedia Of Sch.Ncf With An Introduction B M. I Pernty C.B.E.R.S Noble Prize Winner Page:37 (قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ: ۱۷۴)

۹) والٹر ایڈووڈلیمرٹس (ماہر فن باغبانی) ڈارون کی تھیوری پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نظریہ ارتقاء کا تجزیہ ریاضی کے اصول سے کرنے والے پچو (Patau) نے کہا ہے کہ نئی تبدیلی مکمل ہوتے ہوتے دس لاکھ پشتیں گزر جانے کا امکان ہے۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ کتے کی طرح پانچ انگلیاں رکھنے والے کسی حیوان کی نسل میں گھوڑے جیسا جانور پیدا ہونے کے لیے کتنا عرصہ درکار ہو گا۔ ("خدا موجود ہے" صفحہ: ۱۳۸۔ ۱۳۹، مولف کلورو مونزا)

نظریہ ارتقاء پر تنقید و تبصرہ

۱) ڈارون کے خیالات کا مطالعہ کرنے کے بعد اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ وہ طرح طرح کے درخت و

نباتات پودے اور جڑی بوٹیاں جو جنگلات میں زمانہ قدیم سے وجود رکھتے ہیں اور ایک ہی قطعہ زمین پر، ایک ہی آب وہوا سے نشوونماپاتے ہیں کیوں ضخامت، لمبائی، پتوں، پھولوں، پھلوں ذائقے اور عمر میں یکساں اور مشابہ نہیں؟ وہ کون سے بیرونی اسباب وعوامل ہیں جن کے اثر سے ایک ہی قسم کی زمین، پانی اور ہوا کے باوجود یہ نباتات ایک دوسرے سے ممتاز اور مختلف ہیں۔

ب) سمندروں اور دریاؤں میں یہ رنگ برنگ مچھلیاں باوجود یہ کہ ایک ہی قسم کی غذا اور پانی کے ذریعے پرورش پاتی ہیں اور ایک مشترک ماحول میں رہتی ہیں کیوں اتنے زیادہ انواع، شکلوں اور صفات کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں۔

ج) زمین پر لاکھوں قسم کے حیوانات موجود ہیں جو سب کے سب نوعی خصوصیات میں ایک دوسرے سے واضح طور پر ممتاز ہیں اور یہ حیوانات ان صفات کو قدیم ترین معلوم زمانے سے اپنی اپنی صورتِ نوعیہ کو برقرار رکھتے چلے آرہے ہیں۔ ان کے بارے میں ڈارون میاں خاموش ہیں۔

د) اب تو عصرِ حاضر کے نئے انکشافات نے یہ حقیقت بھی کھول کر بیان کردی ہے کہ حشرات الارض میں بعض خوبیاں ہیں جن کو انسانی دماغ اب تک پیدا نہ کرسکا۔ حیوانات میں یہ عجائب آج نہیں بلکہ لاکھوں برس سے چلے آرہے ہیں جیسا کہ

۱) قُراد (چچڑی) بغیر کسی آلے کے پینتالیس میل کے فاصلے پر اونٹ کے چلنے کی آواز سنتاہے۔

۲) بندر سونگھ کر معلوم کرلیتاہے کہ کھانے میں کوئی مضر چیز یا زہر تو نہیں اور زہر کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے ایک بوٹی سے کام لیتاہے۔

۳) اونٹ دس میل کے فاصلے سے پانی کی موجودگی کو محسوس کرلیتاہے۔

۴) عقاب اور شاہین اپنی آنکھوں سے دور دراز تک کے علاقے کا بالکل صحیح معائنہ بآسانی کرلیتاہے۔

۵) ہدہد چونچ کے ذریعے معلوم کرلیتاہے کہ پانی زمین میں کتنی گہرائی پر واقع ہے۔

۶) ہرن ساٹھ میل فی گھنٹہ اور چیتا ۷۰ / ۸۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتاہے۔

۷) فلائی بوٹ جو ایک قسم کی مکھی ہے۔ چار سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑتی ہے۔

۸) شیشے کی بوتل میں بند مچھر انسان کی بو سونگھ کر مچلنے لگتاہے، اسی کے ذریعے ویت نام کے جنگلات میں

امریکی فوجی چھپے ہوئے گوریلہ چھاپہ ماروں کو معلوم کرکے اپنی حفاظت کا بندوبست کرتے تھے۔

۱) اسی طرح کی بے شمار عجیب و غریب سپر ہیومن Super Human یعنی مافوق الاانسانی خاصیتیں حیوانات وحشرات میں موجود ہیں۔ اگر یہ ساری صفات مفید اور اچھی ہیں تو انسان ارتقاء کے منازل کو طے کرتے ہوئے کیوں ان خاصیتوں سے محروم رہا؟ مزید یہ کہ ان حیوانات وحشرات کی رہنمائی ان اعلیٰ صفات تک کس نے کی؟ کیونکہ جراثیم اور واحد خلیاتی جاندار تو ناقص الخلقت اور لاشعور ہوتے ہیں۔ انہوں نے اتنی ترقی کیسے کی؟

۲) کیا صرف Blind Necessity یعنی اندھی احتیاج وضرورت حشرات وحیوانات وجراثیم کو ان صوری ومعنوی کمالات کی طرف لے جانے کے لیے پیرِ کامل اور رہنما بن گئے۔ ہرگز نہیں۔

۳) غور کیجیے! کہ کون ہے جو مرنا ناپسند کرتا ہے؟ ہر شخص یہ خواہش رکھتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ عرصے کے لیے تندرستی اور عافیت کی حالت میں زندہ رہے لیکن کیا محض اس خواہش کی بدولت آدمی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے؟ حالانکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ آدمی کے علم و تجربے میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ کیا کسی ڈاکٹر، حکیم یا فلسفی کو اس کے تجربے اور علم نے زندہ وتوانا رہنے دیا ہے؟ نہیں بلکہ عمر گزرنے کے ساتھ کمزوری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

۴) پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ محض اتفاقات یا تخریبی عوامل کی کاروائیوں سے جانداروں میں یہ حیرت انگیز موزونیت اور مطابقت کیونکر پیدا ہو جاتی ہے؟ اور جسم حیوانی میں تغیرات کیوں نمودار ہو جاتے ہیں؟ ان تغیرات کی (جو اصل ارتقا سمجھے جاتے ہیں) کیا ضرورت ہے؟

۵) ڈارون کہتا ہے کہ یہ تغیرات نہایت خفیف ہوتے ہیں لیکن مدت جمع ہونے کے بعد جاندار کی کشمکشِ حیات کے لیے مفید ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ تغیرات مفید ہوں تو قدرتی طبعی انتخاب ان کو چن کر قائم رکھتا ہے۔ یعنی جن جانداروں میں یہ پائے جاتے ہیں وہ زندہ رہتے ہیں اور ان کی نسل ترقی کرتی ہے لیکن ڈارون ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ جب یہ تغیرات مضر یا غیر مفید ہوں تو کیوں باقی اور قائم رہتے ہیں؟

۶) اگر انتخابِ طبعی اور کشمکشِ حیات کی وجہ سے ہی حیوانات کی انفع اور اصل صفات باقی رہتی ہیں تو سوال یہ ہے کہ یہ انفع اور اصل صفات کہاں سے آتی ہیں؟

۷) اگر عالَمِ کائنات میں یہ تنوُّع اور تکثُّر صرف ارتقاء کا نتیجہ ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مادہ کے اجزاء میں ارتقا کا تصور کہاں سے آیا ہے؟ یہ تصور مادے میں کیوں اور کیسے پیدا ہوا؟ اگر NATURE یعنی طبیعت،

فطرت یاقدرت ہی زندگی کو ارتقائی مراحل سے گزار کر تخلیقِ کائنات تک لے آئی ہے اور ماحول کے اثرات نے اس کو مخصوص اعضاء اور جبلتیں عطا کر دی ہیں تو سوال یہ ہے کہ خود یہ طبیعت کیا چیز ہے؟اس کی حدود کیا ہیں؟واضح رہے کہ ڈارون کے نقطۂ نظر سے طبیعت بے انتہا قوتوں کی مالک ہے اور ہر چیز پیدا کر سکتی ہے۔

اگر طبیعت کی حدود نامعلوم ہیں اور اس کی ماہیت ناقابلِ فہم ہے تو اس بات کا کیا عقلی و علمی جواز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وقدرت اور طاقت کا انکار کر کے طبیعت کو لامحدود خدائی اختیارات دے کر ایک بے نیاز معبود کے مقام پر فائز کر دیا جائے؟

۸) اگر جسمانی ارتقاء خطِ مستقیم پر جاری ہے تو انسان جسمانی طور پر آگے ترقی کیوں نہیں کر رہا؟ اور دیگر حیوانات کی شکلیں لاکھوں سال گزرنے کے بعد بھی کیوں نہیں بدلتیں؟ اگر جسمانی ارتقاء بند ہو چکا ہے تو اس کی وجہ اور سبب کیا ہے؟ کیوں بند ہو گیا ہے؟اسی طرح اس نظریۂ ارتقاء پر بے شمار سوالات ہو سکتے ہیں جن کا جواب دینا کسی مادہ پرست و منکر خدا کے بس میں نہیں۔

ایسے نظریات کو کیونکر تسلیم کیا جائے جن کی کوئی ٹھوس اساس نہیں جن کی بنیاد محض اوہام، ظنون اور تخمینے پر ہو اور جن کے ثبوت کے لیے پروپیگنڈہ اور فریب کاری کے ڈھیر لگا دیے گئے ہوں۔ لیکن یورپ نے جذبات کی رو میں بہہ کر اکثر بہت غلط فیصلے کیے ہیں اور تباہی وبربادی کی راہ اختیار کی ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا جاچکا، چونکہ یہ نظریہ معقول نہیں بلکہ لوگوں کے جذبات کے مطابق تھا اس لیے مقبول ہوا۔ ڈارون کے بعد اور نظریات بھی پیش کیے گئے مثلاً (MutationTheory) تغیرات کا نظریہ وغیرہ، مگر وہ اس قدر شہرت نہ پاسکے۔

تخلیقِ حیات ہو یا تخلیقِ کائنات آپ جو نظریہ بھی اِن کے بارے میں پیش کریں خواہ وہ سائنسی اور عقلی نقطۂ نظر سے درست ہو یا ناقص اس کی منطقی خوبیوں یا غلطیوں سے قطع نظر، کوئی بھی نظریہ مکمل، صحیح اور علمی طور پر قابلِ قبول نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں ایک عظیم خارجی قوت کو تسلیم نہ کیا جائے (کیونکہ) کسی بھی چیز کی ترکیب وترتیب کے بارے میں کوئی بھی نظریہ کامیاب نہیں ہو گا جب تک کہ اس چیز کے بنانے والے، اس کے صانع کی صناعی اور دستکاری کو بنیاد کے درجہ میں نہ مانا جائے۔ اس اعلان واعتراف کے بغیر سائنسی نقطۂ نظر سے درست مانے ہوئے نظریات پر بھی ایسے لاتعداد سوالات وارد ہو سکتے ہیں جن کا جواب سائنس دانوں اور فلاسفہ وغیرہ سے ممکن نہیں۔

ایک مشہور سائنس دان کا قول فیصل

چنانچہ ڈانلڈ ہنری پورٹر ماہر ریاضی لکھتے ہیں:

دوسرے لفظوں میں آپ فطرت کے قوانین کے بارے میں جو رائے بھی قائم کریں اور اس کائنات کی جو اساس وبنیاد معین کریں، ایک سائنس دان کی حیثیت سے میرے نزدیک وہ تصور اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک اس میں ناظم و محرک کی حیثیت سے خدا کے وجود کو تسلیم نہ کیا جائے۔ یہ خدا ہی کی قدرت ہے جو اس کائنات کی ہر شئے میں جلوہ گر نظر آتی ہے۔ اور (یہ) ان تمام سوالات کا واحد جواب ہے جن کا ہم کوئی جواب دینے سے قاصر ہیں۔ ("خداموجود ہے": ص۵۶ مصنف کلوروموزا)

کسی نظریے پر سائنسدانوں کی اکثریت کا متفق ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ خالق کے انکار پر بھی متفق ہیں

ایک ضروری اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ کسی بھی نظریے پر سائنسدانوں کا متفق ہونے سے ہر گز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ سب اس میں صانع کی نفی پر بھی ہم عقیدہ یا ہم خیال اور متفق ہوں۔ اس بات کو یاد نہ رکھنے کی وجہ سے ہم لوگ بعض اوقات بہت بڑی بڑی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں مثلاً اردو کی مختصر انسائیکلوپیڈیا نے حیات کی پیدائش کے بارے میں تیسرے نظریے (ملاحظہ فرمائیں اسی کتاب کے ص۵۳ پر) کے متعلق لکھا ہے کہ اس پر اکثر سائنسدان متفق ہیں جب کہ پہلا نظریہ ان کے خیال میں غیر سائنٹفک ہے۔ اغلب یہی ہے کہ انہوں نے ذرا سی بے توجہی سے ماوراء سائنس کے بجائے ایسے الفاظ استعمال کر لیے ہیں جو کہ نہایت ہی غلط تاثر پیدا کرتے ہیں۔

سائنسدانوں کا کام کسی چیز کے بارے میں ایک مرتّب مجموعہ معلومات تیار کرنا ہوتا ہے، وہ اشیاء کی ترتیب وترکیب اور خواص و فوائد معلوم کرنے کے شغل میں مصروف ہوتے ہیں۔ اگر کوئی سائنس دان کسی چیز کی ساخت، خواص اور کارکردگی کے بارے میں کوئی صحیح رائے اور نظریہ قائم کرے اور دوسرے سائنس دان اس کی تصدیق کریں تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہوتا کہ اس میں خالق یا صانع کی کار فرمائی نہیں ہے مثلاً اگر گھڑی کی ترتیب وترکیب یا ساخت اور کارکردگی کے بارے میں مختلف نظریے پیش کیے جائیں۔ پھر کسی ایک نظریہ پر اکثر لوگ متفق ہو جائیں اور اس کی معقولیت کا اعتراف بھی کر لیں تو اس سے یہ بات کہاں نکلتی ہے کہ اکثریت کا یہ فیصلہ بھی ہے کہ یہ گھڑی بغیر کسی گھڑی ساز کے خود بخود بن گئی ہے جب تک کہ وہ خود اس بات کا اعلان

نہ کریں، ان کی طرف ایسی بات کو منسوب کرنا بہتان اور محض اتہام ہو گا جو کہ بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

اسی ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ بھی سنتے جائیں جو کہ انسائکلوپیڈیا والوں اور بہت سے نادانوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ مفید ثابت ہو گا۔

انڈریو کان وے(Andrew convey)ماہر عضویات لکھتے ہیں کہ:

کئی سال پہلے کا ذکر ہے کہ بہت سے تاجر کھانے کی میز پر بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ اسی دوران ایک سائنس دان کا ذکر آگیا، ایک نے کہا کہ وہ تو پکا ملحد ہے، ایک اور تاجر نے اس پر گرہ لگائی اور بڑے وثوق کے ساتھ دعویٰ کر دیا کہ سائنسدانوں کی اکثریت خدا کی منکر ہوتی ہے اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اشارے سے مطالبہ کیا کہ میں اپنے بارے میں احساسات پیش کروں۔ اس وقت وہاں میرے علاوہ ایک اور سائنس دان بھی موجود تھا۔ میں نے اس رائے کی پر زور تردید کی اور کہا کہ یہ سائنسدانوں پر محض اتہام ہے، کیونکہ میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سائنس کی دنیا میں جتنے نامور لوگ گزرے ہیں اور جنہوں نے انسانیت کو اپنی تحقیقات سے بہرہ مند کیا ہے۔ ان کی اکثریت خداوند تعالیٰ کے وجود کی قائل رہی ہے۔ ان میں سے بعض کے خیالات کو یا تو غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے یا لوگوں کو انہیں سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ انکارِ خدا تو اندازِ فکر کے منافی ہے جس کے مطابق ایک سائنس دان سوچتا اور تحقیق کے میدان میں آگے بڑھتا ہے اور اپنے کام کا آغاز ہی اس بنیادی تصور سے کرتا ہے کہ کوئی مشین، مشین ساز کی قوتِ فکر و عمل کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔ وہ معلوم و معروف حقائق سے استدلال کرتا ہے اور عزم و یقین کی دولت لیے ہوئے تجربہ گاہ میں داخل ہوتا ہے۔

سائنسدانوں کی معتدبہ تعداد نئے نئے حقائق کی گرہ کشائی میں جن مصائب اور تکالیف سے دوچار ہوتی ہے انہیں برداشت کرنے میں عام طور پر علم کی محبت، نوعِ بشر اور اپنے خالق کی محبت کا جذبہ بھی کار فرما ہوتا ہے۔

(خدا موجود ہے)

سائنس کا دائرہ کار اور حدود کہاں تک ہو سکتے ہیں؟

یہ تو سب جانتے ہیں کہ سائنس کا دائرہ کار محسوسات اور مادیات ہیں۔ اس کا علم صرف ان اشیاء تک محدود ہے جو کسی طرح ہمارے حواس اور مشاہدات میں آسکتی ہیں۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی محسوساتِ ظاہرہ میں سے نہیں تو سائنسی آلات سے اس کا ادراک کس طرح ممکن ہے؟ البتہ ازروئے عقل اللہ تعالیٰ کا وجود صاف اور واضح طور پر ثابت ہے۔

سائنس کی بے بسی کے بارے میں چند چوٹی کے سائنسدانوں کے اعترافات

۱) فرانس کے مشہور ماہر سائنس پروفیسر لینز اپنی کوتاہی، قصور اور لاعلمی کا اعلان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"کائنات کے آغاز اور انجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں ہے اس لیے ہمارا دائرہ کار ان دونوں سے الگ الگ ہے۔"

۲) جے ڈبلیو این سیلون صاف اقرار کرتا ہے کہ زندگی، جو انسان کی سب سے زیادہ قریب حقیقت ہے۔ سائنس اس کی کیفیت، نوعیت اور ماہیت وآغاز کے ادراک سے قاصر ہے اور انسان کے گہرے مسائل سائنس کی سرحدوں سے باہر واقع ہیں۔ سائنس تو محض ابتدائی کوشش ہے اور اس کی تمام سچائیاں مشروط ہیں۔ بہت سے سائنسدانوں نے زندگی کے آغاز کا پتہ لگانے کی کوشش کی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اب تک اس کے متعلق علم حاصل نہ ہو سکا۔

۳) تھامس ہنری ہلسلے مزید وضاحت سے عقل وسائنس کے بے دست وپا ہونے پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جب ہم پچھلے زمانے کی طرف مڑ کر دیکھتے ہیں تو زندگی کے آغاز کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں کر سکتے۔

۴) انہی کے ہم نام سائنسدان جولین ہکسلے کو اقرار ہے کہ ہم صرف مظاہر تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور جہاں تک سائنٹیفک تحقیقات کا تعلق ہے ہمارا علم صرف مظاہر کی تشریح وترجمانی کرتا ہے۔

۵) پروفیسر گیلر اعلان کرتے ہیں:

ہمارے دماغ کی فطری ساخت ہی اشیاء کی ماہیت اور کیفیت کے ادراک سے عاجز ہے۔ ہم صرف کمیت کا ادراک کر سکتے ہیں۔

۶) پروفیسر ٹنڈل نے سمجھانے کے لیے گھڑی کی مثال دے کر سائنس کے حدود اور اختیارات کا تعین کیا ہے اور کہا ہے بعینہ یہی حال واقعات وحوادثِ فطری کا ہے۔ عالم کی اس مشین کے اندر بھی ایک مخفی مشین کارفرما ہے اور ایک خزانہ قوت ہے جو اس مشین اور ذخیرۂ قوت سے پردہ ہٹا کر یہ بتاتا ہے کہ واقعات اور حوادث انہی دونوں کے باہمی تعلق کا نتیجہ ہیں، لیکن کارخانۂ عالم کی یہ اندرونی مشین خود کیا ہے؟ یہ کیسے بنی ؟اور گھڑی کو کس نے چالو کیا؟ اور اس کو چلانے والی قوت کہاں سے آئی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب سائنس کے بس سے باہر ہے۔

۷) وائن۔یو آلٹ (ماہر ارضیائی کیمیاء) کہتے ہیں کہ:

دورِ جدید میں سائنس کا دائرہ کار وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے، مگر خدا کی ہستی کا ثبوت خاص سائنٹفک بنیادوں پر فراہم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا مادہ اور توانائی کا مجموعہ نہیں، وہ لامحدود ہے اس لیے محدود ذہن اس کا ادراک نہیں کر سکتا، اسی طرح وہ تجربات و مشاہدات کی محدود دنیا میں سما بھی نہیں سکتا۔ ایمان باللہ سراسر ایک داخلی کیفیت ہوتی ہے جو اگرچہ اعتقاد کی صورت میں ظاہر ہے، اس کے لیے سائنیٹفک وجوہ فراہم کی جاسکتی ہیں۔ علتِ اولی کی شہادت خالقِ کائنات کے وجود کو ثابت کرتی ہے، ایمان یا اعتقاد کوئی ایسی اجنبی چیز نہیں جس سے انسان قطعی طور پر نامانوس ہو اس کا ہر سائنسدان سہارا لیتا ہے۔ حیاتِ انسانی اتنی مختصر ہے کہ وہ خود ہر تجربہ کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ عام طور پر انسان چند تجربات کر کے قدرت کے ان مظاہر کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے جو بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور باقی معاملات میں وہ اپنے سے بیشتر سائنسدانوں پر اعتماد کر لیتا ہے۔ انسان نے جو کچھ علم حاصل کیا ہے وہ ماضی کے تجربات کا نچوڑ ہے۔ مثال کے طور پر بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہوں نے روشنی کی رفتار کو خود ناپا ہو لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ یہ معروف مستقلہ Known Constant ہے۔ اسی طرح سائنس دان مفروضات کی صحت تسلیم کر کے آگے بڑھتے ہیں۔ کون ہے جس نے سالمات کی اجابی لہروں اور سلبی لہروں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ہم انہیں محض ان کے اثرات سے پہچانتے ہیں۔ پھر ستاروں اور سیاروں کی ساخت اور کہکشاں میں ان کے مقامات کا یقین اور ان کے باہمی فاصلوں کا اندازہ یہ سب بالواسطہ تجربات اور مشاہدات کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ایک فرد کو اس قسم کی بہت سی چیزوں پر ایمان لانا ہی پڑتا ہے مگر یہ ایمان افراد سے اندھی تقلید کا مطالبہ نہیں کرتا ہے اس کی صحت کو آثار و شواہد سے اچھی طرح جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے۔

سائنسدان وجودِ باری تعالیٰ سے انکار نہیں کرتے

یہ صرف نمونے کے چند اقتباسات ہیں جن سے سائنس کے دائرۂ کار پر روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی سائنس دان اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار نہیں کرتا۔ البتہ بعض سائنس کی رواجی تعلیم پانے والے نام نہاد مفکرین اللہ تعالیٰ کے بارے میں صرف لاعلمی کا اظہار تو کرتے ہیں، لیکن اس کے وجود کا انکار نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے پاس اس کے لیے کوئی گنجائش ہے کیونکہ کسی چیز سے انکار علم کی بنیاد پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نہ ہونے پر کوئی علمی دلیل نہیں ہے، اسی طرح کسی چیز کو بالمشاہدہ نہ دیکھ سکنا اس بات کی

دلیل ہی نہیں کہ اس کا وجود نہیں ہے مثلاً ہم کسی عمارت کو دیکھتے ہی سمجھ جاتے ہیں کہ اس کا بنانے والا ہے لیکن یہ کہ وہ بنانے والا گورا ہے یا کالا؟ اس کی قد و قامت کیا ہے؟ اس کی شکل وصورت کیسی ہے؟ اور وہ کہاں رہتا ہے؟ ان سارے سوالات کا جواب نہ معلوم ہونے کی وجہ سے عمارت بنانے والے کا وجود غیر سائنٹیفک اور مشکوک نہیں ہو جائے گا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ عقل سے اتنی ہی بات معلوم ہو سکتی ہے جہاں تک عقل کی رسائی ہو بنانے والے کی صفات، حکمتیں اور مقاصد بھی سمجھ میں آجاتے ہیں۔

اسی طرح ہم نے جب عجیب وغریب کائنات کو دیکھا جس میں حکمتوں کی کوئی انتہا نہیں، فلاسفہ اور سائنس دان اس کائنات کی اشیاء اور عجائبات کی حکمتیں بیان کرتے کرتے تھک گئے۔ ان سب نے مل کر ماضی سے اب تک جس قدر قوانین قدرت کو معلوم کیا ہے اس کو غیر معلوم شدہ کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں ہے جو قطرہ کو سمندر سے ہے اور ان کے قوانین لامحدودیت کی بنا پر ہی سائنس کی ترقی جاری ہے، ورنہ یہ ترقی کب کی رک جاتی۔ پس اس پُر حکمت کائنات کو دیکھنے کے بعد یقینی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کو بنانے والی کوئی ایسی ہستی ہے جو کمال و قدرت والی ہے اور یہ نتیجہ عقل کے تقاضہ کے عین مطابق ہے۔

البتہ اس قادر و قیوم کی حقیقت اور کنہہ اور اس کے تمام اوصاف کا مکمل ادراک ہمارے حواس سے خارج ہے، ہم اس کے ادراک سے عاجز و قاصر ہیں۔ مادہ جس کو مادہ پرست تمام کائنات کی اصل مانتے ہیں اور جو ہر وقت مشاہدے و مطالعے میں ہے ہم تو اس کی حقیقت سے بھی ناواقف ہیں۔ عقل وحیات جو علومِ طبعی کا موضوع ہیں ان کے اسرار و حقائق ماہرین کو حیران و سرگردان کیے ہوئے ہیں۔ بڑی بڑی طویل اور ضخیم کتابیں ان مسائل پر تصنیف کر ڈالیں، مگر حقیقت تک رسائی کسی ماہر کی نہیں ہو سکی۔ محققین اور ماہرین طبیعات خالقِ اشیاء معلوم کرنے میں سرگرم ہیں اور جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں مزید تحقیق اور تجربہ اس کو غلط ثابت کر دیتا ہے۔ جب عقل وسائنس اپنے دائرۂ کار یعنی محسوسات اور مشاہدات کے سارے حقائق معلوم کرنے سے قاصر ہیں تو خداوندِ قدوس کی حقیقت اور اس کی ذات کی باریکیوں تک ان کی رسائی کیسے ہو سکتی ہے جو کہ ان کے دائرۂ کار سے باہر اور بالاتر ہے۔ عقل وسائنس کی کمزوری، عجز اور درماندگی ظاہر ہے۔

عقل اور سائنس خود مادی اشیاء کی حقیقت پالینے سے قاصر ہیں

یہ کتنی حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ بعض جاہل محض اس بنا پر اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتے ہیں کہ

اس کی حقیقت تک رسائی نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا وجود روزِ روشن سے زیادہ واضح اور کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ اس کی ذات کے اسرار سائنس کے دائرۂ کار سے ماوراء اور خارج ہیں۔ ان جہلا کو اچھی طرح معلوم ہے کہ سائنس اور عقل تو خود مادی اشیاء کی مکمل حقیقت تک بھی رسائی نہیں رکھتے لیکن جب کبھی سائنس مادے کے بارے میں کسی سوال کا جواب دینے سے قاصر ہو تو اس وقت یہ لوگ آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور ہر قسم کی احمقانہ تشریح کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ حالانکہ سائنس نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ وہ مادہ جو ایک سو سے زیادہ عناصر میں تقسیم ہے کہاں سے آیا؟ اس کا کوئی خالق تھا یا نہیں؟ اس کے وجود میں لانے کے لیے کسی دوسرے مادے میں دھماکا ہوا تھا یا نہیں؟ آخر اس کی تخلیق کیسے ہوئی؟ پھر سالمات کیسے وجود میں آئے؟ اور پروٹان الیکٹران اور نیوٹران کیسے بن گئے اور ان میں برقی خصوصیات (مثبت و منفی برق) کہاں سے آگئیں؟ اور ان کی تیز رفتار گردش کس طرح کس وجہ سے قائم ہوئی؟ پھر پروٹان نیوٹران اور الیکٹران کا آپس میں جوڑ اور تعلق کس طاقت نے قائم کیا ہے؟ اور اگر یہ عناصر کی ساخت جیسی ہے ایسی نہ ہوتی تو یہ آپس میں مرکبات کیسے بناتے؟ اور جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ کیسے پیدا ہوتی ہیں؟ وہ کون سی قوت ہے جس نے جوہروں کو اس طرح کی ترتیب دی؟ آخر وہ کون سی طاقت ہے جس نے چاند، سورج، زمین اور دیگر سیاروں، ستاروں کی حرکت پر ایسی کڑی بندش اور نگرانی رکھی ہوئی ہے کہ کروڑوں سال گزرنے کے باوجود ان کی محوری اور مداری گردش و حرکت میں کچھ فرق نہیں آیا؟ کون سی طاقت ہوا کو اپنے اپنے راستوں پر ٹھیک ٹھیک چلاتی ہے؟ اسی طرح سائنس ہمیں یہ نہیں بتا سکتی کہ ابتدائی مادہ میں حرکت کیسے اور کیوں پیدا ہوئی؟ اور اندھے بہرے لاشعور مادے میں حیات کس طرح اور کہاں سے آئی؟ اور مادہ حیات سے خلیے کیوں وجود میں آئے اور پھر ایک خلیہ سے اربوں خلیے کس طرح بن جاتے ہیں اور ان کے مجموعہ سے ایک مخصوص شکل یا عضو کیوں بن جاتا ہے؟ خلیوں کو جدا کرنے والی دیواریں کس نے بنائیں؟ ان میں مادہ حیات کو حرکت دینے والی قوت کہاں سے آئی؟ اور ہر خانہ میں مادۂ حیات کی حرکت جو اتنی ترتیب کے ساتھ ہے کہ اچھی سے اچھی گھڑی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی کوئی سائنس گزیدہ یہ بتا سکتا ہے کہ یہ نظم و ضبط کیوں قائم ہے؟

اسی طرح خلیہ جین (GENE) کا مسکن ہے، یہ جین تمام زندہ اشیاء کے خلیوں میں موجود ہوتے ہیں اور ان اشیاء کی ساخت، صفات اور ان کی موروثی خصوصیات کے امین ہوتے ہیں، جین نہایت ہی چھوٹے چھوٹے اجسام ہوتے ہیں جو اپنے ان گنت اسلاف کی جملہ جسمانی وراثت ان کی ذہنی، روحانی اور نفسیاتی

خصوصیات اپنے وجود میں بحفاظت بر قرار رکھتے ہیں، مگر آخر وہ کیا چیز ہے جو محفوظ رکھی جاتی ہے اور وراثت کی شکل میں آگے نسلوں کو منتقل کر دی جاتی ہے؟ وراثت سے متعلق اتنی صحیح ہدایات کس طرح اپنے اندر محفوظ رکھ لیتے ہیں اور اس کو اتنی باریکی اور صحت کے ساتھ تخلیقی عمل کی ہدایات کہاں سے ملتی ہیں؟

سائنس ان معمولی معمولی سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہے اور سائنس ہمیں یہ بھی نہیں بتا سکتی ہے کہ غم اور مسرت، محبت اور نفرت وغیرہ کی کیا حقیقت ہے؟

اسی طرح بے شمار سوالات ایک ایک ذرے پر وارد ہو سکتے ہیں جن کے جواب میں ہم سائنس کو خاموش پائیں گے۔ اب اس سے زیادہ جاہل اور احمق کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ کا انکار صرف اس وجہ سے کرے کہ سائنس کے تجربات کو وہاں تک رسائی نہیں ہے حالانکہ سائنس کو یہاں خاموش رہنا ہی زیبا ہے کیونکہ وجودِ باری تعالیٰ اس کے دائرۂ کار سے بالاتر اور ماوراء ہے۔

اسی لیے مولن گرانٹ سمتھ ماہر ارضیات و فلکیات کہتے ہیں کہ:

فطرت ایک مقدر اصول کے مطابق کام کرتی ہے، نئے نئے قوانین معلوم ہوتے جارہے ہیں۔ تحت الجواہر حقائق کے قوانین بھی معلوم کیے جارہے ہیں اور وہ اصول بھی انسانی علم میں آرہے ہیں۔ جن کے تحت ماورائے کہکشاں اجرامِ فلکی کا ربط باہم قائم ہے۔ ان (قوانین) کی دریافت کے لیے انتہائی فاضل لوگوں کی مساعی درکار ہی ہیں، لیکن ہم یہ اصول محض دریافت کر رہے ہیں۔ ورنہ یہ تو بذاتِ خود اتنے ہی قدیم ہیں جتنی کہ خود کائنات۔ کیا ہم اس نظریئے کو قبول کر لیں کہ ان سب کی ابتداء محض مادے سے ہوئی ہے یا ان کی تعداد، ان کی اکثریت، ان کی باہم موافقت و قوانین کسی ایسی ہستی نے بنائے ہیں جو ہماری اس کائنات سے بالا ہے۔ میری معمولی سمجھ بوجھ کے مطابق اس کا قابلِ قبول جواب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ تمام قوانین قانون ساز کی موجودگی کی شہادت دیتے ہیں جن کو میں پھر خدا کہہ کر پکارتا ہوں۔ ("خدا موجود ہے۔" کلوروموننزا)

ذرا اپنی آنکھ میں غور کر کے عبرت حاصل کیجیے

اگر انسان صرف چھوٹی سی آنکھ میں غور کر لے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے وجود پر کافی شافی دلیل موجود ہے۔ آنکھ کا ہر حصہ کیمرے کی پلیٹ کی طرح ہے جسے محفوظ رکھنے کے لیے ایک سخت جلد ارد گرد لگا دی جاتی ہے یہیں سے تار دماغ کو جاتے ہیں۔ جب کوئی چیز اس حصے پر منعکس ہوتی ہے تو ان تاروں کے ذریعے دماغ

میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور وہ دیکھتا ہے۔ دیکھنے کا کام دماغ کرتا ہے، آنکھ صرف آلۂ بصارت ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ تار بے کار ہو جائیں تو آنکھ بصارت سے محروم ہو جاتی ہے۔ آنکھ میں ساتھ پردے ہیں جن کے مختلف کام ہیں مثلاً مشیمیہ وصلیہ وریدوں کے ذریعے آنکھ کو غذا بہم پہنچاتے ہیں۔ عنکبوتیہ رطوبت کی حفاظت کرتا ہے۔ عنبیہ صورمر سومہ کو محفوظ رکھتا ہے۔ ملتحمہ آنکھ کو اصلی ہیئت پر قائم رکھتا ہے۔ اور وہ عصب جن پر باریک تاروں کا جال بچھا ہوا ہے محسوسات کو دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ پلکیں غبار اور تیز روشنی کو روکتی ہیں اور پپوٹا رومال اور برش کا کام دیتا ہے۔

آنکھ کے آخری طبقے میں لاکھوں تہیں اور کروڑوں ستون ہیں جسے مولانا اظہر جلیل بجنوری صاحب نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس کو کچھ مختصر کر کے نقل کیا جاتا ہے۔ آنکھ کی بناوٹ بالکل کیمرے کی طرح ہے۔ جس طرح کیمرے میں سامنے کی طرف ایک عدسہ لینز اور پیچھے حساس پلیٹ ہوتی ہے۔

آنکھ میں بھی سامنے کی طرف ایک عدسہ ہوتا ہے اور پیچھے پردہ شبکیہ۔ جب ہم کسی چیز کو دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی شعاعیں عدسہ پر پڑتی ہیں۔ عدسہ ان تمام کرنوں کو پردہ شبکیہ پر منتقل کر دیتا ہے۔ اس پردے سے بہت سے تار دماغ کو جاتے ہیں انہی تاروں کے ذریعے تصویر دماغ تک پہنچ جاتی ہے اور دماغ اس کو پہچان لیتا ہے۔

حفاظت کا سامان

۱) آنکھ استخوانی خول میں محفوظ رہتی ہے۔

۲) کرۂ چشم کی حفاظت کے لیے چربی کی تہیں رکھی جاتی ہیں۔

۳) سامنے کے رُخ پر کرہ چشم ایک پتلی اور نازک سی جھلی میں لپٹا ہوتا ہے جسے ملحقہ جھلی کہتے ہیں جو پپوٹوں تک پھیل گئی ہے۔

۴) پپوٹوں میں بہت سے غدود ہیں جن میں رطوبت بھری رہتی ہے یہی رطوبت رطوبت ملحقہ جھلی پر گرتی ہے اس رطوبت ہی کی وجہ سے آنکھیں چکنی رہتی ہیں۔

۵) پپوٹوں کے غدود میں آنسوں کا غدہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔

۶) اس خول میں ایک تھیلی ہے آنسوں کی غدی سے جو رطوبت نکلتی ہے۔ ملحقہ جھلی پر گرتی ہے اور اس کو چکنا کرتی ہے اور پھر اندرونی غار میں جا کر اس تھیلی میں جمع ہو جاتی ہے۔

۷) اس تھیلی کے نچلے سرے پر ایک سوراخ ہوتا ہے جو ناک کی نلی سے متعلق ہے یہ نالی ایک شگاف کے اندر چلی جاتی ہے جو آنسوں کی ہڈی میں ہوتا ہے جو رطوبت نکلتی ہے اسی نالی کے ذریعے خارج ہو جاتی ہے۔ تکلیف یا غم کی صورت میں اس میں سے اتنی رطوبت نکلتی ہے کہ اس کے لیے یہ نالی کافی نہیں ہوتی تو پپوٹوں سے خارج ہونے لگتی ہے اور اس کو رونا کہتے ہیں۔

۸) سامنے کی جانب دو پپوٹے ہیں، ان پپوٹوں ہی کی وجہ سے آنکھیں باہر کے خطرات سے محفوظ رہتی ہیں۔

۹) پپوٹوں کے کناروں پر بالوں کا ایک سلسلہ چلا گیا ہے، یہ سلسلہ نہ صرف پپوٹوں کی مدد کرتا ہے بلکہ آنکھوں کی خوبصورتی بھی بڑھاتا ہے۔

۱۰) کرۂ چشم کے پیچھے ایک موٹا سا تار موجود ہے جس کو عصبِ بصارت کہتے ہیں۔

۱۱) کرۂ چشم کی دیواریں تین تہوں سے بنائی گئی ہیں:

بیرونی پردہ　　　عروقی پردہ　　　ذی حس پردہ

بیرونی پردہ

کرۂ چشم کے پیچھے 5/6 حصے میں غلاف سفید موٹا اور غیر شفاف اور اگلے 1/6 حصے میں بالکل شفاف ہے جو کورنیا (Corina) کہلاتا ہے۔

سیاہ پردہ کورنیا کے پیچھے واقع ہے۔ اس کی بیرونی سطح کے ساتھ چھ عضلات چمٹے ہوئے ہیں جن میں چار سیدھے اور دو ٹیڑھے ہیں۔ یہی عضلات آنکھوں کو گھمانے اور نیچے یا دائیں بائیں کرنے میں مدد دیتے ہیں ان کو ریکٹس (Ractus) کہا جاتا ہے۔

پردۂ عروقی

یہ پردہ بیرونی پردے کے ساتھ اچھی طرح چمٹا ہوا ہے۔ اس کے اندر خون کی رگیں بکثرت پائی جاتی ہیں اس لیے اس پردے کا نام پردۂ عروقی ہو گیا ہے۔ اس میں سیاہ رنگ کا مادہ بھی کافی مقدار میں موجود ہوتا ہے۔ یہ اس روشنی کو جو باہر سے داخل ہوتی ہے کنٹرول کرتا ہے اور باقاعدہ بناتا ہے۔ اس غلاف کے بھی تین حصے ہیں۔

پہلا حصہ بیرونی پردہ سے ملا ہوا ہے۔ دوسرا عروقی پردے کے بالمقابل اور کورنیا کے پیچھے واقع ہوتا ہے اس کو رنگین پردہ کہتے ہیں۔ تیسرا اس کے درمیان میں ایک سوراخ ہوتا ہے جسے پتلی کہا جاتا ہے۔ رنگین

پردہ میں بھی دو قسم کے عضلات پائے جاتے ہیں۔

(۱)متحد المرکز عضلات۔(۲)نصف قطری عضلات۔

یہ عضلات آنکھ کی پتلی کا سائز کم وبیش کرتے رہتے ہیں جب یہ عضلات سکڑتے ہیں تو پتلی پھیل جاتی ہے اور جب پھیلتے ہیں تو پتلی سکڑ جاتی ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ یہ سب کام خود کرتے ہیں۔ یہ کسی کی ہدایت کے منتظر نہیں ہوتے جب روشنی زیادہ ہوتی ہے تو پتلی سکڑ جاتی ہے اور جب کم ہوتی ہے تو پھیل جاتی ہے۔

کیا دماغ کو باخبر رکھنے کی اس خود کار مشین کا جواب ممکن ہے؟

ذی حس پردہ

یہ سب کے اندر کا غلاف ہے۔ یہ غلاف عروقی پردے پر استر کا کام دیتا ہے جس جگہ یہ پردہ واقع ہے وہاں بھی ایک لیس دار رطوبت بھری رہتی ہے۔

ذی حس پردے کی بھی کئی تہیں ہوتی ہیں۔

کرہ چشم میں دو چھوٹے چھوٹے خانے ہوتے ہیں اور دونوں دقیق مادے سے بھرے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک پانی کی طرح رطوبت ہوتی ہے اور دوسری میں لیس دار یہ خانے شعاعوں کو ذی حس پردے پر اس طرح ڈالتے ہیں کہ ذی حس پردے میں عکس پیدا ہوتا ہے۔ کرۂ چشم میں یہ انتظام بھی کیا گیا ہے کہ اگر ترچھی یا دھندلی تصویر سامنے آئے تو اس کو صاف بنا کر ذی حس پردے پر لایا جائے۔

رطوبتیں

آنکھ میں تین قسم کی رطوبتیں پائی جاتی ہیں جو قرینہ کے پیچھے انگوری پردہ(عنبیہ) کے سامنے اور پیچھے کے خانے میں بھری ہوتی ہیں۔

بلوری رطوبت

یہ ایک جھلی کے غلاف میں بند انگوری پردے کے پیچھے ہوتی ہے۔ یہ رطوبت شفاف اور بے رنگ ہوتی ہے۔ جس سے روشنی گزر سکتی ہے۔

زجاجی رطوبت

یہ پگھلے ہوئے کانچ کی مانند ایک صاف شفاف گاڑی اور لیس دار رطوبت ہے جو ایک باریک جھلی میں

ملفوف ہو کر رطوبت کے پیچھے اور پردہ شکبیہ کے سامنے آنکھ کے ڈیلے کے 4/5 حصے میں بھری ہوتی ہے۔

آیئے !اس بناوٹ کے ایک ایک ذرے کو دیکھئے! کیا یہ آدمی کو حیرت زدہ اور انگشت بدنداں بنانے کا سامان نہیں ہے؟ آنکھیں دو ہیں لیکن چیز ایک نظر آتی ہے۔ کیا یہ کسی حکیم کی حکمت کا انوکھا کارنامہ نہیں۔ ابھار دار لینز کے ذریعہ جو عکس پیدا ہوتے ہیں وہ الٹے ہوتے ہیں۔ لیکن یہی عکس دماغ میں جا کر پھر سیدھے ہو جاتے ہیں اور ہمیں چیزیں سیدھی نظر آتی ہیں۔ ''سبحان اللہ!''

کہاں ہیں عقل والے جو ان حکمتوں سے پردہ اٹھائیں۔

آنسو

چونکہ بعض چھوٹے چھوٹے راستے آنکھ اور ناک کو ملاتے ہیں اس لیے ہجوم گریہ میں عموماً آنسوں کی کچھ مقدار ناک میں چلی جاتی ہے اور روتے وقت ناک سے بھی نکلنے لگتی ہے۔ آنسو آنکھ کو صاف رکھتے ہیں۔ آنکھ اس لیے بار بار جھپکتی ہے تاکہ آنسو یا معمولی نمی آنکھ کے ہر حصے میں پہنچ سکے۔ آنکھ کا ہر حصہ کیمرے کی پلیٹ کی طرح ہے جسے محفوظ رکھنے کے لیے ایک سخت جلد ادھر ادھر لگا دی گئی ہے۔ لینز سے تار دماغ کو جاتے ہیں جب کوئی چیز اس حصے پر منعکس ہوتی ہے تو ان تاروں کے ذریعے دماغ میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور وہ دیکھتا ہے اور دیکھنے کا کام دماغ کرتا ہے۔

اسی طرح انسان کا پورا وجود ہی راز ہے ہر عضو میں عجیب و غریب بناوٹ کو دیکھ کر انسان مبہوت رہ جاتا ہے، اس عجیب و غریب صناعی کو دیکھ کر وہ انسان احمق ہی ہو گا جو یہ کہہ دے کہ یہ سب نوعِ انسانی اور صورتِ انسانی کا ظہور محض مادہ اور نیچر سے خود بخود واقع ہوتا رہتا ہے لیکن عقل و فہم سے کام لینے والے انسان پر روزِ روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ یہ حیرت انگیز کرشمے ایک بے حس و شعور مادہ کی اتفاقی حرکتوں کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ سب عجیب و غریب کرشمے ایک عظیم و علیم کی قدرت و حکمت ہے۔ (کائنات کی گواہی:۳۸۸ تا۳۹۲)

امپیریل کالج آف سائنس (لندن) کے ایک پروفیسر مسٹر ولیم ایک دفعہ انسانی کان کے ساخت پر غور کر رہے تھے۔ الٰہی صناعی کے حیرت انگیز کمالات سے مرعوب ہو کر چلا اٹھے۔

"He who planted ears. Shall he not hear?"

جس اللہ نے کان ایجاد کیے ہیں کیا وہ خود صفتِ سمع سے محروم ہے؟

لندن یونیورسٹی کے ماہر علم التشریح پروفیسر ڈیوڈ مدیسر نے اللہ جانے انسانی بدن میں الٰہی تخلیق کے کیا شعبدے دیکھے کہ مبہوت ہو کر بول اٹھا۔

"Our minds are overwhelmed by immensity and majestynature"

"عظیم فطرت کے لامتناہی جلال و جبروت کو دیکھ کر میرا دل ڈوب رہا ہے۔"

الیکسس کیرل اپنی کتاب "انسانی راز" میں لکھتا ہے کہ:

وہ لوگ جو زندگی اور کائنات کے راز کو معلوم کرنے کے لیے نکلتے ہیں گویا ایک تاریک جنگل میں بھٹک گئے ہیں۔ یہ جنگل ایک طلسم خانہ معلوم ہوتا ہے جس کی ہر چیز اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے، ایسے حقائق کے وزن نے ان کو کچل کر رکھ دیا ہے جن کو وہ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں لیکن ان کو محض اندازے کے طور پر بیان کر سکتے ہیں۔ صحیح اعداد و شمار بیان کرنا ان کے لیے ناممکن ہے۔ یہ کائنات کی دوسری چیزوں کا ذکر ہے لیکن خود انسان اور اس کے متعلقہ علوم ابھی تک خاطر خواہ ترقی نہیں کر سکے۔ انسان ایک ایسی ناقابلِ تقسیم اکائی ہے جو انتہائی پیچیدگیاں اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے، اس کو آسانی اور سادگی سے بیان کر دینا ناممکن ہے۔ اگرچہ ہمارے پاس سائنسدانوں، فلسفیوں، شاعروں اور صوفیوں کے اقوال و تجربات کے بڑے قیمتی ذخائر موجود ہیں لیکن ہم ابھی تک انسانی زندگی کے صرف چند پہلوؤں کو نامکمل طریقے پر سمجھ سکتے ہیں۔ ہم انسان کو مجموعی طور پر ابھی تک نہیں سمجھ سکے، اس کے کچھ اجزاء ہماری سمجھ میں آئے ہیں۔ مثلاً ہم انسان کے ذہن اور اس کے کام کرنے کے طریقے کو اس کی روح کو اور اس کے بروئے کار آنے کے ذرائع کو اور ان دونوں کے آپس کے تعلقات کو ابھی تک نہیں سمجھ سکے ہیں۔

ہم نہیں جانتے کہ اخلاق و انصاف اور جرأت کے جذبات کیسے اور کہاں سے پیدا ہوتے ہیں؟ ہم مصنوعی طریقے سے کسی شخص کے دل میں مسرت اور اطمینان پیدا نہیں کر سکتے۔ ہم نہیں جانتے کہ زندگی اور موت کیا ہے۔ ہم کسی چیز کو موت سے نجات نہیں دلا سکتے۔

فلکیات کا حیرت انگیز نظام

فلکیات کی وسعت اور حیرت انگیزی کا اندازہ (اتنے بڑے آسمان پر بے شمار اجرام فلکی کو چھوڑ

کر)صرف اس باریک سفید دھاریاراستہ سے کیجیے جو آسمان پر ایک طرف سے دوسری طرف تک بنا ہوا نظر آتا رہے جسے کہکشاں کہتے ہیں، صرف اسی میں بے شمار تارے موجود ہیں۔ ایک ایک تاراسورج سے لاکھوں گنا بڑا ہوتا ہے جب کہ سورج خود ہماری زمین جیسی تقریباً لاکھ زمینوں کے برابر ہے، ان تاروں میں بعض اپنی جگہ پر قائم نظر آتے ہیں اور بعض اپنے اپنے محور کے گرد گھومتے معلوم ہوتے ہیں۔ کہکشاں کے قطر کا اندازہ ایک لاکھ نواسی سال لگایا گیا ہے۔ روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چل کر ایک سال میں جتنا فاصلہ طے کرتی ہے اسے ایک نوری سال کہتے ہیں۔ اس سے آپ اس چھوٹی سی کہکشاں کی بے پناہ وسعت کا تصور کیجیے اور کائنات میں کروڑوں کی تعداد میں کہکشائیں ہمارے محدود علم کے مطابق موجود ہیں۔ پھر ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کا باہمی فاصلہ دس لاکھ نوری سال سے لے کر پندرہ کروڑ نوری سال تک لگایا گیا ہے۔ کائنات کی وسعت، عظمت اور شان و شوکت کو دیکھ کر خالقِ کائنات کی قدرت کا اندازہ لگائیے۔ کیا یہ عظیم الشان نظام بغیر کسی منصوبے اور مقصد کے عمل اور وجود میں آسکتا ہے؟ یہ تو صرف معلوم شدہ حقائق ہیں جن کو غیر معلوم شدہ حقائق سے ایسی نسبت ہے جیسے کہ قطرے کو سمندر سے۔

ٹریفک یا ریلوے کے حادثات کو دیکھیے! جب کہ گاڑیوں کو چلانے والے بہترین ڈرائیور بھی موجود ہیں اور ٹریفک کنٹرولر وغیرہ بھی اور سب کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کہیں حادثہ نہ ہونے پائے لیکن پھر بھی روزانہ گاڑیوں اور کاروں کے تصادم ہوتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف نظر دوڑایئے کروڑوں عظیم الشان کُرّے فضا میں بجلی کی طرح گھوم رہے ہیں نہ کوئی سگنل دینے والا نظر آتا ہے اور نہ ہی ٹریفک والا اور نہ ان میں کوئی ڈرائیور دکھائی دیتے ہیں لیکن پھر بھی یہ نظام بہترین صحت کے ساتھ چل رہا ہے۔

ایک محقق سیسل باٹس ھامان کہتا ہے۔

جب ہم آسمان پر نظر دوڑاتے ہیں تو لاتعداد ستاروں کو ایک نظام میں منسلک دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ کسی ایک رات، کسی ایک موسم، کسی ایک سال نہیں، بلکہ ان گنت صدیوں سے فضائے بسیط میں معلق یہ گیندیں ایک معین مدار پر گردش کرتی چلی جارہی ہیں۔ وہ اپنے مداروں پر ایسے نظم کے ساتھ آتی جاتی ہیں کہ ان کے گہن کا صدیوں پیشتر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کیا قدرت کے یہ کہکشانی وجود فضا میں بے مقصد ہی گھومتے پھر رہے ہیں۔ اگر یہ کسی ضابطے کے پابند نہ ہوتے تو انسان سمندروں کو عبور کرنے کے لیے انہیں کیوں رہنما تسلیم

کرتا، انسان خدا کے وجود کا اقرار کرے یا نہ کرے مگر وہ اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہے کہ یہ کواکب بہر حال ایک لگے بندھے ضابطے کے پابند ہیں اور فضا میں یوں ہی آوارہ و سرگرداں نہیں۔ اسی وجہ سے ان پر کسی حد تک اعتماد بھی کیا جا سکتا ہے۔(کلورومونزا)

پھر جتنے سماوی کُرّے ہیں سب کے سب باقاعدہ اپنی اپنی ڈیوٹیوں کے پابند رہتے ہیں اور ہر ایک جدا جدا بے شمار خاصیتوں کا حامل ہوتا ہے۔

ایک نظر چاند پر

ہم یہاں صرف ایک ہی سیارے یعنی چاند کو لیتے ہیں جو زمین سے قریب ترین سیارہ ہے جس میں خود روشنی نہیں بلکہ سورج سے روشنی مستعار لے کر ہماری راتوں کو خوشنما بناتا ہے۔ یہ چاند زمین کے گرد دن گھنٹے اور منٹ میں ایک چکر لگاتا ہے چونکہ چاند زمین کے ساتھ گھومتا ہے اس لیے قمری مہینہ دن گھنٹے اور منٹ کا ہوتا ہے۔ اصل نیا چاند عین ہمارے اور سورج کے درمیان ہوتا ہے اس لیے سورج کی روشنی کی وجہ سے اس کا روشن حصہ دوسری جانب ہوتا ہے اور سیاہ حصہ ہماری طرف ہوتا ہے۔ جب چاند اپنے مدار میں آگے بڑھتا ہے تو اس کا تھوڑا سا نچلا حصہ سورج کی روشنی کی وجہ سے چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور یہی نیا چاند ہمیں کبھی ۲۹ اور کبھی ۳۰ دن کے بعد نظر آتا ہے۔ چاند سورج سے مشرق کی جانب درجے کے حساب سے ہٹتا جاتا ہے۔ یعنی ایک گھنٹے میں تقریباً نصف گھنٹے کا فرق پڑتا ہے۔

بارہ دن اٹھارہ گھنٹے گزرنے کے بعد سورج کے بالکل مخالف سمت میں آتا ہے یعنی ایسے وقت میں کہ اگر سورج غروب ہو رہا ہے تو چاند طلوع ہو رہا ہو گا اور اگر سورج افق سے بیس درجے بلند ہو تو چاند افق سے بیس درجے پستی میں ہو گا۔ اسی طرح ہٹتے ہٹتے یہاں تک کہ کچھ وقت اُوجھل رہنے کے بعد پھر اس کا کم از کم روشن حصہ دکھائی دیتا ہے اور پھر بتدریج روشن حصہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ چاند ہمیں خبردار کر دیتا ہے کہ آج مہینے کی پہلی تاریخ ہے، آج دوسری، اسی طرح تیسری یا چوتھی تاریخ ہے اور صرف یہی نہیں کہ چاند ہمیں روز و شب کا حساب بتلا رہا ہے یا ہماری عمر کے ماہ و سال سے پردہ ہٹا رہا ہے بلکہ اپنی گردش سے سمندر میں مد و جزر برپا کر کے اس کی دائمی خرابیوں کو روک لیتا ہے اور زمین والوں کی زندگی میں بے شمار سہولتیں بھی مہیا کر رہا ہے۔ اگر چاند معین مقدار سے قریب تر ہو جائے تو زمین پر رہنا مشکل ہو جائے۔ ہمارے سمندروں سے پہاڑوں جیسی لہریں اٹھتیں اور ہمارے میدانوں میں پھیل جاتیں۔ اور ہواؤں میں شدید طوفان رہتا۔

ذرا سوچئے تو سہی! آخر کون ہے جو ان سیاروں اور ستاروں کو آپس میں ٹکرانے سے باز رکھتا ہے اور وہ کون ہے جس نے ان کو اپنے اپنے فرائض سونپ کر ان کو جدا جدا خاصیتوں کا حامل بنا دیا ہے؟

کیا انسان کا وجدان یہ باور کر سکتا ہے کہ یہ عظیم کارنامہ خود بخود وجود میں آ گیا ہے؟ یہی کائنات صاحبِ بصیرت کے لیے ایک صاف و شفاف آئینہ ہے جس میں غور و فکر کرنے سے خدائے ذوالجلال کی بے انتہا کبریائی دیکھ سکتا ہے۔

اسی لیے مارلن میکس کریدر اماہر عضویات خدا کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

جہاں تک وجودِ باری تعالیٰ کے شواہد کا تعلق ہے اس کا سب سے پہلا ثبوت نظام کائنات ہی میں ملتا ہے۔ ایک ایسی کائنات جس میں مختلف فطری قوتیں پوری باضابطگی سے مصروفِ عمل ہیں اور ہر چیز میں ایسا نظم اور ایسی باقاعدگی ہے کہ اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ نظم و ضبط کسی ناظم کے بغیر بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ باضابطگی اس درجہ ہے کہ سیاروں کی نقل و حرکت اور یہی نہیں بلکہ اب تو انسان کے خلاء میں پھینکے ہوئے مصنوعی سیاروں تک کے بارے میں پیشگی بتانا ممکن ہو گیا ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہوں گے ایسی باضابطگی رد عمل میں جوہری اور برقی اثرات کے تعامل میں پائی جاتی ہے اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ طبعی تغیرات کے فامولے اور ضابطے حساب کی رو سے متعین کرنا ممکن ہے۔ انسانی فہم اور مشاہدہ کی رو سے اس نوعیت کا نظم و ضبط ایک ناظم و کارفرما ذہن کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا کیونکہ جہاں کہیں کسی کام کے پسِ پردہ کوئی منصوبہ اور اس منصوبے کو ٹھیک ٹھیک عملی جامہ پہنانے والی طاقت موجود نہ ہو ہمارا مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ وہاں نظم و ضبط کے بجائے انتشار اور افراتفری رونما ہو گی۔ ("خدا موجود ہے" ص۵۷ جان کلورومونزا)

عناصر کا حیرت انگیز تناسب

کائنات کی ہر چیز عناصر کی نہایت پُر حکمت اور پیچیدہ آمیزش سے بنی ہوئی ہے۔ عناصر کے خواص و آثار اور ذاتی عوارض یکساں نہیں ہیں۔ بعض عناصر ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں یا جزوی طور پر یکساں خواص رکھتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل متضاد خاصیتوں کے حامل ہیں۔ مختلف اور متضاد اثرات والے عناصر ایک ہی جسم میں جمع ہو کر حیرت انگیز طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اگر ان کی ترکیب میں ذرہ بھر کمی یا بیشی ہو جائے سلسلۂ حیات آناً فاناً درہم برہم ہو جائے۔ اگر پانی کی ساخت میں ہائیڈروجن کا صرف

ایک جوہر کم کر دیا جائے تو دریاؤں اور سمندروں میں زہر کا سیلاب آجائے اور کوئی ذی حیات باقی نہ رہے۔ آخر وہ کون ہے جو متضاد خاصیتوں والے عناصر کو جمع کر کے ایسے تناسب سے یکجا کرتا ہے کہ زندگی کا نظام پھلتا پھولتا رہتا ہے اور اس کے قائم کردہ تناسب میں ذرا سا فرق زندگی کی تباہی و بربادی کا سبب بن سکتا ہے۔ مثال کے طور پر صرف ہوا کو لیجیے۔ ہوا میں عناصر کا تناسب حسب ذیل ہے۔

۱۔ آکسیجن	Oxygen	۹۴۔۲۰ فی صد
۲۔ نائٹروجن	Nitrogen	۰۰۔۷۹ فی صد
۳۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ	CarbonDioxide	۰۴۔۰۰ فیصد
		۹۸۔۹۹ فیصد
ایمونیا	Amonia	نہایت قلیل مقدار
اوزون	Ozone	نہایت قلیل مقدار
کلورورین	Chlorine	۰۲۔۰۰ فی صد
ذرات خاکی		〃
ذرات آبی		〃
دخانی اجزاء		۰۰۔۱۰۰ فیصد

ہوا کی آمیزش میں اس تناسب کو پیشِ نظر رکھا گیا۔ کتنی کثیر مقدار میں ہمارے گرد پھیلی ہوئی ہے، زمین کا کوئی چپہ ایسا نہیں جہاں یہ موجود نہ ہو، ہر جگہ اسی تناسب اور انہی صفات کے ساتھ ملے گی جن کا وجود زندگی کے لیے اشد ضروری ہے۔ ایمونیا و اوزون جو زہریلی یا تیز قسم کی گیسیں ہیں ان کی مقدار ہوا میں صرف اتنی رکھی گئی ہے جس سے فائدہ تو ممکن ہے لیکن نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اگر ہوا میں اوزون کا تناسب بڑھ جائے تو انسانوں اور حیوانوں کا وجود ہی ناممکن ہو جائے اور اگر اسی معمولی مقدار میں کمی آجائے تو عام انسان اور حیوان اندھے ہو جائیں۔ سوچیے تو سہی! ہوا میں اوزون کی اتنی آمیزش کسی حکیم ذات کی حکمت و دانائی کی نشاندہی نہیں کرتی؟

صرف سورج یا دیگر اجرام فلکی کی شعاعیں ہی کرہ ہوائی کو زہریلا نہیں بناتیں بلکہ تمام حیوانات و انسان بھی سانس لینے سے ہوا کو گندہ کرتے ہیں۔ تمام حیوانات آکسیجن جذب کرتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو ہوا

میں چھوڑ دیتے ہیں جو کہ ایک زہریلی اور گندی گیس ہے، پھر جتنی اشیاء جلتی ہیں آکسیجن کو خرچ کرتی ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو فضا میں خارج کر دیتی ہیں۔ اگر گندی ہوا کا عنصر اسی طرح بڑھتا رہتا تو ایک دن آکسیجن ختم ہو جاتی اور زندگی کا وجود خطرے میں پڑ جاتا۔ دنیا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار اتنی بڑھ جاتی کہ جانداروں کا سانس لینا بھی ممکن نہ رہتا۔ خالقِ کائنات نے حیوانات کی بقا کے لیے ایسا انتظام کیا ہے کہ نباتات کے کارخانے کو بغیر کسی مشینی آلات کے کاربن ڈائی آکسائیڈ پھاڑنے پر مقرر کر رکھا ہے۔ وہ آکسیجن کو جدا کر کے حیوانات کے لیے فضا میں چھوڑ دیتے ہیں اور کاربن خود رکھ کر اسے بھی انسان وحیوان کی خوراک کا ایک جز بنا دیتے ہیں۔

اوزون گیس ہوا کی کثافتوں، بدبو اور زہریلے مادوں کے لیے تریاق کا کام کرتی ہے۔ آندھیاں اور طوفان زمین کی ہوا کو ایک طرف سے اٹھا کر دوسری طرف پھینک دیتے ہیں۔ بدبو کثافتیں اور گندے ذرات ایک ہی جگہ پر نہیں ٹھہر سکتے اور تمام کرہ ہوائی میں پھیل کر بے ضرر بن جاتے ہیں الغرض اس کے علاوہ اور بھی قدرتی عوامل ہیں جو ہوا کو صاف کرتے رہتے ہیں۔ اور سب جانداروں کے لیے تازہ اور صاف ہوا ہر وقت ہر جگہ فراہم کرتے ہیں۔

اب مزید غور کریں تو معلوم ہو گا کہ نائٹروجن جانوروں کی اہم غذا ہے۔ اگر یہ براہِ راست جانوروں کے جسم میں پہنچ جائے تو نقصان پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جانوروں تک مفید شکل میں پہنچانے کے لیے پہلے تو اسے نباتات کی غذا بنایا۔ نباتات کو جانوروں کا چارہ بنا دیا اور یوں ان کو اس کے ضرر سے بچا لیا۔ پھر یہی نائٹروجن جانوروں سے Amino Acids یعنی تیزاب کی صورت میں خارج ہو کر نائٹریٹ بن کر پودوں کی خوراک بن جاتی ہے۔ اللہ اللہ اس سارے دور کی برکت سے نہ صرف جانداروں کو غذا ملتی ہے بلکہ ہوا بھی صاف ہوتی رہتی ہے۔

کیا غذا کی یہ تقسیم کسی حکیم کے قائم کردہ نظام کے بغیر ممکن ہے؟ کیا ہوا کی ضروریات کے عین مطابق مقدار، ان میں گیسوں کا تناسب اور اس کی صفائی کا مستقل انتظام کسی قادر اور دانا ذات کے بغیر ایک لمحہ کے بغیر بھی باقی رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!

یہی وجہ ہے کہ ایک مغربی مفکر ان مشاہدات سے وجد میں آکر بے ساختہ لکھتا ہے کہ فطرت نے اس

تقسیمِ عناصر میں کس قدر باریک بینی اور کس قدر صحت سے کام لیا ہے کیونکہ زمین کا چھلکا اگر اس وقت زیادہ موٹا ہوتا تو آکسیجن نایاب ہو جاتی اور اس کے بغیر حیوانی زندگی ناممکن تھی۔ اسی طرح اگر سمندر زیادہ گہرا ہوتا تو آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ دونوں اس میں کامل طور پر جذب ہو جاتے اور زمین کی سطح پر نباتات کا نشان تک نہ ملتا۔ اس وسیلہ حیات کا سرچشمہ خواہ کچھ ہو یا کہیں واقع ہو اس میں قطعاً کلام نہیں ہے کہ اس کی مقدار ہماری ضروریات کے عین مطابق ہے۔ اگر یہ کرہ ہوائی کچھ زیادہ لطیف ہوتا تو وہ لاکھوں شہاب Meteors جو ہماری بیرونی فضا میں جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ ان کی ایک مسلسل اور شدید بارش ہم پر ہوتی رہتی۔ یہ شہاب چھ سے چالیس میل تک فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کرتے ہیں اور پھر آتش گیر مادے کو بھڑکا دیتے ہیں۔ اگر یہ محض بندوق کی گولی کی طرح کم رفتار ہوتے اور اسی رفتار سے زمین پر گرتے تو اتنی تباہی پھیلاتے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور انسان تو کسی شہاب کے خرامِ ناز کی حرارت ہی سے پگھل کر رہ جاتا ہے جو معمولاً بندوق کی گولی سے نوے گنا تیز رفتار ہوتا ہے۔ لیکن فضا اتنی زیادہ لطیف نہیں ہے بلکہ ایک حد تک کثیف ہے اور یہ کثافت اس قدر ہے کہ سورج کی وہ شعاعیں جو کیمیائی تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں۔ اس (فضا) میں سے گزر کر نباتات کی زندگی اور جراثیم کی ہلاکت کا سبب بنیں، حیاتیات پیدا کریں اور انسان کے لیے اس وقت باعث ضرر نہ ہوں جب تک کہ اپنے آپ کو بہت زیادہ دیر تک ان کے زیر اثر نہ رکھے۔

اور پھر فضا کا ایک اور معجزہ دیکھیے کہ ان گیسوں اور بخارات کی عظیم مقدار کے باوجود جو کروڑوں برس سے مسلسل زمین سے نکل رہی ہے اور جن کا بیشتر حصہ زہریلا ہے، فضا عملی طور پر بالکل پاکیزہ رہتی ہے اور اس متوازن رشتے میں کبھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی جو اس (یعنی فضا) کے اور اس کرہ پر انسانی زندگی کی بقا کے تقاضوں کے درمیان واقع ہے۔

اسی توازن کا سرچشمہ وہ بحرِ عظیم ہے جس نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور جس نے زندگی، غذا، بارش، معتدل موسم، نباتات، حیوانات اور سب کے آخر میں خود انسان کو جنم دیا ہے۔ اور جب ہم اس حقیقتِ کُبریٰ پر غور کرتے ہیں تو ہمارے سر فطرت کے اس کارنامہ جلیل کے سامنے خود بخود جھک جاتے ہیں اور ہمارے دل اس کے احسانات کے احساس سے سراسر معمور ہو جاتے ہیں۔

(کائنات کی گواہی ص۱۱۹)

سالموں کی بناوٹ میں حکیمانہ نظام

اگر ہم کسی مرکب شئے کو تقسیم در تقسیم کرتے جائیں تو بالآخر ہم اس سالمے Molecule تک جا پہنچتے ہیں۔ اگر سالمے کو کسی کیمیائی عمل سے پھاڑا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو یا دو سے زائد مختلف قسم کے جوہروں سے مل کر بنا ہے۔ پھر یہ جوہر آپس میں الل ٹپ نہیں ملتے بلکہ مستقل سوچے سمجھے ہوئے تناسب سے جڑے ہیں مثلاً پانی ایک مرکب ہے جس کا ایک سالمہ ہائیڈروجن کے دو اور آکسیجن کے ایک جوہر سے مل کر بنتا ہے (فارمولا H_2O) اگر اس کے برعکس دو جوہر ہائیڈروجن اور دو جوہر آکسیجن آپس میں مل جائیں تو ہائیڈروجن پر آکسائیڈ تیار ہو جائے (H_2O_2) اگر ہائیڈروجن کے تین جوہر لیے جائیں اور آکسیجن کے ایک جوہر کی بجائے نائٹروجن کے ایک جوہر سے ملا دیا جائے تو NH_3 یعنی امونیا گیس تیار ہو جاتی ہے، جوہروں کی معمولی کمی بیشی سے پورا مرکب بدل جاتا ہے، چنانچہ پانی میں ہائیڈروجن کے دو جوہر اور آکسیجن کا ایک جوہر مل کر ایک سالمہ بناتا ہے اور بے شمار سالمے مل کر ایک قطرہ پانی بن جاتے ہیں۔ پھر سالمے کی چھوٹائی کا اندازہ لگائیں۔ اگر پانی کے ایک قطرے کو زمین کے برابر کر کے دکھایا جائے تو اس میں سالمے کی جسامت ٹینس کے گیند جتنی ہو گی تو جوہر کی چھوٹائی کا پوچھنا ہی کیا! کیا اتنے چھوٹے چھوٹے جوہروں کو بنانا، اور ان کو ایک مضبوط، حکیمانہ انداز میں جکڑ کر مفید اور کارآمد بنانا ایک لطیف، حکیم، علیم، سمیع، بصیر، مصور اور نافع ذات کے وجود کا پتہ نہیں دیتا؟ سالہا سال تک انہیں ذرات کا خوردبینی مطالعہ کرنے کے بعد لارڈ کلون چلا اٹھا کہ:

Itisimpossibletoconceive either the beginning or the continuance of life withouto verpowering strong proofs of benevolent and intelligent design are to be foundaroundus,teachingthatallliving thingsdependononeeverlastingCreatorandRuler.

"یہ خیال سراسر باطل ہے کہ کائنات کا آغاز بالتسلسل بغیر کسی خالق کے ہو سکتا ہے فطرت کے یہ حیرت انگیز مناظر جن سے تکمیل اور رحمت برستی ہے۔ الٰہی تخلیق و تعمیر پر مبہوت کن دلائل ہیں جو ہمیں صاف صاف بتا رہے ہیں کہ وجود کائنات کا انحصار ایک حی و قیوم فرمانروا کی مشیت پر ہے"۔ (ماخوذ)

عقل اور سائنس تو انسان کو اس بات پر مجبور کر دیتی ہیں کہ خالق یکتا کے سامنے سر بسجود جائیں

سائنسدان کہتے ہیں کہ تمام نباتات و حیوانات کی ترکیب آکسیجن، کاربن، نائٹروجن اور چند نمکیات

سے ہوتی ہے۔ اجزاء صرف اتنے ہی ہیں لیکن مقداروں کے اختلافات سے جس قدر مرکبات تیار ہوتے ہیں ان کا اندازہ صرف اس امر سے ہو سکتا ہے کہ آج تک نباتاتی مرکبات کی تقریباً چودہ لاکھ اور حیوانی مرکبات کی تین لاکھ انواع دریافت ہو چکی ہیں۔ اللہ جانے آئندہ کی دریافت کتنے انواع تک پہنچے گی۔ ان چند عناصر سے مختلف صورتوں اور خاصیتوں کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی عظیم حیرت انگیز صناعی اور اس کی حساب دانی کا ایمان افروز ثبوت ہے۔ دیکھیے! سائنس تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظائر بتلا کر آپ کو اس پر مجبور کرتی ہے کہ ایک خالق کے آگے اپنی گردن کو جھکا کر سر بسجود ہو جائیں۔

جیسا کہ کوئی شخص گھڑی کو کھولے اور یہ معلوم کرلے کہ گھڑی فلاں فلاں چیزوں سے مل کر بنی ہے تو اس شخص پر واضح ہو جائے گا کہ اس میں اس کا کوئی اتنا کمال نہیں کہ اس نے گھڑی کے پرزوں کو معلوم کر لیا، بلکہ کمال تو اس گھڑی ساز کا ہے جس نے پہلے باریک باریک پرزوں کو بنایا اور پھر خاص ترتیب سے ملا کر ایک بامقصد شئے تیار کی۔ اس طرح سائنس قوانین قدرت کی دریافت اور انکشافات کرتی ہے اور ہمیں بتاتی ہے کہ عالمِ کائنات کے ایک ایک ذرہ میں ایک حکیم ذات کی صناعی کا مشاہدہ ہو رہا ہے جس کی بصارت اور باریک بینی کی کوئی حد نہیں۔ اگر غور کریں تو سائنس دان انسان پر اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ کو واضح کرتے ہیں جو کسی ذی عقل پر مخفی نہیں ہے۔

جان کلیوی لینڈپی۔ ایچ۔ ڈی ماہر ریاضی و کیمیا کہتا ہے کہ دنیا کے نامور ماہرین طبیعات میں سے ایک ممتاز شخصیت لارڈ کلیون کا ایک بڑا معرک الآرا قول ہے کہ:۔

آپ جتنا زیادہ غور و فکر سے کام لیں گے اتنا ہی سائنس آپ کو خدا کے ماننے پر مجبور کرے گی۔ مجھے اس قول سے سو فی صد اتفاق ہے۔

یہی سائنس دان آگے چل کر لکھتا ہے کہ:

اب مادے کو اس حیثیت سے لیجیے کہ سالموں (Molecules) اور ذرات (Atoms) کا مجموعہ ہے۔ خود سالمے اور ذرات ان کے ترکیبی اجزاء پروٹون الیکٹرون اور نیوٹرون، کہربائی قوت حتی کہ توانائی Energy بھی سب کے سب اپنے اپنے دائرے میں مقرر ضابطے کے پابند نظر آتے ہیں اور ان کے عمل میں کہیں اتفاقات و حوادث کار فرما نہیں معلوم ہوتے نظم و ترتیب کی اس سے بہتر مثال کیا ہو سکتی ہے کہ کیمیائی عنصر نمبر

۱۰۱ کی ساخت وامتیاز اس کے محض ذرات کے مطالعے سے کرلی گئی، یہ اس حقیقت کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے کہ یہ عالمِ رنگ وبو ایک سوچے سمجھے نظام، ایک مقررہ نقشے کے مطابق چل رہاہے اس میں انتشار ولامرکزیت نہیں یہاں ہر شئے کے لیے قوانین وضوابط مقرر ہیں اور اس کارخانہ قدرت کو حادثات واتفاقات نہیں چلاتے۔ ("خدا موجود ہے": ۴۶ تا ۴۷)

دوسری جگہ یہی سائنسدان (جان کلیوری لینڈ) لکھتاہے کہ:

لارڈ کلیون کے دور کے بعد سے آج تک سائنس نے جو مزید ترقیاں کی ہیں۔ان کی بناپر آج ان کا یہ قول اور بھی زیادہ وزنی اور مبنی بر حقائق نظر آتاہے کہ اگر آپ غور وفکر سے کام لیں تو سائنس آپ کو یہ ماننے پر مجبور کردے گی کہ خداہے۔

ایک دوسرا سائنس دان ارل چیٹر ریکس ماہر ریاضی وطبیعات لکھتاہے کہ سائنس بلاشبہ اپنے اندر کچھ کمزوریاں رکھتی ہے مگر اس کے نظائر اور نتائج کسی قدر افادیت کے حامل بھی ہیں خواہ ان کا تعلق کائنات سے ہو یا خالقِ کائنات سے۔سائنسی مظاہر کے گہرے اور غیر جانبدارانہ مطالعے نے مجھے یہ یقین دلایاہے کہ خدا کا وجود ایک حقیقت ہے، وہی اس کارخانہ کو چلارہاہے اور اس کائنات میں مرکزی کردار اسی کاہے۔("خداکاوجود ہے": ۲۱۴)

سیسل بائس ہامان ماہر نباتات لکھتاہے:

سائنس خداکے وجود پر گواہ ہے ایساخداجوروز مرہ زندگی میں بھی موجود ہے ۔ہم ستاروں کی تصویریں لے سکتے ہیں۔ اسی طرح امیبا(Ameoba) کا بھی کاغذ پر عکس لیاجاتاہے، مگر خدائے واحد کے وجود کی ایسی کوئی محسوس مادی شہادت فراہم نہیں کی جاسکتی، خداکی معرفت حاصل کرنے کے لیے اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلناضروری ہے۔ اگر ایک شخص خوردبین سے مشاہدہ نہیں کرتا یا امیبا کی تصویر نہیں دیکھتا تو وہ ہٹ دھرمی سے کہہ سکتاہے امیبا جیسی کوئی چیز کائنات میں نہیں، لیکن کیا اس کا یہ کہنا درست ہے؟ یہی حال خالقِ کائنات کاہے کہ جب تک ہم اس کی طرف متوجہ نہ ہوں اس کی تخلیقات پر غور نہ کریں تو اس وقت تک وہ ہمارے ذہن میں نہیں آتا اور ہم ضدی بچوں کی طرح ایک بدیہی حقیقت کو جھٹلانے کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن اگر ہم ایک مرتبہ بھی اس کے نور کی پرچھائیں دیکھ لیں تو پھر دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اس کی تکذیب کے لیے تیار نہیں کرسکتی۔("خداموجود ہے" صفحہ: ۲۶۷ تا ۲۶۸)

البرٹ میکومبس ونچسٹر ماہر حیاتیات لکھتے ہیں کہ:

سائنس کا مطالعہ خداوند تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کی بصیرت پیدا کر دیتا ہے۔ اور یہ بصیرت ہر انکشاف سے عمیق تر ہوتی ہے۔

ایڈروڈلو تھر کیسل ماہر حیوانات وحشرات ایم، ایس، سی، پی، ایچ، ڈی لکھتے ہیں کہ:

اگر ان سائنسی دلائل پر جو اوپر پیش کیے جا چکے ہیں۔ ہمارے سائنسدان بلا کسی ذہنی تحفُّظ و تعصُّب ایمان لانے کے ساتھ اس طرح غور کریں جیسے وہ خود اپنی تحقیق کے نتائج پر غور وخوض کرتے ہیں اور اگر وہ اپنے جذبات کو عقل پر حاوی نہ ہونے دیں تو ان حقائق پر غور وخوض کے بعد یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ خدا ہے۔ پس آخری اور قطعی نتیجہ یہی ہے جس کی طرف تمام حقائق رہنمائی کرتے ہیں۔

کھلے ذہن کے ساتھ سائنس کا مطالعہ آدمی کو قائل کر دیتا ہے کہ کوئی نہ کوئی علت العلل ضرور ہونی چاہیے، اسی علت العلل کو ہم خدا کہتے ہیں۔ اس دور میں خدا کے فضل و کرم سے سائنسی تحقیق نے جو انکشافات کر کے علم کی نئی سرحدوں تک ہماری رہنمائی کی ہے ان کی روشنی میں ہمیں عقائد و نظریات پر نظر ثانی کرنی چاہیے جس طرح ایک کھلے ذہن کے سائنسدان کے لیے ضروری ہے کہ ان سائنسی شواہد کو خاطر خواہ وزن دے اور وجود باری کا اعتراف کرے۔ اسی طرح ایک غیر سائنسدان کو بھی ان دلائل کی بنا پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ تخلیق وارتقاء خدا ہی کی قدرتِ تخلیق کا شاہکار ہے، فطرت کے تمام مظاہر و شواہد تخلیقی ارتقاء کے تصور کی تائید کرتے ہیں۔ چاہے وہ ہئیت و تشکیل، حیاتی کیمیا، طبیعات اور توالُد و تناسُل کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتے ہوں۔

("خدا موجود ہے" صفحہ: ۴۰ تا ۱۴)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل

مادہ پرستوں سے عالمِ کائنات کے حیرت انگیز و سنجیدہ نظام کے بارے میں جب یہ بات سننے میں آتی ہے کہ یہ سب کچھ بخت واتفاق کا نتیجہ ہے تو حضرت امام ابو حنیفہ کا قصہ یاد آتا ہے جب کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے زمانے میں کسی دہری نے خدا کے وجود پر مسلمانوں کو چیلنج دیا حضرت امام صاحبؒ کے ساتھ مناظرہ کا وقت طے ہوا اور مقام مقرر کیا گیا۔ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ مقررہ وقت سے کچھ دیر بعد پہنچے۔ دہری نے شور مچایا کہ جو شخص وعدے اور بات کا پکا نہ ہو اس کا علم اور کردار کیا ہو گا؟ امام صاحب نے وہاں پہنچ کر فرمایا میرے راستے میں دریا حائل تھا جہاں نہ کشتی تھی نہ ملاح۔ یکایک دریا میں کچھ تختے ظاہر ہوئے اور کہیں سے میخ اور کہیں

سے لوہا، پھر خود بخود یہ تختے آپس میں جڑنے لگے تو کشتی تیار ہو گئی۔ جب میں اس میں بیٹھ گیا تو بغیر ملاح کے خود بخود چل پڑی اسی کنارے میں آ لگی اس وجہ سے کچھ تاخیر ہوئی۔ دہری یہ سن کر بھڑک اٹھا اور چیخنے لگا کہ اس شخص سے کیسے مناظرہ کروں جو اتنی خلافِ عقل اور غلط بات کہے۔ امام صاحبؒ نے جواب دیا کہ بس ہمارا مناظرہ اس بات پر ختم ہوا اور یہ ثابت ہو گیا کہ جب معمولی سی کشتی خود بخود بغیر کسی مستری اور ملاح کے تیار نہیں ہو سکتی اور نہ چل سکتی ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کائنات اور پرُ حکمت عالَم کا بنانے والا اور اس نظام کا چلانے والا کوئی نہ ہو یہ مادہ پرست، دہری اور نیچری لوگ ہمیشہ سے ایک عظیم نادانی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایک کشتی بغیر مستری اور ملاح کے بن جانے کو تو مانتے نہیں اسی طرح اگر کوئی معجزہ یا کرامت بیان کی جائے تو شور مچائیں گے کہ یہ طبعی حالت کے خلاف ہے اور عقل اسے تسلیم نہیں کرتی اور خود کائنات کے حیرت انگیز اور اس کے اندر غیر معمولی حکمت اور معنویت کو بغیر صانع و خالق کے بخت و اتحاد کا نتیجہ کہہ کر بھی اپنے آپ کو عقلمند سمجھتے ہیں۔

کیا اتفاق سے کوئی چیز وجود میں آسکتی ہے؟

چنانچہ ٹی-ایچ ہکسلے کہتے ہیں کہ چھ بندر اگر ٹائپ رائٹر میں بیٹھ کر کروڑوں سال تک پیٹتے رہیں تو ہو سکتا ہے کہ ان سیاہ کیے کاغذات کے ڈھیر میں سے آخری کاغذ پر شکسپئیر کی ایک نظم (Sonnet) نکل آئے۔ اسی طرح اربوں اور کھربوں سال مادہ کی اندھا دھند گردش کے دوران میں موجود کائنات بن گئی ہے۔ (The MysteriousUniverse) یہ بات اگرچہ بجائے خود بالکل لغو ہے کیونکہ ہمارے آج تک کے تمام علوم ایسے اتفاق سے قطعاً ناواقف ہیں جس کے نتیجے میں اتنا عظیم اس قدر بامعنی اور مستقل واقعہ وجود میں آجائے جیسا کہ اس کائنات میں بلاشبہ ہم بعض اتفاقات کو دیکھتے ہیں مثلاً ہوا کا جھونکا کبھی انگارے کو اڑا کر کسی جھونپڑی پر ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے جھونپڑی پر آگ لگ کر دوسری جھونپڑیوں تک متجاوز ہوتی ہے یا کبھی جہاز اتفاقی حادثے کا شکار ہو جاتا ہے۔

علی ھذا لقیاس اتفاقات صرف جزوی اور استثنائی واقعہ کی توجیہ تو کر سکتے ہیں لیکن یہ کہاں تک درست ہو گا کہ شہر کے شہر آباد ہوں یا جہاز کا مسلسل ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کو اتفاقی حادثہ سمجھا جائے۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ بقول ٹی۔ ایچ ہکسلے کہ اگرچہ بندر کروڑوں سال تک ٹائپ رائٹر پیٹتے رہیں تو

ہو سکتا ہے کہ سیاہ کیے ہوئے کاغذوں کے ڈھیر میں سے آخری کاغذ پر شکسپیئر کی ایک نظم نکل آئے۔ یہاں تو شکسپیئر کی نظم نکلنے کے لیے کروڑوں سال کے بعد صرف امکان تک بتایا جاتا ہے یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابد تک نہ نکل سکے لیکن کائنات عالَم کے لیے (جو ہر قسم کی حکمت سے لبریز ہے) صرف اتفاقی حادثہ کو کافی سمجھتا ہے جو بے حد مضحکہ خیز ہے۔

ڈاکٹر فرینک ایمن پروفیسر حیاتی طبیعیات کنیڈا لکھتا ہے اتفاق (Chance) محض ایک فرضی چیز نہیں بلکہ ایک بہت ہی ترقی یافتہ حسابی نظریہ ہے جس کا اطلاق ان امور پر کیا جاتا ہے جن پر قطعی اور یقینی معلومات ممکن نہیں ہوتیں۔ اس نظریے کے ذریعے ایسے بے لاگ اصول دریافت کیے جاتے ہیں جن کی مدد سے ہم حق وناحق میں بآسانی امتیاز کر سکتے ہیں اور کسی خاص نوعیت کے واقعہ کے صادر ہونے کے امکانات کا حساب لگا کر صحیح صحیح اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کا اتفاقاً پیش آجانا کس حد تک ممکن ہے۔ (The evidence of God P:24)

پس اگر ہم فرض کر لیں کہ مادہ کسی خام حالت میں خود سے کائنات میں موجود ہو گیا۔ اور پھر یہ فرض کر لیں کہ اس میں عمل اور ردعمل کا ایک سلسلہ بھی اپنے آپ شروع ہو گیا اگرچہ ان مفروضات کے لیے کوئی بنیاد نہیں ہے پھر بھی کائنات کی توجیہ حاصل نہیں ہوتی کیونکہ سائنس نے معلوم کر لیا ہے کہ ہماری دنیا کی عمر اور جسامت کیا ہے اور جو عمر اور جسامت ہم نے معلوم کی ہے وہ قانونِ اتفاق کے تحت موجودہ دنیا کو وقوع میں آنے کے لیے ناکافی ہے کیونکہ ذی حیات اشیاء کی ترکیب زندہ خلیوں (Living cells) سے ہوتی ہے اور خلیہ ایک نہایت چھوٹا اور پیچیدہ مرکب ہے جس کا مطالعہ علم الخلیہ (Cytology) میں کیا جاتا ہے۔ ان خلیوں کی تعمیر میں جو آخر کام آتے ہیں ان میں ایک پروٹان ہے جو ایک کیمیائی مرکب ہے اور پانچ عناصر کے ملنے سے وجود میں آتا ہے یعنی کاربن، ہائڈروجن، نائٹروجن، آکسیجن اور گندھک، پروٹینی سالمہ (Molecule) کے تقریباً چالیس ہزار دقیق ذرات یا جوہر (Atoms) پر مشتمل ہوتا ہے۔ کائنات میں سو سے زیادہ کیمیائی عناصر بالکل منتشر اور بے ترتیب بکھرے ہوئے ہیں۔ اب اس امر کا امکان کس حد تک ہے کہ ان تمام عناصر کے لیے باترتیب ڈھیر میں سے نکل کر یہ پانچوں عناصر اس طرح باہم ملیں کہ ایک پروٹینی سالمہ خود بخود وجود میں آسکے۔ مادے کی وہ مقدار جس کے مسلسل ہلانے سے اتفاقاً یہ نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے اور وہ مدت جس کے اندر اس کام کی تکمیل ممکن ہو حساب لگا کر معلوم کی جاسکتی ہے۔

سوئیٹزرلینڈ کے ایک حساب دان چارلس ایر جین گائی نے اس کا حساب لگایا ہے اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس طرح کے کسی اتفاقی واقعے کا امکان ۱۶۰، ۱۰ کے مقابلے میں صرف ایک درجہ ہو سکتا ہے۔ واضح رہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دس کو ایک سو ساٹھ سے پے درپے ضرب دی جائے (دوسرے لفظوں میں دس کے آگے ایک سو ساٹھ صفر لگائے جائیں) گویا یہ ایک ایسا بعید از امکان قیاس ہے کہ اعداد کی زبان میں اس کا اظہار بھی مشکل ہے۔

صرف ایک پروٹینی سالمے کے اتفاقاً وجود میں آنے کے لیے اس پوری کائنات کے موجودہ مادے میں کروڑوں گنا زیادہ مقدار مادہ مطلوب ہو گا جسے یکجا کر کے ہلایا جائے اور اس عمل سے کوئی نتیجہ بر آمد ہونے کا امکان (۲۴۳-۱۰) یعنی دس کے آگے دو سو تریالیس صفر لگائے جائیں اتنے سال کے بعد ہو گا۔

موجودہ مادے سے کروڑوں گنا بڑا مادہ کہاں سے آئے گا؟ پھر اسے یکجا کس طرح کیا جائے گا؟ پھر کون سی مشین ہو گی جو اس مفروضہ مادے کو لے کر گا مٹے ڈوائے (Lecomte Diwovy) کے اندازے کے مطابق پانچ ٹریلین حرکت فی گھنٹہ کی رفتار سے مسلسل ہلاتی رہے۔ یہاں تک کہ ارب ہا ارب سال گزر جائیں تو صرف ایک پروٹینی سالمہ تیار ہونے کا امکان ہے۔ ذرا قیاس فرمایئے کہ اگر ایک پروٹینی سالمہ اتفاق سے آنے کے لیے دنیا کا موجودہ مادہ اور مدت ناکافی ہے تو تمام عالم کائنات کا اتفاق سے وجود میں آنا کتنی لغو بات ہے۔ پھر چالس ایو جین گائی یہ بھی کہتے ہیں کہ پروٹین امینو ایسڈز (Amino acid) کے لمبے سلسلوں سے وجود میں آتے ہیں، اس میں سب سے زیادہ اہمیت اس طریقے کی ہے جس سے یہ سلسلے باہم ملیں اگر یہ غلط شکل میں یکجا ہو جائیں تو زندگی کے بقا کا ذریعہ بننے کے بجائے مہلک زہر بن جاتے ہیں۔

پروفیسر جے بی لیدز (انگلستان) نے حساب لگایا ہے کہ ایک سادہ سے پروٹین کے سلسلوں کو اربوں کھربوں (۴۸-۱۰) یعنی دس کے آگے اڑتالیس صفر لگائیں۔ اتنے طریقوں سے یکجا کیا جا سکتا ہے۔

یہ کسی عقل میں آنے والی بات نہیں ہے کہ ایک پروٹینی سالمہ وجود میں لانے کے لیے اتنے بعید از امکان اتفاقات بیک وقت صادر ہو جائیں۔ واضح رہے کہ اس بعید از امکان کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ بے شمار مدت کے تکرار کے بعد لازماً یہ پروٹینی سالمہ ظہور میں آجائے گا اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایسا ہو جائے۔ دوسری طرف یہ امکان بھی ہے کہ ہمیشہ دہراتے رہنے کے باوجود بھی کبھی واقعہ ظہور میں نہ آئے۔

سائنس ساری کائنات کی جتنی عمر ہمیں بتاتی ہے ظاہر ہے وہ طویل عمر بلکہ اس کے اربوں گنا زیادہ مدت بھی صرف ایک پروٹینی سالمہ کو اتفاقاً وجود میں لانے کے لیے ناکافی ہے تو زمین کی سطح پر اس معین مدت میں نباتات اور حیوانات کی لاکھوں اقسام اور پھر ہر قسم میں لاتعداد حیوانات اور نباتات پیدا ہو کر خشکی اور تری میں کیسے پھیل گئے؟ پھر پروٹین خود ایک کیمیائی چیز ہے جس میں زندگی موجود نہیں ہوتی۔ پروٹین کے خلیے کا جز و بننے کے بعد اس میں زندگی کی حرارت کیسے پیدا ہوئی؟ اس کا جواب اس توجیہ میں نہیں ہے بلکہ اس میں زندگی کی حرارت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کے اندر روح پھونکی جائے۔

بلاشبہ وہ خدا ہی کی ذات ہے جو سالمے کی تخلیق کر سکتا ہے اور اسے زندگی بخشتا ہے اور وہی قادر مطلق کائنات کے ایک ایک ذرے پر حکمران ہے اور اس کی حکمت اور قدرت یہ جلوے دکھا رہی ہے۔ یہ طویل تجزیہ محض اتفاقی پیدائش کے نظریے کی لغویات واضح کرنے کے لیے کیا گیا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اتفاق سے نہ کوئی ایٹم یا مالیکیول وجود میں آ سکتا ہے اور نہ وہ ذہن پیدا ہو سکتا ہے جو یہ سوچ رہا ہے کہ کائنات کیسے وجود میں آئی؟ خواہ اس کے لیے کتنی طویل مدت فرض کی جائے یہ نظریہ نہ صرف ریاضیاتی طور پر محال ہے بلکہ منطقی حیثیت سے بھی اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ اتفاق سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اس اتفاق کے لیے بھی اسباب کو ماننا پڑے گا جیسا کہ:

ٹی۔ ایچ۔ ہکسلے نے کروڑوں سال بندروں کو ٹائپ رائٹرز کے پیٹنے سے شکسپئیر کی ایک نظم کا صرف امکان بتلایا اور وہ اس سے غافل رہا کہ ایک نظم کے اتفاقی طور پر بننے کے لیے اس نے بندر اور اس کا فعل، ایک ٹائپ رائٹر اور کاغذوں کے انبار ثابت کر دیے۔ اسی طرح اگر جہاز اتفاقی حادثے کا شکار ہوتا ہے تو اس کے لیے بھی جہاز اور اس کے اڑانے والے انجن کے فیل ہونے یا کوئی دوسرا ایسا سبب ضرور ہوتا ہے جس کی وجہ سے جہاز گر جائے اور اس کے گرنے کے لیے زمین پر کشش ارضی کی بھی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح پروٹینی سالمہ کے اتفاقاً موجود ہونے کے لیے ایک زبردست مشین اور اس کو چلانے والے اور موجودہ مادے سے کروڑوں گنا زیادہ بڑا مادہ کس اتفاق سے پیدا کریں گے؟ اسی طرح ہر اتفاقی چیز کا یہی حال ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی چیز بھی اتفاق سے خود بخود وجود میں نہیں آتی، اتفاق سے کسی چیز کا وجود میں آنا ایسا ہی لغوبات ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ محض حرکت میز سے بوتل کی سیاہی فرش پر گرنے سے دنیا کا نقشہ مرتب ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص سے بجا

طور پر پوچھا جاسکتا ہے کہ ایسے اتفاق کے لیے میز اور میز کو حرکت دینے والا، سیاہی کی بوتل، فرش اور کشش ارضی کہاں سے وجود میں آگئی؟

ڈاکٹر جارج ارل ڈیوس ماہر طبیعیات نے کیا خوب کہا ہے کہ:

جب ہم خدا کے وجود یا عدم وجود کو ثابت نہیں کرسکتے تو ہمارے لیے بہترین صورت یہ ہے کہ ہم جو کچھ بھی اس کائنات کے بارے میں معلومات رکھتے ہیں ان سے عقلی استنباط کریں۔ ایسا کوئی استنباط جس پر ان معلومات کو بنیاد مان کر کوئی منطقی اعتراض نہ ہوسکے جو اس کائنات کے بارے میں ہمیں حاصل ہو چکا ہے صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ کوئی مادی شئے خود اپنی تخلیق پر قادر نہیں ہے۔

اگر کائنات از خود پیدا ہوسکتی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ تخلیق کی قوت سے بھی متصف ہے جسے ہم خدا کی صفت قرار دیتے ہیں، دوسرے لفظوں میں گویا ہم اس کائنات ہی کو خدا قرار دے دیں گے۔

اس طرح اگرچہ ہم خدا کے وجود کو تو تسلیم کرلیں گے لیکن وہ نرالا خدا ہوگا جو بیک وقت فوق الفطرت بھی ہوگا اور مادی بھی، اسی طرح کے کسی مہمل تصور کو اپنانے کے بجائے ایک ایسے خدا پر عقیدے کو ترجیح دیتا ہوں جس نے ایک عالمِ مادی کی تخلیق کی ہے اور اس کا وہ خود کوئی جزو نہیں بلکہ اس کا فرمانروا اور ناظم و مدبر ہے۔

("خداموجود ہے" صفحہ: ۸۵ تا۸۶)

یہی وجہ ہے کہ زمین کے حیرت انگیز عدل وتوازن کو دیکھ کر سر جیمز پکار اٹھے۔

(Thetrembling universe must have been balanced with un thinkable precision)

اس کانپتی ہوئی کائنات میں ایک دقیق اور ماوراء الادراک صناعی سے عدل وتوازن پیدا کیا گیا ہے۔(ماخوذ)

کیا سائنسدانی یا عقل کا دعویٰ کرنے والے کو خدا کے وجود میں شک یا لاادریت کی گنجائش ہوسکتی ہے؟

جو شخص سائنسدانی کا دعوی کرتے ہوئے بھی شک اور لاادریت میں مبتلا ہو تو ایسا نام نہاد سائنسدان یا تو پرلے درجے کا متکبر اور متعصب ہٹ دھرم ہے یا انتہائی درجہ جاہل ہے جو دونوں صورتوں میں اپنی مجنونیت کا مظاہرہ کررہا ہے۔ زیادہ حیرت اس وقت ہوتی ہے جب سائنسدانی کا دعوی کرتے ہوئے کوئی شخص وجودِ باری تعالیٰ میں لاادریت یا تشکیک ظاہر کرتا ہے کیونکہ اگر ایک شخص کسی عظیم کارخانے کو صرف ظاہر سے دیکھ کر گزر جاتا

ہے اور دوسرا شخص کارخانے کے اندر جاکر بخوبی مطالعہ کرے تو ظاہر ہے کہ پہلے شخص کی نسبت دوسرے شخص کے دل میں کارخانہ ساز کی زیادہ عظمت اور ہیبت ہوگی اگرچہ پہلا شخص بھی اس کے صانع کا قائل ہوگا لیکن صانع کی جو محبت اور عظمت اس دوسرے شخص کے دل میں ہوگی وہ پہلے شخص میں نہ ہوگی۔ اسی طرح سائنس تو آپ پر کائناتِ عالم کے خالق کی صفاتِ عالیہ واضح کرتی ہے اور اس کی کارسازیاں بتلا بتلا کر آپ کے دل میں اس کے صانع کی عشق و محبت اور عظمت بڑھاتی ہے۔

کیا کوئی نظریہ باری تعالیٰ کو مانے بغیر مکمل ہو سکتا ہے؟

آخر یہ سائنس گزیدہ اس سے غافل ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تشکیک اور لا ادریت ظاہر کرے تو وہ اپنے نظریے کو کس طرح دنیا کے سامنے پیش کرے گا کیونکہ کوئی اس کا بھی نظریہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک اس میں خالق کے وجود کو نہ مانا گیا ہو مثلاً مختصر انسائیکلوپیڈیا کے بیان کردہ نظریہ تخلیق کائنات کو لے لیں جو سائنسدانوں کے نزدیک زیادہ قابلِ قبول ہے تو اس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ مادہ کیونکر موجود ہوا؟ مادے کے اجزاء ہائڈروجن میں کیوں تبدیل ہوگئے؟ اور اس مخصوص وقت میں کیونکر تبدیل ہوئے اس سے پہلے کیوں ایسا نہ ہوا؟ پھر ہائڈروجن اور دیگر مادی اشیاء میں کششِ ثقل کیونکر ہے؟ اور جب سارا ہائڈروجن مرکز پر جمع ہوگیا جو سب کا سب ایک خاصیت کا حامل تھا اور دھماکہ ہوا تو اس سے مختلف خاصیتوں کے کرّے اور دیگر اشیا کیوں ظہور میں آئیں؟ جیسا کہ یہ پہلے مفصل ذکر کیا جاچکا ہے اور ایک دھماکے سے یہ سارے کہکشاں اور مختلف سیارے مختلف کاموں پر کیونکر مامور ہوئے؟ اگر ہر مادی چیز دوسری چیز کو کشش ثقل کے باعث کھنچتی ہے تو وہ کون سی طاقت ہے جو ہر ایک کرّے کو مخصوص اندازے میں رکھ کر ایک دوسرے کو کھنچتے ہوئے باہم ٹکراؤ سے بچاتی ہے؟ اور جب آپ نے یہ بھی مان لیا کہ کائنات کے لیے آغاز ضرور ہے تو اس کا ابد تک گردش کرنا کس فلسفے کی رو سے ثابت کرتے ہو؟ کیونکہ یہ بات پہلے ثابت ہوچکی ہے کہ جس چیز کے لیے ابتداء ہوتی ہے اس کی انتہا ضروری ہے۔

پھر سوال یہ ہے کہ اگر ساری ہائڈروجن سے گولہ بن گیا تو اب ہائڈروجن کا وجود کیونکر ہے اور موجودہ ہائڈروجن سے دوبارہ کیوں دہکتا ہوا بہت بڑا گولہ نہیں بنتا؟ اور ایک ہی ہائڈروجن سے مختلف عناصر کس طرح وجود میں آئے؟ اسی طرح بے شمار سوالات ہو سکتے ہیں۔ کیا یہ بات معقول ہے کہ:

کوئی سمندر میں بڑے بحری جہاز کو پر حکمت کتابوں سے لدا ہوا دیکھے اور جہاز اور کتابوں کے بارے میں یہ توجیہ کرے کہ پہلے صرف گھاس اور درخت کا وجود تھا، کسی وقت تند و تیز ہوا نے آکر بہت سے درخت اور گھاس کو سمندر میں ڈال کر پھینک دیا اور سمندر کے تھپیڑوں نے ان درختوں کو اس طرح ایک دوسرے سے ٹکرایا کہ سمندر میں ایک عظیم دھماکہ ہوا اور درخت چیر پھاڑ کر ہوا میں اڑ کر جڑ گئے اور اتفاقاً یہ بحری جہاز بن گیا اور اس دھماکے کی وجہ سے گھاس بھی ریزہ ریزہ ہو کر ایک دوسرے سے جڑ گئی جس سے بہت بڑی بڑی چٹائیاں تیار ہو گئیں، یہ چٹائیاں زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ گھسٹتے گھسٹتے سفید کاغذ کی شکل اختیار کر گئیں اور بعض گتوں کی شکل میں رہ گئیں جس سے کاغذ کا عظیم سٹاک ضرورت کے مطابق جمع ہو گیا اور اس دھماکہ کی وجہ سے بعض درخت جل کر کوئلہ بن گئے تھے جس سے سمندر کا بعض پانی سیاہی جیسا بن گیا اس کو ہوا نے اڑا اڑا کر سفید کاغذوں پر ڈال کر رکھ دیا جس سے اتفاقا بہت سے قصیدے اور پر حکمت نظم و نثر کی کتابیں منظر عام پر آ گئیں، پھر جہاز چل پڑا اور سمندر کی موجوں سے وہ لکھے ہوئے کاغذات الٹتے پلٹتے رہے حتیٰ کہ ٹھیک ٹھاک کٹ کر اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اوراق خاص ترکیب و ترتیب سے اپنی اپنی جگہ پر لگ گئے اور ہر ایک کتاب کو دونوں جانب سے گتوں نے ڈھانپ لیا۔ اسی طرح یہ بحری بیڑا اور کتابیں معرض وجود میں آئیں۔

اگر ایک جہاز اور چند کتابوں کے وجود کے بارے میں یہ توجیہ باطل اور جہالت ہے تو کیا پوری کائنات جو حکمت سے لبریز ہے اس کے بارے میں سابقہ توجیہ جہل مرکب نہ ہو گی؟

اس بات سے میرا مطلب ہرگز یہ انکار کرنا نہیں کہ کائنات کی بناوٹ اس طریق پر نہیں ہوئی ہو گی یہاں میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کائنات خود بخود اتفاق سے نہیں بنی ہے بلکہ ایک حکیم اور بصیرت ذات کے قصد اور ارادہ سے ظہور میں آئی ہے کیونکہ عقلیں اس بات کی شاہد ہیں کہ ہر مصنوع کے لیے صانع کا وجود ضروری ہے اور اتفاق سے تخریب تو ہو سکتی ہے لیکن باقاعدہ تعمیر کا ہونا ناممکن ہے ورنہ ایک ایٹم بم کا دھماکہ بغیر کسی اسکیم اور منصوبہ کے کسی ریت کے ٹیلے یا دوسری چیز میں کر دیا جائے تاکہ پتہ چلے کہ کتنے کارخانے اور عمارتیں وجود میں آتی ہیں۔ اگر بغیر کسی سوچی سمجھی اسکیم کے کسی دھماکہ سے کارخانوں اور عمارتوں کا وجود ناممکن ہے تو یہ ساری کائنات کا وجود دھماکے سے بغیر کسی ارادہ اور مصلحت کے کیسے ممکن ہو گا؟

مصنوع کے لیے صانع کا ہونا ضروری ہے

اگر ہم کسی چیز مثلاً کارخانے یا کسی دوسری چیز کی بناوٹ کو معلوم کریں کہ مصنوع فلاں فلاں ترکیب

وترتیب سے وجود میں آرہی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ لا محالہ اس کے صانع کے بھی قائل ہوتے ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ ہم گھڑی کی ترکیب کو معلوم کر کے یہ دعوے کریں کہ یہ گھڑی خود بخود بن گئی ہے۔ اسی طرح کائنات یا کائنات میں کسی چیز کی بناوٹ معلوم کر کے یہ دعوے کرنا کہ یہ اس ترکیب وترتیب سے خود بخود وجود میں آئی ہے، یہ محض تحکم ہے کوئی دلیل نہیں ہے، اس پر وہ سوالات وارد ہوں گے جن سے نجات پانا ناممکن ہے کیونکہ اس میں شک نہیں کہ جہاز (کشتی) لکڑی کی ترکیب سے اور کاغذ بھی گھاس پھوس یا لکڑی سے بن جاتا ہے اور پانی میں مل کر سیاہی بن جاتی ہے، پھر اسی سیاہی کو خاص ترکیب وترتیب سے کاغذ پر ڈال کر کتاب تیار ہوتی ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ جہاز اور کتابیں خود بخود درخت، گھاس اور رنگ کی کارسازی کا نتیجہ ہیں کسی طرح درست نہیں۔ اسی طرح دنیا (کائناتِ عالم) خواہ کسی طریق پر کیوں نہ بنی ہو لیکن خود بخود نہیں بن گئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ سے وجود میں آئی ہے۔

اس لیے ڈاکٹر ارونگ ولیم نابلاخ ماہرِ علومِ طبعی کہتے ہیں:

مجھے خدا پر پختہ یقین ہے۔ میں اس غیر متزلزل عقیدے پر ایمان رکھتا ہوں کہ میں اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہوں کہ مثبت اور منفی برقیے ابتدائی ذرات، پہلا تفزمایہ، اولین بیج یا سب سے پہلا دماغ یونہی کسی حادثے یا اتفاق سے پیدا نہیں ہو گئے ہیں اسے اس لیے مانتا ہوں کہ اس کی ذات کے ذریعہ ہی اسی کائنات کی صحیح اور معقول توجیہ ممکن ہے۔ ("خدا موجود ہے۔" صفحہ نمبر: ۱۰۷)

اولن کیرول کالکاٹس کیمیاوی انجینئر لکھتے ہیں کہ:

فطرت پرستی کے لیے باطنی حقائق کی توجیہ کرنا بھی بہت مشکل ہے۔ کیمیائی اور طبعیاتی اصولوں کو یہ ثابت کرنے کے لیے بڑی حد تک استعمال کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے دماغ اور جسم کس طرح کام کرتے ہیں۔ لیکن ان سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ انسان جانوروں سے اس قدر مختلف کیوں ہوتا ہے صرف اسی کو خدا کا شعور کیوں ہے؟ انسانی تحقیق کی پوری تاریخ میں کہیں اس بات کا ذکر نہیں آتا کہ کسی جانور نے کبھی کوئی عبادت گاہ بنائی ہو۔ کیا یہ کافی ہے کہ دماغ اور ذہن کو ایک سمجھ لیا جائے؟ اگر ان میں کوئی فرق نہیں تو پھر ہم حافظہ، تصور، اور استدلال کی کیا توجیہ پیش کریں گے؟ فطرت پرستی کے پاس ان تمام باتوں کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں ہے۔

خدا پرستی کا تصور کائنات کے ان تمام سوالات کے بڑے معقول جوابات مہیا کرتا ہے اس کے مطابق ایک مافوقی ذہن جو تنظیم، تدبیر اور تناسب پیدا کرتا ہے۔ان تمام چیزوں کی پشت پر ہے کہ اس ذات نے ایک خاص وقت میں تمام مادہ اور قوت پیدا کی، اس نے اجرامِ فلکی کو اپنی اپنی جگہ پر متعین کیا اور کائنات میں وسیع ہونے کی صلاحیت پیدا کر دی۔اس نے زمین پیدا کی اور اس پر ایسے حالات پیدا کیے کہ زندگی اس پر باقی رہ سکے۔

ڈاکٹر پال کلیرنس ایبر سولڈ لکھتے ہیں کہ:

سائنسدان بہت جلد اس حقیقت کو جان لیتا ہے کہ سائنس کا منتہا اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ یہ بتا دے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔

لیکن اس سے آگے بڑھ کر اس حقیقت کی نقاب کشائی کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا۔یہ انسان کے بس میں ہے نہ سائنس اس کی عقدہ کشائی پر قادر ہے۔سائنس اور بشری قوتِ استدلال اس بات کی کوئی توجیہ پیش کرنے سے یکساں قاصر ہیں کہ یہ سالمات، ستارے، نظام ہائے سیارگان، یہ انسان اور اس کی بے مثل قوتیں اور صلاحیتیں آخر کیوں ہیں؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سائنس اس کائنات کے عمل آفرینش کے بارے میں بڑے ناقابلِ یقین نظریے پیش کر سکتی ہے کہ یہ ستارے نظام ہائے شمسی اور یہ انسان اور یہ زندگی کی رونقیں کس طرح وجود میں آگئیں لیکن اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں کہ آخر یہ مادہ اور یہ توانائی کہاں سے وجود میں آگئی اور اس کائنات میں یہ نظم اور حسن ترتیب کس طرح قائم ہو گیا۔فکرِ صحیح اور سلجھے ہوئے استدلال کا تقاضہ ہے کہ یہاں آکر انسان خدا کے تصور کو قبول کرے۔(''خدا موجود ہے۔''صفحہ:۷۰ تا۷۱)

ڈاکٹر میرٹ سٹینلے کان ڈان فلسفی اور سائنس دان مادہ پرستوں پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

آخر اس بات کو کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ سارا نظام محض کسی اتفاقی حادثے، کسی تک بندی سے وجود میں آگیا ہے اور اس کے پیچھے کوئی حکمت اور تدبیر کار فرما نہیں ہے اور یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ یکسانیت اور عمومیت فلسفہ غایات اور باہمی تعامل اور بقاو تحفظ، توازُن واعتدال فطری ضوابط اس ہر لحہ تغیر پذیر کائنات میں قرن ہا قرن سے بے قرار چلے آئیں اور ان تمام ضوابط پر کائنات کے ہر گوشے میں عمل بھی ہوتا ہے لیکن یہ سب کسی محسوس کار فرما قوت و ہستی کے بغیر ہو۔ایک ایسے حکیم و قدیر خالق کے بغیر جو اپنی تخلیق کردہ کائنات میں اپنے ہی تخلیق کردہ عناصر و عوامل سے کام لے کر نظم و جہاں کو قائم و دائم رکھ سکتا ہو۔اس عجیب

وپر اسرار اور پیہم متحرک ورواں کائنات میں آج تک کوئی ایسے حقائق سامنے نہیں آسکے جو اس حسن ورعنائی سے بھرپور کائنات کے پسِ پردہ زمان ومکان کے تمام حدودوقیود سے آزاد ہستی، خدا کے تصور کے درجہ میں نفی کرتے ہوں بلکہ اس کے برعکس جب ہم سائنسدان اس عالمِ طبیعیات کی معلومات کا پوری توجہ واحتیاط سے تجزیہ وتحلیل کرتے ہیں چاہے وہ متوازی استنباط واستخراج کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو، تو ہم اسی غیر مرئی ذات کے مظاہرِ قدرت اور اسی کے دستِ قدرت کی کار فرمائیاں چہار طرف دیکھتے ہیں جسے محض سائنسی طریقِ تجسس سے تلاش کرنا بے سود ہے جس نے انسان کی تخلیق کرکے خود کو بڑی حد تک بے نقاب اور نمایاں کر دیا ہے۔ سائنس کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ خدا کے مظاہرِ قدرت کے مشاہدے کا دوسرا نام ہے۔("خدا موجود ہے۔" صفحہ:۴۱)

ڈاکٹر انڈریو کان دے مادہ پرستوں کی حماقت کو دیکھ کر بے اختیار بول اٹھے کہ:

منکر خدا کے نظریات کے سرسری جائزے سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان لوگوں کے دماغوں میں فتور ہے۔ اور اس سادہ سی حقیقت کو سمجھنے سے بھی قاصر ہیں کہ اس کائنات کی علت نمائی کی معرفت حاصل سمجھ میں آتی ہے اور اگر اس کے وجود سے انکار کر دیا جائے تو یہ سارا نظام عالم ایک ناقابل فہم معمہ بن جاتا ہے۔

آئن سٹائن نے کہا کہ:

جو شخص اپنی اور اپنے ابنائے جنس کی زندگی کو باطل اور بے مقصد سمجھتا ہے وہ نہ صرف بدنصیب اور نامراد ہے بلکہ اسے زندگی گزارنے کا قطعاً کوئی حق حاصل نہیں۔

آئن سٹائن کے اس بیان پر میں صرف اس قدر اضافہ کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو زندگی بسر کرنے کا صرف اس لیے موقع دینا چاہیے کہ ممکن ہے وہ الحاد کے بعد ایمان کی طرف لوٹ آئے۔

("خدا موجود ہے۔" صفحہ: ۲۸۲ تا ۲۸۳)

ساری کائنات کو انسان کی نشوونما میں کس نے لگایا ہے؟

سائنسدان اور تمام عقلاء اللہ تعالیٰ کے وجود میں کیوں شک اور لاادریت ظاہر کریں جب کہ وہ سمجھتے ہیں کہ عالمِ کائنات میں جتنی چیزیں ہیں وہ بالواسطہ انسان کے فائدے کے لیے بنائی گئی ہیں اور انسان کو جس چیز کی جس قدر زیادہ ضرورت ہے، وہ اس قدر عام ہوتی ہے ہوا کی ضرورت سب سے زیادہ ہے تو اس کو اس قدر عام کر دیا کہ بغیر کسی تکلیف ہر جگہ داخل ہو، یہی ہوا بے شمار فائدوں کی حامل ہے، تمام جانداروں کی زندگی اس سے

وابستہ ہے، ہم ایک دوسرے تک باتیں پہنچانے کے لیے اسی ہوا کو ذریعہ بناتے ہیں یعنی ہوا آواز سے متکیف ہو کر دوسرے تک پہنچانے کا ذریعہ ہے اس کے علاوہ یہی ہوا مختلف خدمات انجام دے رہی ہے جو کسی صاحبِ بصیرت پر مخفی نہیں ہیں۔

ہوا کے بعد انسان کو دوسرے نمبر پر پانی کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے تو اسے بھی دریاؤں، چشموں اور کنوؤں میں عام کر دیا۔ پھر قدرت نے پانی کو جوہر سیال بنایا ہے جس میں بے شمار فوائد اور حکمتیں رکھ دی ہیں۔ پیاس پانی سے بجھتی ہے، دھلائی اور غسل اس کے ذریعے ہوتا ہے۔ فصلوں کو سیراب اس سے کیا جاتا ہے۔ انسان کو خوراک بھی اس پانی سے مہیا کی جاتی ہے۔ قدرت نے پانی میں وہ خاصیتیں رکھ دی ہیں جس کی وجہ سے اسی میں رہنے والے حیوانات کی زندگی برقرار رہتی ہے۔ دیکھیں! اگر پانی دوسری چیزوں کی طرح منجمد ہونے سے بھاری ہو جاتا یا اس کی پوری مقدار اوپر سے نیچے تک منجمد ہو جایا کرتی تو سمندر میں رہنے والے حیوانات کہاں جاتے لیکن قدرت نے اس طرح بنایا کہ پانی کے منجمد ہونے کے ساتھ ساتھ سمندری مخلوق کو کوئی تکلیف نہ پہنچے بلکہ ان کے لیے سامانِ آسائش وراحت پہنچائے اور سکڑ بھی جائے لیکن وزن میں اضافہ نہ ہو بلکہ اس کے برعکس ہلکا ہو جائے، پھر جب پانی جمنے لگتا ہے تو وہ کثیر مقدار میں حرارت خارج کرتا ہے۔ اگر پانی میں یہ خصوصیات نہ ہوتیں تو سمندر کے اندر بے شمار حیوانات کی زندگی ناممکن ہو جاتی اور پانی دقیق اور سیال ہونے کے باوجود اس پر ہزاروں بلکہ لاکھوں من وزنی جہاز بڑے بڑے وزن لے کر مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک سفر کرتے ہیں۔ الغرض اس جیسے بے شمار فوائد ہیں جن کا احاطہ دشوار ہے، بڑی سے بڑی کتاب بھی ان کے لیے ناکافی ہو گی۔

انسان کا غذائی نظام دیکھیے! گندم، جو، مکئی، ٹماٹر، مرچ، آلو، بھنڈی اور قسم قسم کے گوشت الغرض قسم قسم کے کھانوں اور میووں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اپنے امراض کا جڑی بوٹیوں سے علاج کرتا ہے اور سورج اور چاند اور دیگر سماوی کرے اس کے فائدے میں لگے ہوئے ہیں اور یہ بات بھی مسلمات میں سے ہے کہ انسان زمین اور سماوی کروں اور دریاؤں اور پہاڑوں کے بعد وجود میں آیا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ یہ الگ الگ بکھرے ہوئے اجزاء کیسے ایک دوسرے کے مقصد سمجھ گئے؟ اور کس آلہ سے ایک دوسرے کو اپنے مقصد سے آگاہ کر دیا؟ کس مشورے اور میٹنگ میں یہ بات طے ہوئی؟ اور کون اس میں امیر بنا کہ دیکھو ہم سے بعض اجزاء ایک

طویل مدت کے بعد انسان تیار کریں گے جس کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہو گی تو ہم میں سے بعض ہوا بن کر اس کے کام آئیں گے اور بعض سماوی کروں کی شکل میں طرح طرح کی کارکردگیاں انجام دیں گے اور بالکل غلام کی طرح کام میں لگے رہیں گے۔ کوئی مرغی تو کوئی بکری بنے گی جس کے گوشت سے یہ بے چارہ انسان لطف اندوز ہو گا۔ کوئی میوے بن کر ان کی لذتوں میں اضافہ کرے گا۔ کوئی مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں بن کر اس کے مختلف امراض کے لیے شفایابی کا سامان مہیا کرے گا۔ اس طرح ہر ہر ذرہ مصروفِ عمل ہو گا۔ پھر یہ متفرق اجزاء کیسے سمجھ گئے کہ اگر چڑیا بنا ہو تو دانہ کھانے کے لیے چونچ اور اڑنے کے لیے پروں کی ضرورت ہو گی اور شاہ باز بنیں جو انسان کے لیے شکار کریں تو چونچ اور دوسری خاصیتیں ایسی ہوں جس کے ذریعے شکار کر سکیں اور ان کو کیسے پتہ چلا کہ فلاں پرندہ گوشت کھائے گا، فلاں دانہ کھائے گا اور اسی طرح ہر چیز کا نر و مادہ اور ان کی نسل تک بڑھانے کی کاریگری یہ الگ الگ کیسے سمجھ گئے کہ حیوانات اپنی زندگی میں دل، جگر، ہڈی، آنکھیں اور دوسرے اعضاء کے محتاج ہیں۔ پھر ان میں سے بعض اجزاء نے ایسی ایسی غلامیوں کو قبول کیا جو کوئی ادنی غلام بھی برداشت نہ کر سکے اور بعض نے ذبح ہو کر عجیب عجیب تکلیفیں سہیں۔ کیا اتنا عظیم سوچا سمجھا منصوبہ ایک بے شعور اور منتشر اجزاء سے وجود میں آنا ممکن ہے؟ اگر یہ ممکن ہے تو پھر یہ بھی ممکن ہو گا کہ:

یہ ساری دنیا کی کتابیں جو حکمت کی باتوں، مسجع قصیدوں اور نظموں سے بھری پڑی ہیں اور یہ ساری مصنوعات سوئی سے لے کر سماوی کروں تک پرواز کرنے والے جہاز اور کمپیوٹر تک کی مصنوعات اور تلوار سے لے کر ایٹم بم تک ہلاک کرنے والی اشیاء اور اسی طرح تمام انسانی ایجادات بھی ریت کے ٹیلوں سے خود بخود وجود میں آئی ہوں گی۔

تعجب ہے دہریوں پر کہ ایک سوئی تک کی ایجاد کو تو اپنی ایجاد سمجھتے ہیں لیکن اپنے وجود اور اپنی عقل جو عجیب و غریب چیزوں کی ایجادات میں مصروف ہے اور کائناتِ عالَم جو ساری اس کے فائدے میں صرف ہوتی ہے۔ پھر ان سب کچھ سے غافل ہو کر ساری کائنات اور اپنی ہستی تک کے وجود کو ایک بے حس و لا علم مادہ کی حرکت کا اتفاقی نتیجہ بتلاتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ اس قسم کی مضحکہ خیز حماقتوں کا صدور ان ہی لوگوں سے ہو سکتا ہے جنہوں نے فطرت اور اس کے دقیق، مضبوط اور مستحکم قوانین پر کبھی غور ہی نہیں کیا یا جن کی زندگی صرف فسق و فجور اور مسخرگی

میں گزری ہو ورنہ سچے اور صحیح سوچنے والے ہمیشہ کائنات کے ہر ہر ذرہ میں باری تعالیٰ کے کمالات اور خوبیوں کا مشاہدہ کرنے کے لیے پکار اٹھے کہ:(الحمد للہ رب العالمین)۔

سیسل بائس ہامان ماہر نباتات زیادہ غور و حوض کرنے کے بعد کہتے ہیں:

پانی کے ایک قطرے سے لے کر جو خورد بین سے بھی بمشکل دیکھا جاسکتا ہے فضائے بسیط میں پھیلے ہوئے ان دور دراز ستاروں تک نگاہ دوڑاؤ جو دور بین کے بغیر نظر نہیں آتے تمھیں ان میں فقید المثال نظم و ضبط نظر آئے گا۔ ان کے وظائف میں اس قدر یکسانیت پائی جاتی ہے کہ ہم اس کی بنیاد پر قوانین مرتب کرسکتے ہیں۔ فطرت کے مظاہر میں یکسانیت اور ہم آہنگی کے یقین ہی نے بے شمار انسانوں کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ اس یکسانیت کی تحقیق میں عمریں صرف کرلیں۔ اگر انہیں اس پر اعتماد نہ ہوتا تو وہ ایسی متاعِ عزیز کو اس کی تحقیق میں گنوانے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ اگر اس کائنات کی تہہ میں محض اتفاق کار فرما ہوتا تو پھر ہر نئے تجربے سے نت نئے نتائج بر آمد ہوتے، ان حالات میں کوئی ترقی ممکن نہ ہوتی، کائنات کا حسنِ انتظام اس بات پر شاہد ہے کہ اس کا کوئی ناظم ضرور ہے کیونکہ ناظم کے بغیر کسی کام میں یکسانیت پیدا نہیں ہوسکتی ہر نیا قانون جو دریافت ہوتا ہے زبانِ حال سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ:

میرا واضع خدا ہے۔ اس (سائنسدان) نے مجھے صرف دریافت کیا ہے۔("خدا موجود ہے" صفحہ:۲۶۶،۲۶۷)

ایلمر ڈبلیو مورد محققِ کیمیا لکھتے ہیں:

اگر مجھے جنگل میں چلتے چلتے اچانک ایک کٹیا مل جائے جس کے ارد گرد ایک خوبصورت پھلواڑی بھی ہو۔ اس کٹیا اور پھلواڑی کے وجود سے فوراً یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ کٹیا کسی شخص نے تعمیر کی ہے، کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ خود بخود وجود میں آگئی ہے۔ یہی حال عناصر اور قوانینِ فطرت کا ہے، معمولی عقل و خرد رکھنے والا انسان بھی جانتا ہے کہ کسی منصوبہ ساز ذات نے ان کی منصوبہ بندی کی اور پھر انہیں عملی جامہ پہنایا۔
("خدا موجود ہے" صفحہ:۲۴۶)

ایک سائنسدان اور محققِ کیمیا ڈاکٹر ٹامس ڈیوڈ یارکس لکھتے ہیں کہ:

بے شمار سائنسدانوں نے پانی کی ان حیرت انگیز خصوصیات کا مطالعہ کیا ہے اور ان عجائبات کی توجیہ کے سلسلے میں متعدد نظریات قائم کیے ہیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ عقل لڑا کر ہم چاہے اس بات کو

جان لیں کہ یہ سب کچھ کیوں ہوتا ہے۔ پھر اسے بھی ذہن میں رکھنے کا معاملہ صرف پانی کی عجیب و غریب خصوصیات تک محدود نہیں۔ اس کائنات میں اور نہ جانے کتنے بے حد و حساب مادے ہیں جن کی خصوصیات اتنی حیران کن ہیں کہ انسانی عقل ان کے مظاہر دیکھ کر مبہوت رہ جاتی ہے جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے ان معجزاتِ فطرت کی میں نے ایک توجیہ یہ کی ہے کہ کائنات کا وجود ایک عظیم خالق کی کاریگری کا شاہکار ہے اور اس کائنات میں صرف یہی نہیں کہ ہر چیز کی منصوبہ بندی نہایت جامع اور مکمل ہے بلکہ اس منصوبہ بندی میں خالقِ کائنات کی اپنی مخلوق کے لیے رحمت و شفقت اور محبت و خیر خواہی بھی پوری طرح نمایاں ہے۔

("خدا موجود ہے." جان کلورو مونزا:۱۹)

اسی طرح دنیا کے سر خیل سائنسدان جان کیپلر، مشگہ، بائل، جیمز جیز، ایڈ نگٹن، وائٹ ہیڈ اور پلنگ سب کے سب صرف ایک خدا کے قائل رہے اور بیسویں صدی کے نصف اول میں سائنٹیفک انقلاب کا نمائندہ آئن سٹائن جس کو ایٹمی قوت سے کام لینے کا بانی قرار دیا گیا ہے نہ صرف خدا کے قائل رہے بلکہ مذہب اور تصوف کی تعریف سے بھی رطب اللسان پائے جاتے ہیں۔

آئن سٹائن لکھتے ہیں کہ:

اعلی ترین جذبات جن کے ہم متحمل ہو سکتے ہیں وہ معرفت اور تصوف کے جذبات ہیں ان ہی میں تمام آرٹ اور سچی سائنس کا بیج پایا جاتا ہے AlbertEinsteinbyHciairEcuny))

آئن سٹائن کہتے ہیں کہ:

Theuniverse is ruled by mind and whether it by the mind of a mathematician or of an artist or of a poet or all of them it is the one reality which gives meaning to existence, enriches our daily task encourages our hope and energises us with faith where ever knowledge fails.

کائنات پر ایک زبردست دماغ حکومت کر رہا ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ دماغ ریاضی دان کا ہے یا مصور کا، شاعر کا یا اِن سب کا۔ یہ ایک حقیقت ہے جو ہماری حیات کو پر معنی بناتی ہے، امیدوں کو ابھارتی ہے اور جہاں علم کی روشنی ناکام رہے وہاں ہمارے یقین کو اور زیادہ مضبوط کرتی ہے۔

یہی مفکر ایک اور مقام پر کہتا ہے کہ:

Hewhocannolongerpausetowonderandstandraptinaweisasgoodasdead.His eyesareclosed.

وہ انسان جو اظہار تعجب کے لیے ٹھہرتا نہیں اور اس پر خشیت و تقویٰ کی کیفیت طاری نہیں ہوتی وہ مر چکا ہے اور اس کی آنکھیں بصارت سے محروم ہو چکی ہیں۔(ماخوذ)

اللہ تعالیٰ کا وجود اتنا آشکارا اور بدیہی امر ہے کہ عقل اور وجدان انسانی اس بات پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کائناتِ عالم کے لیے ایک دانا مختار ہستی کو مانیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تعلیم ہمیشہ توحید اور قیامت کے وقوع کے لیے ہوئیں۔ البتہ جب کبھی ایسے افراد سے واسطہ پڑتا ہے جن کی عقل اور وجدان کسی روحانی بیماری کی وجہ سے اندھے ہو جاتے ہیں جیسا کہ قوتِ شامہ میں نقص پڑ جانے سے خوشبو اور بدبو کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے خوشبو اور بدبو کے وجود سے انکار کیا جاتا ہے یا شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو اسی طرح ایسے لوگ جب سرے سے اپنے خالق کے وجود میں شک وشبہ کرتے تھے تو نہایت تعجب سے ان کو خطاب فرماتے ہیں کہ:

اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

"کیا تم کو اللہ کے وجود میں شک وشبہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا بنانے والا ہے"۔

انبیا علیہم السلام ایسے لوگوں پر تعجب فرماتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہ کا وجود آفتاب سے بڑھ کر روشن ہے جو کسی برہان کا محتاج نہیں، لیکن مزید اطمینان کے لیے عقلی دلائل بھی ذکر فرماتے۔ قرآن مجید اسی قسم کے دلائل کو ایسے انداز کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے کہ عقلی اور فکری نقطۂ نظر سے کسی انسان کے واسطے کوئی بھی ایسی گنجائش نہیں چھوڑی کہ وہ ایمان نہ لائے۔

دوسرا حصہ

توحید

آخرت

ضرورتِ وحی

حقانیتِ اسلام

باب اول

توحید

دائمی انقلاب

جب یہ بات سمجھ میں آئی کہ خداوند قدوس کی ذات کا موجود ہونا ایسی بدیہی حقیقت ہے جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ تو یہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے واحد حقیقی ہونے کے بے شمار دلائل اور علامات موجود ہیں جن کی بنا پر کسی کے لیے یہ گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ممکنات کی پیدائش اور بقا میں کسی دوسری ہستی کے تصرف کو تسلیم کرے۔ انسان جب بھی اپنی ذات، آسمان و زمین کی تخلیق اور رات دن کے آنے جانے پر غور کرے گا تو وہ لامحالہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ کائنات کی کسی چیز میں بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی دوسری ہستی کا کوئی دخل نہیں ہے۔

بار ثبوت مشرک پر ہے

شرک اور توحید پر بحث کرنے سے پیشتر یہ طے کر لینا چاہیے کہ ان دونوں دعووں میں کس دعویٰ کی حیثیت اثبات کی ہے اور کس کی حیثیت انکار کی ہے۔ ظاہر ہے کہ مشرک ہی دوسرے خدا کا اضافہ کرنا چاہتا ہے پس مدّعی تو مشرک ہی ہے۔ رہا موَحِّد تو اس کا مقام صرف انکار کا ہے یعنی مشرک کے اضافہ کے اضافہ کردہ خدا کا وہ صرف انکار کرنا چاہتا ہے۔ بحث و تحقیق کا عام قاعدہ ہے کہ صرف مدعی ہی پر بارِ ثبوت ہوتا ہے منکر کے لیے صرف انکار کافی ہے۔ لہٰذا تعدّدِ الٰہ پر مشرک سے برہان و دلیل کا مطالبہ کیا جائے گا نہ کہ موَحد سے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَنۡ يَّدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرۡهَانَ لَهٗ بِهٖ

"اور خدا کے سوا جو دوسرے معبودوں کو پکارتا ہے۔ اس کے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں"۔

(سورت مؤمنون:۱۱۷)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

هٰٓؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡلَا يَاۡتُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۢ بَيِّنٍ

ترجمہ: "ہماری قوم کے لوگوں نے اللہ کے سوا جو معبود بنا لیے ہیں۔ کیوں نہیں وہ کھلی دلیل اس پر لاتے"۔

(سورت کہف:۱۵)

توحید کے متعلق قرآن مجید اس ٹھوس مطالبہ کو مختلف انداز میں بار بار پیش کر رہا ہے لیکن مشرکین کے پاس اپنے اس دعوے پر کوئی شہادت اور دلیل نہیں جو اس مطالبہ کا جواب بن سکے اور نہ ہی آئندہ اس کا جواب پیش کر سکیں گے۔ اب حق تو یہی ہے کہ ہم صرف مشرکین سے دلیل کا مطالبہ کرتے اور از خود کسی مزید دلیل کو پیش کرنے کی کوشش نہ کرتے لیکن پھر بھی تبرّعاً بے شمار میں سے چند دلائل بطورِ نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

محتاج خدا نہیں ہو سکتا

ظاہر ہے کہ شراکت ایک عیب اور نقص ہے جب کہ فردیت اور توحّد صفتِ کمال ہے۔ اب ہم شاہانِ دنیا (جن کو مجازی اقتدار حاصل ہے) کو دیکھتے ہیں کہ وہ مختصر سے ملک میں کسی دوسرے بادشاہ کے وجود کو برداشت نہیں کرتے اور اپنے ملک میں دوسرے کی شراکت کو برا مناتے ہیں اور جوں جوں ملک ترقی کرتا جاتا ہے اتنا شراکت سے نفرت بڑھتی جاتی ہے۔ پھر مقتدرِ اعلیٰ حقیقی اتنے بڑے عالم میں دوسرے کی شرکت کیسے گوارا فرمائیں گے؟ نیز اگر ایک خدا سے نظام چل سکتا ہے تو دوسرے خدا کی کوئی حاجت نہیں رہی اور جس کی کوئی حاجت نہ ہو تو وہ بے کار محض ہوتا ہے۔ پھر بے کار کیسے خدا ہو سکتا ہے؟ اور اگر ایک خدا تدبیرِ عالم کے لیے کافی نہیں بلکہ دوسرے خدا کی ضرورت ہے تو پھر ایک دوسرے کا محتاج ہوا اور احتیاج الوہیت کے منافی ہے یعنی محتاج کس طرح اِلٰہ ہو سکتا ہے؟

خدا کمزور نہیں ہو سکتا

خدا وہی ہو سکتا ہے جو اپنی ذات وصفات میں ہر حیثیت سے کامل اور مکمل ہو اور ہر قسم کے عیوب اور نقائص سے بھی پاک ہو، یعنی نہ وہ حادث ہو اور نہ مرکب جیسے اس کتاب کے پہلے حصہ میں مفصل گزر چکا ہے۔ نہ والد اور مولود ہو اور نہ وہ کسی حیثیت سے عاجز اور جاہل ہو اور نہ بے کار اور مغلوب ہو کہ کوئی دوسرا اس کے کام میں دخل اندازی کر سکے۔ اب (نعوذ باللہ) اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو دونوں لا محالہ اسی شان کے ہوں گے جس کو ہم نے ابھی بیان کیا ہے چنانچہ اگر دونوں میں سے ایک خدا کسی چیز کی ایجاد کا ارادہ کرے تو دوسرا اس کی مخالفت کی قدرت رکھتا ہے یا کہ نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہو تو اس خدا کا کمزور ہونا لازم آیا اور اگر جواب اثبات میں ہو تو دونوں کی مراد پوری ہونے میں اجتماع نقیضین لازم آیا جو محال ہے۔ لہٰذا ضرور بالضرور ایک کی مراد پوری ہوگی جس کے نتیجے میں دوسرا مغلوب ہو کر عاجز رہا اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی یہ کہے

کہ دونوں کا ہر ایک چیز میں اتفاق و اتحاد رہے گا تو ہم کہتے ہیں کہ اتفاق اور اتحاد کی بنا ہمیشہ ضرر سے بچاؤ یا کوئی اور ضرورت ہوتی ہے جو کہ مستلزم ہے احتیاج کو اور خدا محتاج نہیں ہو سکتا۔

خدا محدود نہیں ہو سکتا

اگر کوئی کہے کہ دونوں کا قبضۂ قدرت علیٰحدہ علیٰحدہ خطوں یا افعال میں مانا جائے تو سوال یہ ہے کہ ایک خدا دوسرے کی حدود میں کوئی تصرف کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟ اگر نہیں کر سکتا تو کمزور ہوا، اگر کر سکتا ہے تو دوسرا خدا اس کی مدافعت پر قدرت رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر مدافعت پر قدرت نہیں رکھتا تو عاجز ہوا، اگر مدافعت کر سکتا ہے تو پہلا خدا عاجز ہوا، چنانچہ دو خدا فرض کرنے میں لامحالہ ایک کا یا دونوں کا عاجز اور محتاج ہونا لازم آیا اور یہ بدیہی بات ہے کہ عجز اور احتیاج کے ساتھ خدائی نہیں ہو سکتی، بلکہ ایسی صورت میں خدا کی حکومت محدود ہو جاتی ہے کیونکہ پھر تو ضرور بالضرور ہر ایک کے لیے معین حدود ہوں گی اور محدود ہونا بذاتِ خود الوہیت کو باطل کر دیتا ہے کیونکہ خدا ضرور بالضرور غیر محدود ہو گا۔

تمام عقلا خدا کی وحدانیت کے قائل ہیں

یہی وجہ ہے کہ تمام عقلا خدا کی وحدانیت کے قائل ہیں چنانچہ کتاب کے پہلے حصے میں متعدد فلاسفروں اور سائنسدانوں کے اقوال و آراء کو ذکر کیا گیا ہے جو خدا کی وحدانیت کے قائل ہیں فاضل ڈاکٹر ڈی اولیری اپنی کتاب فلسفہ اسلام میں لکھتے ہیں کہ:

"فلسفے کے تمام مذاہب سے رفتہ رفتہ اس قطعی دعوے کا اظہار ہوتا ہے کہ خدا ایک ہے اور وہ وہ ابدی اور غیر متغیر ہے اور وہی کائنات کا اصل منبع اور اس کی علت اول ہے۔"[1]

آگے چل کر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:

فلاطینوس کی تعلیم میں خدا مطلق ہے یعنی حلقہ وجود اور حقیقت کے ماوراء وہی پہلی طاقت ہے۔ وجود اور کون کے متعلق ہم جو کچھ جانتے ہیں اس کی ذات پر اطلاق نہیں ہوتا اس لیے وہ ناقابلِ علم ہے کیونکہ وہ اسی سطح پر ہے جو ہماری فکر سے قطعاً ماوراء ہے، وہ غیر محدود ہے اور اس بنا پر ایک، کیونکہ غیر محدود ہونے کی وجہ سے اس کے علاوہ اور کسی وجود کا اس سطح پر امکان نہیں رہتا۔[2]

---

[1] فلسفہ اسلام ص ۲۴ مؤلف ڈی اولیری۔

[2] فلسفہ اسلام: ۲۷ مؤلف ڈی اولیری۔

جولین ہکسلے کا اعتراف

اسی طرح طویل غورو بحث کے بعد جولین ہکسلے کو بھی بالآخر کہنا پڑا کہ اگر کسی طرح کا خدا یا مافوق الفطرت ہستی کو تسلیم کیا جائے تو پھر خدائے واحد کی ہستی کے علاوہ کسی کا ہونا ممکن ہی نہیں۔ ①

خدا ناقص العلم نہیں ہو سکتا

انسان کا وجدان متعدد خدا کے وجود کو کیسے تسلیم کرے گا جب کہ وہ اس بات کو خوب سمجھتا ہے کہ اگر دو یا زیادہ خداؤں کو مانا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان میں ایک خدا دوسرے خدا سے اپنے اسرار اور ارادے پسِ پردہ رکھنے کی قدرت رکھے گا یا نہیں؟ اگر یہ قدرت رکھے گا تو دوسرا خدا عجز اور جہل کی بنیاد پر خدا نہ ہوا اور اگر یہ قدرت نہیں رکھتا کہ دوسرے سے کوئی راز یا ارادہ چھپائے تو اس عدمِ قدرت کی وجہ سے خود عاجز ہوا اور عجز خدائی کے منافی ہے۔ الغرض متعدد خدا فرض کرنے میں لا محالہ ایک یا سب کے سب کا جاہل یا عاجز و محتاج یا مغلوب و محدود ہونا لازم آتا ہے اور یہ سب باتیں خدائی کے خلاف ہیں لہٰذا خدا کے واحد حقیقی ہونے کے علاوہ تمام تر آراء اور عقائد عقلاً و نقلاً دونوں طرح سے مردود اور باطل ہیں۔

مشرک قومیں بھی علمی طور پر توحید کی قائل ہیں

یہی وجہ ہے کہ دنیا میں اللہ عزوجل کی ہستی کا یقین رکھنے والی جس قدر اقوام ہیں، وہ علمی طور پر مسئلہ توحید کی ضرور قائل ہیں اور ایک بت پرست بھی اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ وہ کثرت میں اس وحدت کو ثابت کر دے، چنانچہ عیسائی تین خدا ماننے کے باوجود کہتے ہیں کہ تینوں ایک ہیں اور اس بات کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں کہ کس طرح مسئلہ توحید کو سلامت رکھیں اگرچہ وہ اس مسئلہ میں پوری طرح ناکام اور غلطی پر ہیں تاہم اس سے اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ حقیقی تعدد کو وہ قومیں بھی گوارا نہیں کرتیں جو کامل توحید سے محروم ہو گئی ہیں۔

خدا نہ والد ہو سکتا ہے نہ مولود

جس طرح متعدد خدا نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح خدا والد اور مولود بھی نہیں ہو سکتا (العیاذ باللہ)۔ اگر خد کے لیے بیٹا فرض کیا جائے تو سوال یہ ہے مولود ممکن ② ہے یا واجب؟ اگر ممکن ہے تو والد اور مولود میں

---

① قرآن نمبر ڈائجسٹ جلد: ۱۴، اپریل ۱۹۷۰ء۔

② ممکن کسے کہتے ہیں؟ اس کی تشریح کے لیے کتاب کے پہلے حصے کے دوسرے باب کی طرف رجوع کیا جائے۔

مماثلت نہ رہی کیونکہ مولود کسی علت کا نتیجہ اور نوپید ہے اور والد واجب الوجود ہے حالانکہ والد اور مولود میں باہمی مماثلت اور ہمسری ضروری ہے۔ اگر یہ کہے کہ مولود بھی واجب الوجود، قدیم اور ازلی ہے تو مولود ہونا اور وجوب تو دونوں متضاد ہیں کیونکہ واجب الوجود کے معنی یہ ہیں کہ اس کا عدم ہر زمانے میں محال ہو اور ولد کا وجود تو ضرور بالضرور والد کے بعد پایا جائے گا، نیز مولود غیر کا محتاج ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں وجودِ وجوب کے منافی ہیں۔ لہٰذا مولود کو واجب الوجود تسلیم کر لینے کے بعد خدا پر والد کا حکم اور اس پر ولد کا حکم کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں تو یہ ایک مجرد حکم ہی رہے گا جس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ لا محالہ مستقل متعدد خداؤں کا قائل ہونا ہے جس کا بطلان واضح ہو چکا ہے۔

حادث خدا نہیں ہو سکتا

دوسری وجہ یہ ہے کہ مولود والد کا جزو ہوتا ہے اور جزو ممکن ہوتا ہے اور ہر ممکن حادث ہوتا ہے تو جب جزو کے لیے امکان ثابت ہو گیا تو کُل بھی ممکن ہو گیا حالانکہ امکان اور حدوث وجوب کے منافی ہیں لہٰذا خدا کے لیے بیٹا ہونا محال ہے۔ نیز اولاد کا ہونا اس واسطے ہوتا ہے کہ وہ حالتِ ضعف میں کام آئے اور اس کے کاروبار میں معاون بنے، اللہ تعالیٰ میں ضعف اور احتیاج محال ہے تو اس کے لیے ولد ہونا بھی محال ہے۔

خدا مرکب نہیں ہو سکتا

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہر مولود اپنے والد کا جز ہوتا ہے اور وہ چیز جس کا جز ہو مرکب ہوتی ہے اور مرکب چیز ممکن اور حادث ہوتی ہے۔ ممکن اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔ اب جب کہ یہ ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کے لیے والد ہونا ناممکن ہے تو مولودیت کا ناممکن ہونا خود بخود واضح ہو گیا۔ لہٰذا یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نہ والد ہو سکتا ہے اور نہ مولود۔ اللہ تعالیٰ والد اور ولد ہونے اور شرکاء سے مستغنی ہیں۔

حضرت عیسیٰ اور مریم دونوں اسباب کے محتاج تھے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم دونوں انسان ہیں، اور انسان ہونے کی حیثیت سے وہ تقریباً دنیا کی تمام چیزوں کے محتاج ہیں، مشاہدہ اور تواتر سے ثابت ہے کہ دونوں کھانے پینے سے مستغنی نہیں تھے اور جو شخص کھانے پینے کا محتاج ہو وہ تقریباً دنیا کی ہر چیز کا بلاواسطہ یا بالواسطہ محتاج ہو گا جو ذات اپنی بقا میں تمام انسانوں کی طرح عالمِ اسباب سے مستغنی نہ ہو وہ خدا کیونکر ہو سکتا ہے؟

توحید ایک فطری امر ہے

توحید ایک فطری اور بدیہی امر ہے۔بے شمار بتوں اور دیوتاؤں کو ماننے اور ان کو سجدہ کرنے والے بھی جس وقت اپنے آپ کو بالکل بے سہارا پاتے ہیں تو ان پر اپنی فطری حالت لوٹ کر آتی ہے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں سے صرف ایک ہی خدا کو پکارتے ہیں۔اس وقت ان کو نہ کسی دیوتا یا بت کا خیال آتا ہے اور نہ وہ کسی روح کی فکر میں ہوتے ہیں۔

توحید میں دنیا وآخرت کے فوائد

تمام مشرکین اگرچہ اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تخلیقِ عالَم اور اس کی ذات میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات،مافوق الاسباب افعال اور عبادات میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں جس کی بنا پر خالص اور مطلوب توحید سے محروم ہو کر ضلالت کے راستوں پر پڑ کر دنیا وآخرت کی بربادی مول لیتے ہیں۔عقیدۂ توحید یعنی صرف ایک خدا کی بندگی و عبادت انسان کو صحیح معنی میں انسان بنانے کا واحد ذریعہ ہے جو انسان کی تمام مشکلات کا حل ہر تکلیف اور مصیبت میں اس کے لیے پناہ گاہ ہے کیونکہ جو شخص یہ یقین کرے گا کہ عالم کا خالق ومالک اور تمام نظامِ عالَم میں متصرف اور تمام چیزوں پر قادر صرف ایک ذات ہے بغیر اس کی مشیت اور ارادے کے نہ کوئی ذرہ حرکت کر سکتا ہے اور نہ کوئی کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے تو اس کی پوری توجہ ہر مصیبت اور راحت میں صرف ایک ذات کی طرف ہو جائے گی ظاہر ہے کہ جب یہ عقیدہ کسی کے قلب و دماغ پر چھا جائے اور اس کا حال بن جائے تو دنیا ہی اس کے لیے جنت بن جائے گی۔ساری دنیا سے بے نیاز،خوف و خطر سے بالاتر زندگی گزارے گا۔

عصرِ حاضر میں اگرچہ توحید کے دعویدار بہت زیادہ ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ توحید کا رنگ ان میں رچا ہوا نہیں ورنہ ان کا وہی حال ہوتا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا تھا کہ نہ کوئی بڑی طاقت ان کو مرعوب کر سکتی تھی اور نہ کسی قوم کی عددی اکثریت ان پر اثر انداز ہو سکتی تھی اور نہ ان کی نظر کسی کے اسلحے یا بڑی سے بڑی سلطنت پر ہوتی۔تھوڑی سی مدت میں ساری دنیا پر چھا گئے تھے۔یہ وہی توحید ہے جسے قرآن مجید نے نقلی اور عقلی دلائل،فطری اور طبعی امور سے ایسے عام فہم انداز میں پیش کیا ہے جس کی بنا پر توحید کے ایک بدیہی اور فطری امر ہونے میں کسی کو انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

یہ چند باتیں اس مدعا کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، بخوف طوالت تفصیلی استدلالات ترک کر دیے ہیں توحید کے مقابلہ میں شرک کی شناعت وقبح ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی تاکہ ایسی رکیک وذلیل حرکت سے باز رہو۔

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا حماقت اور شرمناک گستاخی ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ☆

”اے لوگو! ایک مثل کہی ہے سو اس پر کان رکھو جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ہرگز نہ بنا سکیں گے ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہو جائیں اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی چھڑا نہ سکیں وہ اس سے بودا ہے چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے۔“ (ترجمہ از حضرت شیخ الہند الحج :۷۳)

سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْن☆عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْن☆

باب دوئم

آخرت

دنیا کا موجودہ نظام ابدی نہیں ہے، بلکہ ایک معین وقت پر (جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے) اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد اللہ عزوجلّ شانہ ایک دوسرا عالم بنائیں گے اور اس میں پوری نوعِ انسانی کو جو ابتدائی آفرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی بیک وقت دوبارہ زندہ کریں گے اور سب کو جمع کرکے ان کے اعمال کا حساب فرمائیں گے اور ہر ایک کو اس کے کیے کا بدلہ دیں گے۔ اللہ تعالی کے فیصلے کی رو سے جو لوگ بد ٹھہریں گے دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ اور جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ جنت میں جائیں گے۔ یہ عالَم جو موجودہ زندگی کے بعد شروع ہوتا ہے عالَمِ آخرت کہلاتا ہے۔

ناکامی اور کامیابی کا اصل معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی وبدحالی پر نہیں بلکہ در حقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے آخری فیصلے میں کامیاب ٹھہرے اور ناکام وہ ہے جو وہاں ناکام رہے۔

آخرت کی عقلی ضرورت

تمام سماوی ادیان اور ملل آخرت اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر متفق ہیں قیامت آنا، حساب وکتاب کا ہونا اور نیکی بدی کی سزا و جزا عقلاً بھی ضروری ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں اچھے اور برے اعمال کا بدلہ پورا نہیں ملتا بلکہ عموماً فُسّاق وفجار، ظالم اور چور وغیرہ دنیا میں عیش وعشرت سے زندگی گزارتے ہیں اور طرح طرح کے مزے اڑاتے ہیں۔ اول تو دنیا میں مجرموں کے جرم کا علم ہی اکثر لوگوں کو نہیں ہوتا اگر ہو بھی جائے تو حکومت کی کماحقہ نگرانی نہ ہونے کی وجہ سے اکثر پکڑے نہیں جاتے کچھ پکڑے بھی گئے تو حلال وحرام، جھوٹ، رشوت اور سفارش کے کتنے چور دروازے ہیں جن سے مجرم بغیر کسی سزا کے نکل سکتا ہے۔ اگر ہزاروں میں سے کسی سے ایک کو سزا مل بھی جائے تو وہ اس عمل کی پوری سزا نہیں ہوتی بلکہ آج کل تو حکومتی اور عدالتی جرم وسزا صرف اس بے وقوف کو ملتی ہے جو کوئی چور دروازہ نہ نکال سکے یا فقیر بے سہارا جو رشوت نہ دے سکے، ہوشیار، دولت مند، ظالم اور مجرم سزا سے بچ کر آزاد پھرتے ہیں۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ اس دنیا میں اعمال کی پوری جزا نہیں ملتی تو پھر اگر اس دنیا کے بعد دوسرے عالمِ آخرت اور جزا وسزا کا نفاذ نہ ہو تو دنیا میں کسی ڈاکے، چوری اور قتل کو جرم کہنا حماقت کے سوا کیا ہے؟

ایک چور یاڈاکو بعض اوقات ایک رات میں اتناذخیرہ جمع کرلیتاہے جو ایک دیانت دار، تعلیم یافتہ سالوں کی ملازمت اور محنت سے حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر آخرت اور اس کا حساب و کتاب نہ ہو تو اس چور ڈاکو کو شریف اور گریجویٹ سے بہتر اور افضل تسلیم کرناپڑے گا جس کو کوئی بھی عقل مند پسند نہیں کر سکتا۔ نیز یہ کہ اس کے برابر کوئی ظلم ہو سکتا ہے کہ چور، ڈاکو اور ظالم دنیا میں مزے اڑا کر نیک اور شریف سے زیادہ عیش عشرت میں زندگی گزارے اور اس کو اس کے کیے کا کوئی بدلہ نہ ملے، عقلاً یہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت آئے جس میں سب کا حساب ہو اور کوئی چور دروازہ نہ ہو جہاں انصاف ہی انصاف ہو اس میں نیک و بد کا پورا امتیاز ہو جائے۔

حکیم کا کوئی فعل بے کار نہیں ہو تا

غور کیجیے! کہ جس حکیم ذات نے بے انتہا حکمت اور معنویت کے ساتھ دنیا بنائی۔ جس میں انسان جیسی مخلوق کو اعلیٰ درجہ کی ذہنی اور جسمانی طاقتیں دے کر بقیہ تمام مخلوقات کو اس کی خدمت اور فائدہ رسانی پر لگادیا ہے کیا اس حکیم ذات نے انسان کو بے مقصد ہی پیدا کر دیا ہو گا کہ وہ دنیا میں من مانیاں کرنے کے بعد بس یوں ہی مر کر مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا، اس کے اچھے یا برے کام کا کوئی نتیجہ نہ ہو گا۔

اگر قیامت یا دوبارہ زندگی اور اعمال کا بدلہ جنت و دوزخ کچھ نہیں تو انسان کی تخلیق لغو اور بے مقصد ثابت ہوئی اور جب انسان کی تخلیق کا کوئی مقصد نہ رہا تو پوری کائنات کی تخلیق عبث اور بے کار ثابت ہوئی جو اس کی حکمت اور شان کے بالکل خلاف ہے۔ یہ مسلَّمہ ہے کہ حکیم کا کوئی فعل عبث نہیں ہو تا جس سے واضح ہو تاہے کہ عقلاً قیامت کا برپا ہونا ضروری ہے۔

آخرت کی فطری ضرورت

انسان کی فطرت میں راحت اور دائمی خوشیوں کا ولولہ موجود ہے اس لیے وہ اپنے لیے ایک ایسی دنیا تلاش کرنا چاہتا ہے جہاں وہ موجودہ دنیا کی محدودیتوں اور مشکلات سے آزاد ہو کر خوشی اور فراغت کی ایک دل پسند زندگی حاصل کر سکے۔ یہی مطلب آخرت کا ایک نفسیاتی ثبوت ہے جس طرح پیاس لگنا پانی کی موجودگی اور انسان کے درمیان ربط کا ایک داخلی ثبوت ہے، اسی طرح ایک بہترین دنیا کی طلب اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسی ایک دنیا فی الواقع موجود ہے اور ہم سے اس کا براہِ راست تعلق ہے۔

اسی پر بحث کرتے ہوئے وحید الدین خان صاحب فرماتے ہیں کہ:

جو لوگ اتنے بڑے نفسیاتی تقاضے کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ غیر حقیقی ہے مجھے نہیں معلوم کہ پھر اس زمین پر وہ کون سا واقعہ ہے جس کو وہ حقیقی سمجھتے ہیں؟ اور اگر سمجھتے ہیں تو اس کے لیے ان کے پاس کیا دلیل ہے؟ یہ خیالات اگر صرف ماحول کا نتیجہ ہیں تو وہ انسانی جذبات کے ساتھ اتنی مطابقت کیوں رکھتے ہیں؟ کیا دوسری کسی چیز کی مثال دی جاسکتی ہے جو ہزاروں سال کے دوران اس قدر تسلسل کے ساتھ انسانی جذبات کے ساتھ اپنی مطابقت باقی رکھ سکی ہو؟

کیا کوئی بڑے سے بڑا قابل شخص یہ صلاحیت رکھ سکتا ہے کہ ایک فرضی چیز گھڑے اور اس کو انسانی نفسیات میں اس طرح شامل کر دے جس طرح یہ احساسات انسانی نفسیات میں سموئے ہوئے ہیں۔

انسان کی بہت سی تمنائیں ہیں جو اس دنیا میں پوری نہیں ہوتیں۔ انسان ایک ایسی دنیا چاہتا ہے جہاں صرف زندگی ہو، مگر اسے ایک ایسی دنیا ملی ہے جہاں زندگی کے ساتھ موت کا قانون بھی نافذ ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ آدمی اپنے علم، تجربہ اور جدوجہد کے نتیجہ میں جب اپنی کامیاب ترین زندگی کے آغاز کے قابل ہوتا ہے، اسی وقت اس کے لیے موت کا پیغام آجاتا ہے۔ لندن کے کامیاب تاجروں کے متعلق اعداد و شمار سے معلوم ہوا ہے کہ پینتالیس، چھیالیس سال کی عمر کے درمیان جب وہ اپنا کاروبار خوب جما لیتے ہیں اور پانچ ہزار تا دس ہزار پونڈ (ایک لاکھ روپے سے زیادہ) سالانہ کمارہے ہوتے ہیں اس وقت اچانک ایک روز ان کے دل کی حرکت بند ہو جاتی ہے اور اپنے پھیلے ہوئے کاروبار کو چھوڑ کر اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔

ون وڈریڈی (Win wood Reade) لکھتا ہے کہ:

یہ ہمارے لیے غور طلب مسئلہ ہے کہ کیا خدا سے ہمارا کوئی ذاتی رشتہ ہے؟ کیا اس دنیا کے علاوہ کوئی اور دنیا ہے جہاں ہمارے عمل کے مطابق ہم کو بدلہ دیا جائے گا؟ یہ نہ صرف فلسفہ کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے بلکہ یہ خود ہمارے لیے سب سے بڑا عملی سوال ہے، ایک ایسا سوال جس سے ہمارا مفاد بہت زیادہ وابستہ ہے۔ موجودہ زندگی بہت مختصر ہے اور اس کی خوشیاں بہت معمولی ہیں جب ہم وہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں جو ہم چاہتے ہیں تو موت کا وقت قریب آچکا ہوتا ہے، اگر یہ واضح ہو سکے کہ ایک خاص طریقہ پر زندگی گزارنے سے دائمی خوشی حاصل ہو سکتی ہے تو بے وقوف یا پاگل کے علاوہ کوئی بھی شخص اس طرح کی زندگی گزارنے سے انکار نہیں کرے گا۔ (Martyrdom of man p414)

مگر یہی مصنف فطرت کی اتنی بڑی پکار کو محض ایک معمولی سے اشکال کی بنا پر رد کر دیتا ہے۔

یہ نظریہ اس وقت تک بظاہر بڑا معقول نظر آتا تھا جب تک گہرائی کے ساتھ ہم نے اس کی تحقیق نہیں کی تھی مگر جب ایسا کیا گیا تو معلوم ہوا کہ محض ایک لغو (Absurd) بات ہے اور اس کی لغویت کو بآسانی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ محروم العقل آدمی جو کہ اپنے گناہوں کا ذمہ دار نہیں ہے وہ تو جنت میں جائے گا مگر گوئٹے اور اوسو جیسے لوگ جہنم میں جلیں گے اس لیے محروم العقل پیدا ہونا اس سے اچھا ہے کہ آدمی گوئٹے اور روسو کی شکل میں پیدا ہو اور یہ بات بالکل لغو ہے۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے لارڈ کلون (Kelvin) نے میکس ویل کی (Maxwell) تحقیق کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ لارڈ کلون کا کہنا تھا کہ جب تک میں کسی چیز کا مشینی ماڈل (Mechanical Model) نہیں بنا لیتا اسے سمجھ نہیں سکتا اس بنا پر اس نے روشنی کے متعلق میکسویل کے برقی مقناطیسی نظریے کو قبول نہیں کیا کیونکہ وہ اس کی مادی فریم میں نہیں آتی تھی۔

طبیعات کی دنیا میں آج یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے جسے ڈبلیو این سولیون (Sullivan) کے الفاظ:۔۔۔ ایک شخص کیوں ایسا خیال کرے کہ فطرت کو ایک ایسی نوعیت کی چیز ہونا چاہیے جس کو انیسویں صدی کا انجینئر اپنے کارخانہ میں ڈال سکتا ہے۔ (The Limitations of Science Page, 9)

یہی بات مین ون وڈ کے مندرجہ ذیل اعتراض کے بارے میں کہوں گا۔ بیسویں صدی کا ایک فلسفی آخر یہ سمجھنے کا کیا حق رکھتا ہے کہ خارجی دنیا کو اس کے اپنے مزعومات کے مطابق ہونا چاہیے، مصنف کی سمجھ میں اتنی موٹی سی بات نہیں آتی کہ حقیقت واقعہ خارج کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ خود خارج حقیقت واقعہ کا محتاج ہوتا ہے۔ جب حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے اور اس کے سامنے حساب و کتاب کے لیے ہمیں حاضر ہونا ہے تو پھر ہر شخص کے لیے خواہ وہ روسو ہو یا عام معمولی شہری خدا کا وفادار بن کر زندگی گزارنی چاہیے۔ ہماری کامیابی حقیقت سے موافقت کرنے میں ہے نہ کہ اس کے خلاف چلنے میں، مصنف روسو اور گوئٹے کو یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنے آپ کو "حقیقت واقعہ" کے مطابق بنائیں بلکہ خود "حقیقت واقعہ" سے چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو بدل ڈالے اور جب وہ اپنے اندر تبدیلی کے لیے تیار نہیں ہوتے تو حقیقت واقعہ کو لغو قرار دیتا ہے حالانکہ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شخص جنگی راز کے تحفظ کے قانون کو اس بنا پر لغو قرار دے کہ اس کی رو سے بعض اوقات ایک معمولی سپاہی کا کام قابل تعریف قرار پاتا ہے اور روزن برگ جیسے ممتاز سائنس دان اور اس کی نوجوان حسین بیوی کو بجلی کی کرسی پر بٹھا کر پھانسی دے دی جاتی ہے۔ (1)

---

(1) علم جدید کا چیلنج۔

منکرینِ آخرت کا اشکال اور اس کا جواب

منکرینِ آخرت کا ایک بڑا اشکال یہ ہے کہ مرنے اور وفات ہونے کے بعد انسان کے اجزاء اور ذرات دنیا بھر میں منتشر ہو جاتے ہیں۔ ہوائیں اور دیگر مختلف اسباب اور ذرائع سے یہ ذرات سارے جہاں میں پھیل جاتے ہیں، پھر قیامت کے روز یہ تمام ذرات کس طرح دوبارہ زندہ کیے جائیں گے؟ مگر وہ اس وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ جس ذات نے اپنی حکمتِ بالغہ سے ساری کائنات کو زندگی بخشی اور اس کے وجود کے بقا کے لیے سارے جہاں کے ذرات کو جمع کر کے اس کی غذائیت کا سامان بناتا ہے اس کے لیے کیونکر مشکل ہو جائے گا کہ ان کے تمام ذرات کو دوبارہ جمع کر ڈالیں جب کہ ساری طاقتیں ہوا پانی وغیرہ اس کے حکم کے تابع اور مسخر ہیں بلکہ اس کے دوبارہ زندہ کرنے میں تردد کرنا خلاف عقل ہے، اگر ایک معمار ایک مرتبہ ایک مکان بنا چکا ہو تو دوبارہ ویسا یا اس سے بہتر مکان بنانا اس کے لیے دشوار نہیں ہوتا۔

اعادۂ معدوم کا شبہ باطل

بعض فلاسفر معاد جسمانی کا انکار اعادۂ معدوم کی بنا پر کرتے ہیں جس کو حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ:

فلاسفر کا انکار اس شبہ پر مبنی ہے کہ وجودِ اول ودوم ایک ہے اور عدم دو مغائر چیزوں میں آتا ہے۔ لہذا معدوم کا بعینہ اعادہ نہیں ہوتا اور قیامت میں سابق معدوم کا بعینہٖ اعادہ ہے، یہ شبہ بالکل باطل ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اول وجود کا زمانہ اور ہے اور دوم وجود کا اور۔ لہٰذا زمانِ اول کا وجود ختم ہوا اور دوسرے زمانے میں اس نے وجود پایا جو بعینہ پہلی چیز کا وجود ہے جو وجود پہلے زمانے میں آسکتا ہے وہ معدوم ہو کر دوسرے زمانے میں کیوں نہیں آسکتا؟ اگر یہ کہا جائے کہ زمانہ بدل جانے سے بعینہ پہلی چیز کا اعادہ نہیں ہوا کیونکہ پہلی چیز کی شخصیت کا جزو وہ زمانہ تھا جو نہیں لوٹایا گیا تو یہ غلط ہے کیونکہ زمانہ مشخص نہیں، اس لیے اس کی تبدیلی سے شخصیت نہیں بدلتی ورنہ کل کا آدمی آج کے دن میں پہلا شخص نہیں کہلائے گا کیونکہ کل اور آج کے زمانے میں فرق ہے۔ باقی اعادۂ معدوم کے استحالہ اور زمانے سے شخصیت کی تبدیلی کی غلطی ہم ایک مثال سے سمجھاتے ہیں۔

ایک انسان کا وجود اول زمانے میں ہونا اور پھر موت کے ذریعے معدوم ہو کر قیامت کے دوسرے زمانے میں موجود ہونا اس کو ایسا سمجھو کہ ایک آدمی لاہور سے کراچی چلا جائے گویا اس کا پہلا مکان لاہور تھا اس

سے گم ہو کر دوسرے مکان میں موجود ہوا اور درمیانی وقت میں لاہور سے چلا ہے اور کراچی نہیں پہنچا یہ اس کے لیے دونوں شہروں میں معدوم ہونے کا زمانہ ہے تو ایسا ہونے میں کیا محال لازم آتا ہے، انسان مر کر پہلے زمانے میں معدوم ہوا اور آخرت میں نہ پہنچنے کی حالت میں آخرت سے بھی معدوم ہے اور آخرت آنے پر وہاں دوبارہ موجود ہوا۔ کیونکہ زمان سے عدم اور مکان سے عدم میں کوئی فرق نہیں گویا لاہور کو وجودِ انسان کے لیے مانندِ دنیوی وجود سمجھو قیامت اور آخرت کے وجود کو بمثلِ وجود در کراچی اور درمیان میں قطع مسافت کے وقت اس کی جو حالت ہے کہ اس وقت وہ نہ لاہور میں ہے اور نہ کراچی میں، اس کو عالمِ برزخ اور قبر کی حالت کی طرح سمجھیں کہ مردگان نہ دنیا میں ہیں نہ آخرت میں۔

اسی طرح اگر زمانے کی تبدیلی سے دنیا کا شخص وہ نہیں رہا ہے جو قیامت میں زندہ کیا گیا کیونکہ زمانے کا فرق ہے۔ یہ دو وجہ سے غلط ہے ایک اس وجہ سے کہ زمانے سے اگر شخصیت بدلتی تو مکان کی تبدیلی سے بھی شخصیت بدل جائے گی، لہٰذا جو شخص لاہور میں ہے اگر وہ ملتان آجائے تو وہ دوسرا آدمی ہو گا اور پہلا نہ ہو گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وحدت کا مدار اجزائے اصلیہ اور روح کی وحدت پر ہے۔ اس کے علاوہ اگر کچھ فرق ہو تو اس میں سے عرفاً شخصیت نہیں بدلتی مثلاً اگر کسی آدمی کا رنگ پہلے سفید ہو، پھر گرم ملک میں دھوپ میں کام کرنے کی وجہ سے اس کا رنگ سیاہ ہو جائے تو سفیدی اور سیاہی کے فرق کے باوجود شخص ایک ہی رہے گا اس کو کوئی قانون دو قرار نہیں دے سکتا۔ اسی طرح اگر ایک آدمی جس کی عمر پندرہ سال ہو وہ تیس سال کا ہو جائے تو رنگ وروپ اور طول وعرض کا فرق ناگزیر ہے لیکن پھر بھی وہ ایک ہی شخص قانوناً کہلائے گا۔ کوئی حکومت اس کی تنخواہ کی ادائیگی سے یہ کہہ کر انکار نہیں کرے گی کہ جس عمر میں تیرا تقرر ہوا تھا اب کچھ تبدیلی ہوئی، لہٰذا تم دوسرے شخص ہونے کی وجہ سے تنخواہ کے حقدار نہیں اور نہ لمبے مقدمے میں کوئی عدالت یہ کہہ کر اس کا مقدمہ خارج کرے گی کہ تم بدل گئے ہو اب تم سابق مدعی نہیں رہے۔ اسی طرح اعمال نیک وبد کی وجہ سے اجزائے اصلیہ کی وحدت کے باوجود رنگ وروپ کا قیامت میں کچھ فرق ہو تو آدمی بعینہ وہی کہلائے گا۔

(علوم القرآن: مؤلف حضرت مولانا سید شمس الحق افغانیؒ)

آخرت کے وجود پر یقین کرنے والوں اور منکرین کے استدلالات

یہ تو معلوم ہے کہ مدت دراز دہریوں اور خدا پرستوں کے درمیان عالم کے حدوث اور قدم پر بحثیں

ہوتی رہی ہیں۔ منکرین ہمیشہ اس بات پر متفق ہیں کہ عالَم کائنات کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ انتہا۔ اس بنا پر وقوع قیامت اور آخرت کے وجود سے انکار کرتے ہیں حالانکہ ان کا یہ انکار کسی علمی برہان اور دلیل پر مبنی نہیں کیونکہ آخرت کا تعلق مادی دنیا سے نہیں ہے، بلکہ عالم ماورائے طبیعات سے ہے۔ تعقُّل و ادراک کی جو قوتیں انسان کو عطا کی گئی ہیں وہ سب دراصل مادی ہیں۔ عالَم ماورائے طبیعات عقل انسانی کی جولان گاہ نہیں ہے۔ ایک سائنس دان اور ایک فلسفی دونوں کا ذریعہ علم و تحقیق عقل ہے، ان کے پاس وہ مواد موجود نہیں ہے جس کی بنا پر وہ حقائق ماورائے طبیعات کے متعلق کوئی حکم لگا سکیں یا انکار کریں اس لیے کہ کسی شئے کا انکار کرنے سے قبل اس کا علم ہونا ضروری ہے جس چیز کا علم ہی ممکن نہیں اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ کسی چیز کے متعلق لاعلمی کے معنی ہرگز یہ نہیں ہوتے کہ اس چیز کا وجود نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ منکرین کا انکارِ آخرت بالکل بے بنیاد ہے اور ان کا انداز غیر علمی ہے۔

دوسری طرف خدا پرست ثبوتِ آخرت میں انبیا علیہم السلام کی آسمانی تعلیمات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ تمام انبیا علیہم السلام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب کے سب نے آخرت کی پیشن گوئی کی ہے اور ہر ایک نے اپنی اپنی امت کو اس طویل اور لامتناہی زندگی کو بہتر بنانے کی ترغیب دی ہے، ان کے پاس علم کا ایسا ذریعہ تھا جو عام لوگوں کے پاس نہیں ہے، ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اپنے قیاس یا گمان کی بنا پر ایسا کہتا ہوں، بلکہ تمام کے تمام نے کہا ہے کہ ہم کو اس بات کی خبر خالقِ کائنات نے دی ہے اور ان میں سے ہر ایک اس بات پر زندگی کے آخری لمحات تک جما رہا اور اس کی تبلیغ کرتا رہا۔

خدا پرست انبیا علیہم السلام کے علم اور دیانت پر اعتماد کرکے عالَمِ آخرت کو بلا شک و شبہ مانتے ہیں اور کائنات کی انتہا کے بارے میں عقلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اب تک کائنات کی کوئی ایسی صفت ہمارے علم میں نہیں آئی ہے جس کی بنا پر اس کو ازلی اور ابدی فرض کیا جا سکے، بلکہ اس کے برعکس کائنات میں تغیُّر و تبدُّل موجود ہے جو ازلیت اور ابدیت کے منافی ہے اور عالَمِ کائنات میں کسی چیز کے لیے دوام نہیں ہر چیز ایک مقررہ عمر پر پہنچنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور یہی معاملہ بحیثیت مجموعی عالَم کا بھی ہے، یہاں جتنی طاقتیں کام کر رہی ہیں وہ ایک محدود اور معین وقت تک کام کرکے ختم ہو جاتی ہیں جس سے صاف نظر آتا ہے کہ عالَم کائنات ایک خاص وقت (جس کا علم خدا کو ہے) میں درہم برہم ہو جائے گا۔

سائنس کا اقرار کائنات کے درہم برہم ہو جانے پر

اگرچہ خدا پرستوں کے یہ استدلال ایسے ہیں جو ایک سلیم الطبع اور صاحبِ عقل غیر متعصب کی تشفّی اور یقین دہانی کے لیے کافی ہیں۔ تاہم انیسویں صدی تک منکرین کا فریب اور ان کی بات کچھ چل جاتی تھی، مگر اب حرکیات کے دوسرے قانون کے انکشاف کے بعد یہ بات بالکل بے بنیاد ثابت ہو چکی ہے۔ یہ قانون جسے ضابطہ ناکارگی کہا جا سکتا ہے ثابت کرتا ہے کہ عالم کائنات نہ ازلی ہو سکتی ہے اور نہ ابدی۔ لازماً اس کی ابتداء اور انتہا ہو گی۔

سائنس دانوں کے نظریئے ملاحظہ فرمایئے

امریکی ماہر حیوانات حشرات، ایم۔ ایس۔ سی۔ ایچ۔ ڈی ایڈورڈ لوتھر کیسل لکھتا ہے کہ:۔

حرکیات کے حرارت کا دوسرا قانون جسے ضابطہ ناکارگی (Law of Entropy) کہا جاتا ہے اس آخری تصور کی نفی کرتا ہے۔ یہ حقیقت سائنس نے ثابت کر دی ہے کہ کائنات ہمیشہ سے نہیں ہے ضابطہ ناکارگی بتاتا ہے کہ حرارت ہمیشہ حرارتِ وجود سے بے حرارت وجود میں منتقل ہوتی رہتی ہے، لیکن اس چکر کو الٹا نہیں چلایا جا سکتا کہ یہ حرارت خود بخود کم حرارت وجود سے زیادہ حرارت کے وجود میں منتقل ہونے لگے۔ ناکارگی ممکن الحصول اور ناممکن الحصول توانائی کے درمیان تناسب کا نام ہے اور اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کائنات کی ناکارگی برابر بڑھ رہی ہے اور ایک وقت آنے والا ہے جب تمام موجودات کی حرارت یکساں ہو جائے گی اور کوئی کارآمد توانائی باقی نہ رہے گی، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کیمیائی اور طبعی عمل کا کوئی میدان باقی نہ رہے گا، زندگی ناپید ہو جائے گی اور ایک ہمہ جہتی جمود طاری ہو جائے گا۔

یہی بات جیمز جینز نے ان الفاظ میں کہی ہے:

موجودہ سائنس کا یہ خیال ہے کہ کائنات میں ناکارگی کا عمل (Entropy) ہمیشہ جاری رہے گا یہاں تک کہ اس کی توانائی بالکل ختم ہو جائے گی، یہ ناکارگی ابھی اپنے آخری درجہ کو پہنچی ہے اگر ایسا ہو گیا ہوتا تو ہم اس کے متعلق سوچنے کے لیے موجود نہ ہوتے۔ یہ ناکارگی اس وقت بھی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور اس بنا پر اس کا ایک آغاز ہونا ضروری ہے۔ کائنات میں لازماً اس قسم کا کوئی عمل ہوا ہے جس کو ہم ایک خاص وقت میں تخلیق (At a time) کہتے ہیں کہ یہ لامتناہی مدت سے موجود ہے۔ (Creation Mysterious P .133)

اولن کیرول کالکاٹس (کیمیاوی انجینئر) لکھتا ہے:

حرارتی قوت کا دوسرا قانون کائنات کے کسی متعین وقت پر ابتداء کا بہت پکا ثبوت ہے (یہ قانون طبیعاتی سائنس کے تمام تجرباتی اصولوں پر مبنی ہے) اور ظاہر یہ کرتا ہے کہ ناکارگی بڑھتی جارہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قانون اس بات کی پیشن گوئی کرتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب تمام کائناتی اجسام کا درجۂ حرارت ایک ہی ہو جائے گا۔ یہ بات صرف اسی حالت میں صحیح ہو سکتی ہے جب ان اجسام کا درجۂ حرارت موجودہ حالت میں یکساں نہ ہو اور اس سے پہلے بھی نہ رہا ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ کبھی بالکل ایک ہی درجۂ حرارت پر نہیں آسکتے کیونکہ جس رفتار سے درجۂ حرارت میں مطابقت ہونی شروع ہوتی ہے اسی طرح رفتار سے قوتِ محرکہ کمزور پڑ جاتی ہے، اس سے اس دلیل کے عملی نتائج میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر ہم مادے اور قوت کو دائمی مان لیں اور کائنات کی آفرینش یا ابتدا کو تسلیم نہ کریں تو اس ناکارگی کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ [1]

اب منکرین کے لیے عقل اور حکمت کا نام لے کر یہ دعوے کرنے کی گنجائش باقی نہ رہی کہ دنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی بلکہ اب تو کسی کو بھی قیامت سے انکار کرنا ممکن نہیں رہا ہے۔

قیامت کا وقوع تواتر سے ثابت ہے

قیامت کا آنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، حساب وکتاب کا ہونا، یہ سب کچھ ایسے تواتر سے ثابت ہے جو کسی مشاہدے سے کم نہیں ہے اور یہ بدیہی امر بن جاتا ہے کیونکہ نسل در نسل دنیا کے مختلف اطراف اور قرنوں میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش ایسی ہستیاں آئیں جن کے صدق اور عدل پر اپنے اپنے زمانہ کے تمام لوگ موافقین اور مخالفین دونوں متفق تھے کسی ادنیٰ معاملہ میں ان کے متعلق غلط بیانی کا تجربہ نہیں ہوا۔ ان کی سیر تیں انتہا درجہ پاکیزہ اور بے داغ ہیں، عمل وکردار میں یکتائے روزگار، انسانوں کے ہمدرد اور دل سے خیر خواہ، سب کے سب سنجیدہ، کامل العقل اور سلیم الفطرت، ہر کمال وخوبی میں سارے انسانوں سے افضل اور زبان ان کی تعریف سے قاصر ہے، ان کی زندگیاں ان کی عظمت وبزرگی پر شاہد ہیں، ان کے مخالفین بھی ان کے صدق وامانت کی گواہی دیتے تھے۔ ان عظیم ہستیوں میں سے ہر ایک نے یہ دعوی کیا ہے کہ اس نے اللہ تعالی کے ساتھ بلاواسطہ یا بالواسطہ باتیں کی ہیں اور اس سے خاص تعلقات ہیں۔ تمام کے تمام نے ایک اللہ تعالیٰ

---

[1] "خدا موجود ہے۔" مؤلف جان کلورومونزا۔

کے وجود، اس کی صفات و عقائد اور احکام اپنی اپنی قوم اور زمانے والوں کو بتائے ہیں۔ اتنی کثیر تعداد میں انسان جو مختلف زمانوں اور مختلف مقامات پر ایک خدا کے ماننے اور بنیادی اصول میں متفق رہے اور یہی بات ہر ایک نے پورے علم اور یقین سے کہی ہے۔ ان میں سے ایک کی مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی نے اپنے اس دعوی میں آخری سانس تک ذرہ برابر کوئی تغیرّ و تبدّل کیا ہو۔ اب کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ جو لوگ زندگی کے تمام معاملات میں سچے اور کھرے ہوں، وہ خاص اس بات میں یک زبان ہو کر جھوٹ بولیں حالانکہ اس بات میں ان کا کوئی ذاتی فائدہ بھی نہ تھا، بلکہ اس کے برعکس ان میں بہتوں کو اس دعوی کی خاطر انتہائی درجہ کے مصائب سے دوچار ہونا پڑا حتی کہ بعض کو آرے سے چیر ڈالا گیا۔ سینکڑوں کو قتل کیا گیا۔ پھر ایسے حالات میں بھی ان کا اپنے دعوی پر قائم رہنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل صحیح اور ثابت ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے توحید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی کہی ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے جس کے بعد ایک طویل زندگی کا آغاز ہو گا جو نہ ختم ہونے والی ہے اور اس طویل زندگی کو پر مسرت گزارنے کا دارومدار موجودہ تھوڑی سی زندگی پر ہے، اگر اس زندگی کو اللہ تعالی پر کامل یقین اور اعتماد اور اس کے بتلائے ہوئے احکامات پر گزاروگے تو اس طویل زندگی میں ہر طرح کے عیش و عشرت کا سامان میسر ہو گا اور اگر اس قلیل سی زندگی کو ہوائے نفس اور شک و شبہ میں گزار دوگے تو اس لامتناہی زندگی میں سوائے حسرت کے کچھ نہیں ہو گا جس کا پھر کوئی علاج نہ ہو گا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ☆ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ☆ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ☆ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ☆ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ☆

"اور ہم نے جو بنایا آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ ہے کھیل نہیں بنایا، ان کو تو بنایا ہم نے ٹھیک کام پر، بہت لوگ نہیں سمجھتے، تحقیق فیصلہ کا دن وعدہ ہے ان سب کا، جس دن کام نہ آئے کوئی رفیق کسی رفیق کے کچھ بھی اور نہ ان کو مدد پہنچے، مگر جس پر رحمت کرے اللہ بے شک وہی ہے زبردست رحم والا"۔

(ترجمہ: شیخ الہند رحمہ اللہ سورت دخان:۳۸ تا۴۲)

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ☆

”ہم نے جو بنائے آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ میں ہے سو ٹھیک کام پر اور ایک وعدہ پر اور جو لوگ منکر ہیں وہ ڈر کو سن کر منہ پھیر لیتے ہیں۔“ (ترجمہ از حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سورت احقاف: ۳)

یعنی آسمان اور زمین اور یہ سب کارخانہ اللہ تعالی نے بے کار نہیں بنایا بلکہ کسی خاص غرض و مقصد کے لیے پیدا کیا ہے جو ایک معین میعاد اور ٹھہرے ہوئے وعدہ تک یوں ہی چلتا رہے گا تا آنکہ اس کا نتیجہ ظاہر ہو اسی کو آخرت کہتے ہیں جو کچھ مسئلہ آخرت پر لکھ دیا گیا ایک منصف مزاج کے لیے عالم آخرت پر یقین کرنے کے لیے کافی ہو گا۔ مزید تفصیل کے لیے ”الرسال الحمدیۃ السفارینی“”شرح مواقف، شرح مقاصد“”اتحاف شرح احیاء العلوم“ اور دیگر کتب علم الکلام کا ملاحظہ فرمائیں۔

باب سوئم

ضرورتِ وحی اور نبوت

وحیِ الٰہی ایک فطری ضرورت ہے

وحیِ الٰہی اور نبوت کی حقیقت صرف ایمانی اور اعتقادی حد تک محدود نہیں بلکہ فطری لحاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے رشد و فلاح کے حصول اور جملہ عملی قسم کی گمراہیوں اور ہلاکتوں سے تحفظ حاصل کرنے کے لیے پیغمبرِ خدا کی ہدایت کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

حضرت مولانا سید شمس الحق صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انسان بدن اور روح کا مجموعہ ہے۔ وہ بدن اور جسم کے لحاظ سے جسمانی محبوبات مثلاً کھانے پینے، پوشاک، مکان اور ان محبوبات کی تحصیل کا خواہشمند ہے مثلاً مال کا خواہاں ہے یعنی ان سے فطرۃً محبت کرتا ہے۔ اسی طرح اپنی روحانی خواہش کے فطری تقاضا کے تحت وہ فطرۃً خالقِ کائنات اور خدا سے محبت کرتا ہے جو اس کا فطری تقاضا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی پوری تاریخ میں اس حبِّ الٰہی کے تقاضا سے خالی نہیں رہا خواہ اس نے فطری تقاضا کا صحیح اظہار کیا ہے جیسے مؤحدین و مومنین نے یا غلط اظہار کیا ہے جیسے مشرکین اور بت پرستوں نے کہ انہوں نے غیر اللہ کو اللہ کا مظہر سمجھ کر اس کی عبادت کی لیکن ان دونوں صحیح اور غلط طریقوں کی پرستش کا اصلی محرِّک حبِّ الٰہی کا فطری جذبہ رہا یہاں تک کہ روس اور چین کے منکرین بھی اسی جذبے کی وجہ سے مجبور ہوئے کہ چونکہ اس فطری جذبہ حبِّ الٰہی کو مٹایا نہیں جا سکتا اس لیے انہوں نے اس فطری جذبہ کی تسکین کے لیے لینن اور ماؤزے تنگ کی تصویریں اور مجسمے قدم قدم پر نصب کر دیے۔ جن کی پرستانہ تعظیم انہوں نے عملاً جاری کی، میں نے "کمیونزم اور اسلام" نامی اپنی کتاب میں کمیونسٹوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ خدا کی جگہ پر لازم ہے کہ ہم ایک مصنوعی خدا لوگوں کے لیے بطورِ بدل تجویز کریں تاکہ اس فطری جذبے کی تشکیل کا سامان ہو، چنانچہ انہوں نے اشتراکیت کے ممتاز لیڈروں کو یہ مقام دے دیا۔ بہر حال اس سے ثابت ہوا کہ محبتِ الٰہیہ ایک فطری جذبہ ہے اور ہر جذبے کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ اس حبِّ الٰہی کے لیے مظہر ہونا ضروری ہے اور وہ مظہر خدا کی پسند اور ناپسند کی پیروی کرنا ہے کیونکہ ہر محبوب کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جو امور اس کو پسند ہوں، محب اس کو بجا لائے اور جو ناپسند ہوں ان سے اجتناب کریں تاکہ جذبہ محبت کی تکمیل ہو۔ لیکن اس امر کا فیصلہ

کہ خدا کی پسند اور ناپسند چیز کون سی ہے تاکہ اس کی مرضیات اور لامرضیات کا پتہ لگ سکے۔ یہ اس وقت ممکن ہے کہ خدا خود اپنے کلام کے ذریعے اپنی پسند اور ناپسند امور کا تعین کر دے۔ خدا تو بہت بلند ہے اپنے جیسے انسانوں کی مرضی اور لامرضی اور پسند وناپسند کا پتہ ہمیں نہیں لگ سکتا تاوقتیکہ وہ اپنے کلام کے ذریعے سے اس کی وضاحت نہ کرے یہاں تک کہ میزبان کے پاس اگر مہمان آجائے تو اس سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ تم کس قسم کا کھانا پسند اور کون سا ناپسند کرتے ہو تاکہ اس کے مطابق انتظام کیا جائے۔ جب مہمان قول اور کلام کے ذریعے بتلادے تب اس کے پسند کے کھانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ خدا کی محبت کی تکمیل کے لیے وہ ہمیں بتلادے کہ فلاں عقائد، اخلاق واعمال واقوال اس کو پسند ہیں اور فلاں ناپسند تب جاکر اس کی رضامندی کی راہ کھل سکتی ہے اور محبت کا تقاضا پورا ہو سکتا ہے یہ بتلانا بغیر کلامِ الٰہی کے ناممکن ہے اسی لیے وحی اور کلامِ الٰہی کی ضرورت ہے تاکہ اس کی مرضیات اور نامرضیات کا علم حاصل کیا جاسکے اور وہ کلام قرآن ہے جس سے ضرورتِ قرآن ثابت ہوئی۔ (علوم القران :۱۳۰،مؤلف حضرت علامہ سید شمس الحق صاحبِ افغانی ؒ)

عقل اور سائنس کا دائرہ کار مادیات ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے حواسِ ظاہرہ دیگر حیوانات سے کمزور پیدا کیے گئے ہیں، انسان کی قوت باصرہ کوے اور شہباز اور کتے وغیرہ سے بھی کم ہے اور اس کی قوت شامہ اونٹ اور چیونٹی وغیرہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے اور قوتِ سامعہ کتے اور قراد (چچڑی) وغیرہ کی نسبت ہیچ ہے۔

الغرض انسان حواس اور انسانی جسم کی قوت کے لحاظ سے اکثر جانوروں سے درجہ میں کم ہے، اسی طرح مختلف جانوروں کو ان کی حفاظت کے لیے مختلف اسباب دئے گئے ہیں۔ کسی کو تیز دوڑنے کی قوت، کسی کو نوکیلے دانت، کسی کو تیرنا، کسی کو سینگ، کسی کو اڑنا، کسی کو تیز پنجے، کسی کو ڈنک مارنے کی طاقت، کسی کو دانتوں کا زہر۔ اسی طرح مختلف آلات واسلحہ سے مسلح کر دیے گئے ہیں۔ مگر انسان کو دیکھو اس کے پاس بچاؤ کے وہ آلات نہیں ہیں جو دیگر حیوانات کے پاس ہیں۔ جس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ انسان قوت وحواس اپنے بچاؤ اور بقا میں دوسرے جانوروں کی نسبت کمزور پیدا کیا گیا ہے مگر ان سب کی جگہ اس میں تعقُّل وادراک، ذہن اور ارادے کی زبردست قوتیں ودیعت کر دی گئی ہیں اور یہی معنوی قوتیں اس کی ہر قسم کی ظاہری کمزوریوں کی تلافی کرتی ہیں، ان معنوی قوتوں سے تیز دوڑنے والے جانور اور ہوا میں اڑنے والے پرندوں کو گرفتار کرلیتا ہے اور بڑے بڑے دانتوں والے اور ضخیم ہاتھیوں اور اسی طرح دیگر حیوانات پر حکمرانی کرتا ہے چنانچہ

ان کو پکڑ لیتا ہے اور ان سے طرح طرح کے کام لیتا ہے اور ان ہی قوتوں کے ذریعے خود ایجاد کر کے بالواسطہ ایسا تیز دوڑتا ہے کہ ہرن جو فی گھنٹہ ساٹھ میل کی رفتار سے دوڑتا ہے کہیں اس سے آگے اور تیز جا سکتا ہے اور ہوا میں ایسا تیز اڑتا ہے کہ بوٹ فلائی مکھی جو چار سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جاتی ہے اپنی تیزی کو بھول جاتی ہے اور ایسے تیز دیکھتا ہے کہ باز کی بینائی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے۔ الغرض وہ ان معنوی قوتوں کی وجہ سے تمام حیوانات سے ہر لحاظ سے آگے بڑھ جاتا ہے اور اپنے بچاؤ کے لیے ہزاروں قسم کے ہتھیار اسلحہ تیار کرتا ہے اور یہی قوتیں انسان کی بہترین رفیق اور معاون ہیں۔ انسان کی عظمت ورفعت، تہذیب وتمدن، علوم وفنون، ایجادات وانکشافات سب ان معنوی قوتوں کی مرہونِ منت ہیں مگر عقلِ انسانی اور اس کے اِدراک ذہن کا دائرۂ کار عالم مادیات ہے۔ اس حد سے آگے انسان تحقیق کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔

مثال کے طور پر انسان جب دیکھتا ہے کہ کروڑوں قسم کے بحری وبری حیوانات آفتاب و مہتاب تمام فلکیات کا مضبوط نظام نباتات وجمادات کے دلفریب مظاہر، پہاڑوں اور دریاؤں کے محیر العقول مناظر کو اللہ تعالیٰ نے اس کمزور انسان کے لیے بنایا۔ عالمِ کائنات کی تمام طاقتیں اس کی خدمت کے لیے مسخر کی گئی ہیں اور ساری کائنات کی بادشاہت اس ضعیف البنیان کی خدمت میں سرگردان کر دی گئی ہے اور انسان اس کو بھی جانتا ہے کہ میں کائنات کا خالق ومالک نہیں اور نہ ہی میں نے اپنی طاقت وقوت سے ان سب کو مسخر کر رکھا ہے بلکہ واحد ویکتا ذات نے ان سب چیزوں کو میرے لیے مسخر اور خدمت گار بنا دیا ہے آخر کار لامحالہ اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ خالق ومالک جلّ شانہُ نے ساری کائنات کو میرے لیے بنا دیا ہے تو مجھے بھی ضرور کسی کام کے لیے بنایا ہوگا کیونکہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ عالم کائنات کی قوتیں جس ضعیف البنیان کی خدمت میں لگا دی گئی ہیں اس کو بے کار پیدا کیا گیا ہے یہاں تک تو عقل کی رسائی ہو سکتی ہے، لیکن انسان کی عقل یہ معلوم نہیں کر سکتی کہ آخر وہ کون سا کام ہے جس کے لیے مجھے پیدا کیا گیا ہے اور میرے ذمے خدا تعالیٰ کی طرف سے کیا فرائض ہیں۔ ایسی معلومات کے لیے وحی الٰہی کی ضرورت ناگزیر ہوئی جس کے ذریعے ہم اپنے مقصد اور اللہ تعالیٰ کے وہ فرائض جو ہمارے ذمے عائد ہوتے ہیں اور اس کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ اعمال کو معلوم کریں۔

روح کا انتظام ضروری ہے

انسان جسم اور روح دو چیزوں سے مرکب ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ نے پوری فیاضی سے کائنات کو فرش سے لے کر عرش تک جسم کی خدمت پر مامور کر دیا ہے اور پوری کائنات بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کے فطری تقاضوں

کو پورا کرنے اور اس کے بدن کی تیاری میں مصروف ہے، جب مخالف آب وہوا یا فاسد غذا یا کسی غیر موزوں فعل وحرکت کا ارتکاب یا کسی اور حادثہ کا شکار ہوتا ہے تو اللہ جلّ شانہٗ نے اس کے لیے جڑی بوٹیوں اور دیگر مختلف ایسی چیزوں کا انتظام فرمایا ہے جس کی وجہ سے وہ جسمِ انسانی مختلف بیماریوں وغیرہ سے شفایاب ہو سکتا ہے۔اب یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ روح بہ نسبت جسم کے بہت ارفع اور اشرف ہے،روح کے نکلنے کے بعد بدن بے کار ہو جاتا ہے۔ روح کی برتری اور فوقیت اس قدر واضح ہے جو کسی دلیل کی محتاج نہیں،جب اللہ تعالیٰ نے ادنیٰ چیز کی غذا اور شفا کا پورا انتظام کر دیا ہے تو آپ کا وجدان یہ کب باور کر سکتا ہے کہ روح جیسی ارفع اور اعلیٰ چیز کی غذا اور شفائے امراض (جیسے شرک، کذب، نفاق، حسد، بغض وغیرہ کو نظر انداز کر دیا ہو جو حکمتِ خداوندی کے سر اسر خلاف ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے روح کی غذا اور دوا کا باقاعدہ انتظام کر رکھا ہے لیکن بدن کے لیے مادی ہونے کی وجہ سے مادی غذا اور دوا کا انتظام کر دیا ہے۔ اسی طرح روح عالمِ بالا سے متعلق ہونے کی بنا پر اس کی غذا اور دوا کا انتظام عالمِ بالا سے کر رکھا ہے اور وہ انتظام وحی الٰہی اور سلسلۂ نبوت ہے۔

سعادت وشقاوت کے اصول بتلانے کے لیے وحی کی ضرورت ہے

انسان کی سعادت اور فلاح کے اصول اور روحانی صحت یابی کے لیے عقل اور سائنس کے تجسس کو انسان کی مکمل رہنمائی کے لیے کافی سمجھنا بالکل بے بنیاد ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عقل اور سائنس خلا کو مسخر کر کے نظامِ شمسی کے بڑے بڑے کروں کو زیر کر رہے ہیں اور بجلی کی قوت کو مسخر کر کے ہزار ہا قسم کی خدمات لے رہے ہیں اور آگے چل کر کیا کچھ کرے گی۔

مگر کسی کو اس سے انکار نہیں کہ عقل، وہم، رسم ورواج اور جذبات سے متاثر ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے اس میں خطا اور غلطی واقع ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں مختلف بے شمار راستے موجود ہیں اور انسان نے محض اپنی عقل اور فکر سے اب تک جتنے راستے ایجاد کیے ہیں وہ تمام کے تمام راہِ راست کے صحیح تصور اور عمل کے دریافت میں بری طرح ناکام ہو گئے ہیں اور یہی صحیح طریق اور تصور انسانی کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے۔ حضرت مولانا محمد ادریسؒ عقل کے دائرۂ کار کے موضوع پر لکھتے ہیں کہ:

عالم میں جس طرف بھی نظر ڈالتے ہیں ایک عظیم اختلاف نظر آتا ہے ایک ہی فعل ہے کہ ایک شخص اس کو مستحسن اور دوسرا قبیح سمجھتا ہے۔ اب معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک وہ حسن ہے یا قبیح؟ اور کون سی صورت خدا کے ہاں پسندیدہ ہے اور کون سی ناپسندیدہ؟ عقل اس سے بالکل قاصر ہے کہ ٹھیک ٹھیک

کسی شئے کا حسن و قبح بتلا سکے اس لیے کہ ہر انسان کو صرف اپنے اپنے اغراض پیشِ نظر ہوتے ہیں، دوسروں کے اغراض و مقاصد سے وہ بے خبر ہوتا ہے اس لیے بہت ممکن ہے کہ غلبہ ہوا اور حبِ غرض کی وجہ سے کسی شئے کو مستحسن سمجھ کر واجب قرار دے اور خلافِ غرض شئے کو قبیح سمجھ کر ناجائز اور حرام بتلائے اور دوسرا شخص اپنی غرض کی وجہ سے اس کا برعکس سمجھے۔ نیز اس ظلوم وجہول انسان سے ایک ہی شئے کے تمام اطراف وجوانب اور اس کے تمام حالات کا احاطہ قطعاً محال ہے اس لیے کچھ بعید نہیں کہ کوئی شئے بعض حالات میں حسن ہو اور بعض حالات میں قبیح اور یہ شخص ایک جانب سے بے خبر ہونے کی وجہ سے دوسری جانب کو علی الاطلاق حسن یا قبیح بتلادے۔ نیز طبائع بشریہ اوہام کی مطیع ہوتی ہیں، ان کی کسی تجویز کا آمیزش وہم سے بالکل منزّہ ہونا نہایت دشوار ہے جس مکان میں مردہ پڑا ہوا ہو اس مکان میں انسان شب گزارنے سے گھبراتا ہے حالانکہ اس کو یقین ہے کہ مردہ کسی قسم کی حس وحرکت نہیں کر سکتا لیکن یہ وہم ہے کہ ممکن ہے کہ اسی وقت یہ مردہ حس وحرکت کرنے لگے اور اٹھ کر مجھ کو چمٹ جائے۔

علامہ ابنِ خلدون فرماتے ہیں کہ عقل کی مثال اس ترازو کی سی ہے جس سے سونا چاندی اور جواہرات تولے جائیں۔ اگر اس ترازو سے سونے یا چاندی کا وزن معلوم کرنا ہو تو صحیح وزن معلوم کر سکتے ہو، لیکن اگر اس ترازو سے پہاڑوں کو تولنا چاہو تو یہ بالکل ناممکن اور محال ہے۔ اس طرح عقل سے اس کے دائرہ کار کی چیزیں معلوم کر سکتے ہیں، لیکن اگر یہ چاہو کہ اسی بے چاری اور کمزور عقل سے خداوندِ ذوالجلال کی ذات وصفات اور عالمِ غیب اور عالمِ ملکوت کی چیزیں معلوم ہوں تو یہ امر محال ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عقل بے کار ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ بارگاہِ خدا میں اور عالمِ غیب کی چیزوں کے ادراک اور معرفت میں قاصر اور درماندہ ہے۔ اپنے محدود دائرہ کی چیزوں کے معلوم کرنے کی صحیح میزان ہے، اس میں بے کار نہیں جیسے سونے، چاندی کو تولنے کی ترازو فی حد ذاتہ صحیح میزان اور صحیح ترازو ہے، سونے اور چاندی کا وزن ٹھیک بتلاتی ہے لیکن اس سے پہاڑوں کے وزن کا تصور کرنا حماقت ہے اور سائنس فقط ان امور کو بتلاتی ہے جو عقل اور تجربہ سے حاصل ہو سکیں جیسے ریل گاڑی اور برقی تار۔ اس قسم کے علوم میں وحی والہام کی ضرورت نہیں، تجربہ کافی ہے اور نبوت ان کمالاتِ علمیہ اور عملیہ کی رہنمائی کرتی ہے جہاں عقل اور حس کی رسائی نہ ہو۔ چراغ بے شک ایک روشن چیز ہے مگر آفتاب کے سامنے اس کی کیا حقیقت ہے؟ اسی طرح عقل بے شک ایک منور اور روشن شئے ہے مگر نورِ وحی اور آفتابِ نبوت کے سامنے اس کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے۔ (علم الکلام: ۱۴۳)

عقل اور وحی دونوں کے دائرے جدا جدا ہیں

بلاشبہ عقل کی پرواز مشاہدات کی خاص فضا اور خاص وقت میں محدود ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عقل اور سائنس مادی اشیاء کے حقائق کی سراغ رسانی میں ناکام ہیں، وہ مظاہرات اور صفات سے تو واقف ہو جاتے ہیں لیکن ذات سے واقفیت حاصل کرنے سے معذور ہیں۔ وہ یہ تو معلوم کرسکتے ہیں کہ پانی دو ایٹم ہائڈروجن اور ایک ایٹم آکسیجن سے تیار ہوتا ہے اور اس کے کیا فوائد ہیں؟ لیکن اب تک یہ نہیں بتا سکے کہ ایسی ترکیب سے پانی کیوں بنتا ہے؟ آکسیجن اور ہائیڈروجن گیس کی حقیقت کیا ہے؟ اس طرح وہ بجلی کو مسخر کرکے اس کے اوصاف تو معلوم کرسکتے ہیں لیکن اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں، وہ یہ معلوم کرسکتے ہیں کہ بارش، اولے اور زلزلے کس طرح یعنی کس ترتیب اور ترکیب کے ساتھ وجود میں آتے ہیں، لیکن وہ یہ بتانے سے عاجز ہے کہ بارش، اولے اور زلزلے کیوں ہوتے ہیں؟ اور کیوں نہیں ہوتے؟ وہ ہمیں یہ تو باور کرا سکتے ہیں کہ زندگی چند کیمیائی عناصر کی ترکیب و ترتیب سے حاصل ہو سکتی ہے لیکن وہ یہ معلوم نہیں کرسکتے کہ ان عناصر کی ترکیب و ترتیب سے زندگی کیوں پیدا ہوتی ہے؟ جیسا کہ زندگی کا راز کسی زمانے میں یوں بتایا گیا تھا کہ وہ نر اور مادہ کی باہمی اختلاط کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس سے حاصل کی جاسکتی ہے لیکن جس طرح اس وقت یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس اختلاط سے یہ نتیجہ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اب بھی وہی سوال اسی طرح باقی رہے گا کہ کاربن آکسیجن، ہائڈروجن اور نائٹروجن کی باہمی ترکیب و ترتیب سے زندگی کیوں پیدا ہو جاتی ہے؟ کیا جو شخص اس سے واقف ہو کہ تخم کو مٹی میں ملانے اور پانی دینے سے پودا پیدا ہو جاتا ہے یا حاصل کیا جاسکتا ہے اس نے اس سوال کو حل کر لیا ہے کہ پودا کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

الغرض سائنس اور عقل مادی اشیاء کی بناوٹ، ترکیب اور اس کے فوائد یا مضر اثرات کو معلوم کرسکتے ہیں، لیکن ان کے حقائق تک رسائی میں اب تک ناکام نظر آرہے ہیں۔ جب وہ اپنے دائرۂ کار میں عاجز اور درماندہ ہیں تو ماورائے طبیعات اور عالمِ غیب تک رسائی ان کے لیے کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟

لی کومٹ نے درست کہا ہے کہ: ”اس بات کا اظہار شاید تعجب خیز نظر آئے کہ سائنس کسی مسئلے کا قطعی اور قابلِ اطمینان حل پیش نہیں کرتا۔“

اشراقیت اور روحانیت کے حدود

عقل اور فلسفہ کے مقابلہ میں اشراقیت اور روحانیت ہے۔ یہ عقل پرستی کے خلاف ایک طبعی رد عمل

ہے جس کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ حق اور یقین کے دریافت کے لیے حواس، عقل، علمِ قیاس قطعاً مفید نہیں ہیں بلکہ مضر ہیں۔ صداقت اور حقیقت کے یقینی حصول کے لیے مشاہدہ شرط ہے اور یہ مشاہدہ صرف نورِ باطن، صفائی نفس اور ایک ایسے اندرونی حاسہ کو بیدار کر دینے سے ممکن ہے جو روحانیت اور ماوراء طبیعات کا اس طرح ادراک کرتا ہے جس طرح یہ ظاہری حواس ظاہری چیزوں کا ادراک کرتے ہیں۔ یہ حاسہ اس وقت بیدار ہو سکتا ہے۔ جس وقت مادیت کو فنا اور ظاہری حواس کو مردہ کر دیا جائے۔ حقائق کی تحصیل اس حکمتِ اشراق اور نورِ باطن سے ممکن ہے جو ریاضتوں، نفس کشی اور مراقبہ تفکر سے پیدا ہوتی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ انسان کے پاس ایسا باطنی اور اندرونی حاسہ ہے جس کو اگر بیدار کر لیں اور ترقی دیں تو اس اقلیم کے بہت سے عجائبات اور موجودات کا ادراک کر سکتا ہے جن کا ادراک کسی حاسہ ظاہری سے ممکن نہیں۔

یہ بالکل صحیح ہے بلکہ ممکن ہے کہ ایسے اور دوسرے حواس بھی ہوں، لیکن بہر حال یہ بھی حواس ہی ہیں جو اس طرح کمزور اور محدود ہیں جس طرح دوسرے حواس ظاہرہ اور اسی طرح خطا پذیر اور متاثر ہونے والے ہیں جس طرح انسان کی دوسری طاقتیں، ورنہ اس کے نتائج میں تعارض اور تناقص نہ ہوتا، اس میں شک واحتمال پیدا نہ ہوتا اور بڑے بڑے اہم مسائل میں خطا اور غلط روی ممکن نہ ہوتی بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس حاسہ کے محسوسات اور اس علم کی تحقیقات میں اس سے کہیں زیادہ تعارض و اختلاف ہے جتنا کہ حواسِ ظاہری کے محسوسات میں واقع ہوتا ہے اور اہلِ کشف واشراق کے علوم و تحقیقات میں اتنا تناقض اور تعارض ہے جس کی نظیر شاید عقلیت میں مل سکے۔

مذہب اور انسانی قوتوں کا دائرۂ کار

الغرض وحی، عقل اور اشراق سب کے دائرے جدا جدا ہیں۔ اشراق اور عقل کا تجسس خاص خاص فضا اور وقت کے ماحول میں محدود ہے۔ اس حد سے آگے مابعد طبیعات اور عالمِ مغیبات تک اس کی رسائی ممکن نہیں۔ مذہب اور وحی کا دائرہ کار محسوسات سے وراء الوراء ہے۔ وہ ہمیں اس دنیا کے حقائق کی خبر دیتے ہیں جہاں تک ہماری رسائی قطعی ناممکن ہے، وہ ہمارے ان سوالات کا حل پیش کرتے ہیں جس کے حل کرنے سے عقل، سائنس اور حکمتِ اشراق کی طاقتیں عاجز ہوتی ہیں مثلاً عالم کی حقیقت کیا ہے؟ اس کارخانۂ ہست وبود کی یہ

ہنگامہ آرائیاں کہاں جا کر ختم ہوں گی؟ اور اِس کائنات کی تخلیق کیونکر اور کس مقصد کے لیے ہے؟ چھوٹا سا کمزور انسان قدرت کے ان لامتناہی خزانوں پر کیونکر قابض ہے؟ اور اس کو ساری کائنات کیوں اور کس مقصد کے لیے سپرد کی گئی ہے؟ اور انسان کی سعادت اور شقاوت کے اصول کیا ہیں؟ روح انسان کو ابدی راحت اور قلب کو دائمی سکون پہنچانے کا راستہ کیا ہے؟ اور کہاں سے دریافت ہو سکتا ہے؟ یہ وہ فطری سوالات ہیں جن کے جواب انسان کو وحی الٰہی کے ذریعہ انبیاء کرام علیہم السلام کے توسط سے حاصل ہوتے ہیں۔ کسی دوسرے علم کی وہاں تک رسائی ممکن نہیں اس لیے ہر فلسفی، سائنسدان اور اشراقی پر لازم ہے اور ان کے لیے صحیح راستہ یہی ہے کہ وہ وحی الٰہی کے زیرِ نگرانی اپنا وظیفہ انجام دیں، ورنہ دنیا اور آخرت کی ٹھوکریں کھانا ان کا مقدر بن جائیں گی۔

وحی اور رسالت کی تردید کرنا کسی فلسفی کے بس میں نہیں

وحی اور نبوت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے اور یہ کوئی خلافِ عقل یا ناممکن چیز نہیں اور نہ دنیا کا کوئی فلسفہ اس کی تردید کر سکتا ہے انسان خود جو خدا کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ وہ ایک بے جان آلہ ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے الفاظ منتقل کر سکتا ہے اور روزانہ اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے اور مسمریزم جو ایک روحانی عمل ہے اس کے ذریعے ایک انسان اپنے خیالات اور باتیں مخفی طور پر دوسرے انسان کے ذہن میں ڈال دیتا ہے تو کیا خالقِ کائنات کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی بے جان آلہ میں نہیں بلکہ ایک منتخب رسول اور مقدس ہستی کے دل و دماغ میں اپنے کلام کو ڈال دیں۔

میرے استادِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ وحی اور نبوت پر محققانہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اگر آپ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ کائنات ایک قادر مطلق نے پیدا کی ہے اور وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمتِ بالغہ سے چلا رہا ہے اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کر کے اسے اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو اور اسے یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے؟ یہاں اس کے ذمہ کیا فرائض ہیں؟ اس کی منزلِ مقصود کیا ہے؟ اور وہ کس طرح اپنے مقصدِ زندگی بروئے کار لا سکتا ہے؟ کیا کوئی شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہوں ایسا کر سکتا ہے کہ اپنے کسی نوکر کو ایک خاص مقصد کے تحت سفر پر بھیج دے اور اسے نہ چلتے ہوئے اس کے سفر کا مقصد بتائے

اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعہ اس پر یہ واضح کرے کہ اسے کس کام کے لیے بھیجا گیا ہے؟ سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہو گی؟ جب ایک معمولی قسم کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا تو آخر اس خداوند قدوس کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جا سکتا ہے جس کی حکمتِ بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند، سورج، آسمان و زمین، ستاروں، اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے جس کے ذریعے انسانوں کو ان کے مقصد زندگی کے متعلق ہدایات دی جا سکیں۔ اگر اللہ تعالی کی حکمتِ بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا ہے بلکہ ان کی رہنمائی کے لیے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے بس اس باقاعدہ نظام کا نام وحی و رسالت ہے۔"

اس سے صاف واضح ہے کہ وحی محض ایک دینی اعتقاد ہی نہیں بلکہ ایک عقلی حقیقت ہے جس کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا انکار ہے۔ رہی یہ بات کہ وحی کے جو طریقے اوپر ذکر کیے گئے ہیں ہماری سمجھ میں نہیں آتے سو یہ وحی کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی علمی دلیل نہیں ہے جس چیز کی عقلی ضرورت اور اس کا وقوع ناقابلِ انکار دلائل سے ثابت ہو اسے محض اس بنا پر رد نہیں کیا جا سکتا کہ ہم نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا۔ آج سے چند سال پہلے اگر کسی شخص کے سامنے یہ ذکر کیا جاتا کہ عنقریب انسان ہوائی جہاز میں پرواز کر کے ہزاروں میل کا فاصلہ چند گھنٹوں میں طے کر لیا کریں گے تو وہ یقیناً اسے پریوں کا افسانہ قرار دیتا لیکن کیا اس کے مشاہدہ نہ کرنے سے ہوائی جہاز کی حقیقیت ختم ہو گئی ہے؟ آج بھی پس ماندہ علاقوں کے ہزارہا افراد ایسے ہیں جو اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ انسان چاند پر پہنچ گیا ہے لیکن کیا ان کے انکار کرنے سے یہ واقعہ غلط ثابت ہو گیا ہے؟ دیہات میں جا کر کسی آدمی سے کمپیوٹر سسٹم کی تفصیلات بیان کیجیے اور اسے بتائیے کہ کس طرح ایک مشین انسانی دماغ کا کام کر رہی ہے وہ آپ کے بیانات پر آخر تک شک و شبہ کا اظہار کرتا رہے گا لیکن کیا ان شکوک و شبہات سے کمپیوٹر کے وجود کا خاتمہ ہو گیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو وہ وحی جس کی عقلی ضرورت مسلم اور ناقابلِ انکار ہے اور جس کا مشاہدہ دنیا کے ایک لاکھ چوبیس ہزار صادق ترین انسانوں نے کیا ہے (علیہم السلام) اسے محض ان شکوک و شبہات کی بنا پر کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے اور آخر وحی کے طریقوں میں عقلی بُعد کیا ہے؟ کیا معاذ اللہ! خدا تعالی کو وحی کے ان طریقوں پر قدرت نہیں؟

اگر ایک سائنسدان اپنی محدود عقل کے بل پر پیغام رسانی کے لیے ٹیلیفون، تار، ٹیلی پرنٹر، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے حیرت انگیز آلات ایجاد کر سکتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ!) اتنی بھی قدرت نہیں ہے کہ وہ اپنے بندوں تک پیغام رسائی کا کوئی ایسا سلسلہ قائم فرمادے جو تمام ذرائع مواصلات سے مستحکم اور یقینی ہو۔ وحی کی حقیقت یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام کسی واسطے کے ذریعے یا بلاواسطہ اپنے کسی پیغمبر پر القا فرمادیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس بات کو درست تسلیم کر لینے میں عقلی قباحت کیا ہے؟ وحی کے ثبوت میں کسی انسانی ایجاد یا عمل کی مثال پیش کرتے ہوئے ہمیں تامل ہوتا ہے لیکن بات کو سمجھنے کے لیے یہاں ہم ایک ایسے انسانی عمل کو بطورِ نظیر پیش کرتے ہیں جس میں ایک انسان دوسرے کے قلب و دماغ مسخر کر کے اس میں جو خیال چاہے ڈال دیتا ہے۔

اس عمل کو صوفیاء کی اصطلاح میں تصرّف خیالی کہا جاتا ہے۔ صوفیا کرام کے تذکروں میں اس عمل کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جس کے ذریعے ایک شخص اپنی خیالی قوت سے دوسرے کے دل و دماغ پر اس طرح چھا جاتا ہے کہ اس سے جو چاہتا ہے کہلواتا اور جو چاہے کرواتا ہے۔ مادہ پرست لوگ ایک مدت تک اس تصرُّف کی قوت کا انکار کرتے رہے اور انہی کی تقلید میں بہت سے مسلمانوں نے بھی اسے قصہ کہانی سے تعبیر کیا یہاں تک کہ اٹھارویں صدی کے وسط میں سوئٹزرلینڈ کا مشہور ماہر طبیعات میسمر (Mesmer) پیدا ہوا۔ اس نے انسانی دماغ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور ۱۷۷۵ء میں اپنے ایک مقالے کے ذریعے یہ انکشاف کیا کہ ایک مقناطیسی عمل کے ذریعے انسان کے دماغ کو مسخر کیا جاسکتا ہے، اس عمل کو وہ تنویم (AnimaMagnetism) کہتا تھا اور فرانس میں مقیم رہ کر اس نے کامیاب عملی تجربے کیے لیکن وہ اپنے زمانے کے لوگوں کو پوری طرح مطمئن نہ کر سکا۔

پھر ۱۸۴۲ء میں انگلینڈ میں ایک شخص جیمیس بریڈ (James Brad) پیدا ہوا جس نے اس عمل تسخیر کو سائنیٹفک بنیادوں پر از سر نو ثابت کر کے اس کا نام عمل تنویم یا ہپناٹزم (Hypnotism) تجویز کیا۔ جیمس بریڈ کے تجویز کردہ ہپناٹزم میں مختلف مدارج ہوتے ہیں، اس کا انتہائی درجہ تو یہ ہوتا ہے کہ جس شخص پر یہ عمل کیا جائے یعنی معمول (Hyponotised) اس کے جسم کے تمام عضلات و اعصاب بالکل جامد اور بے حس ہو جاتے ہیں اور اسی کے ساتھ حواسِ ظاہرہ و باطنہ معطل ہو جاتے ہیں لیکن اس کا ایک درمیانی درجہ بھی ہے جس میں جسم بے حس و حرکت نہیں ہوتا، بلکہ اس کی کیفیت کا حال بیان کرتے ہوئے ورلڈ فیملی انسائکلو پیڈیا میں لکھا ہے:

اگر تنویم کا عمل ذرا ہلکا ہو تو معمول اس لائق رہتا ہے کہ وہ مختلف اشیاء کا تصور کر سکے مثلاً اس حالت میں یہ ممکل ہے کہ وہ (عامل کی ہدایت کے مطابق) اپنے آپ کو کوئی اور شخصیت یقین کرے، اسے کچھ خاص چیزیں جو وہاں فی الواقع موجود نہیں ہوتیں تصور آنے لگے یا وہ غیر معمولی حس اپنے اندر محسوس کرنے لگے اس لیے کہ وہ اس وقت عامل کی ہدایت کا تابع ہو جاتا ہے۔

(The world family Encyclo-Paedia 1957 P.3426 V.12)

جیمس بریڈ کی تحقیقات اور تجربات کے بعد ہپناٹزم کو ان مادہ پرست لوگوں نے مان لیا جو پہلے اس کے قائل نہ تھے اور آج کل تو یہ مغربی عوام کی دلچسپی کا بہت بڑا موضوع بنا ہوا ہے سینکڑوں عامل اس کے ذریعے روپیہ کما رہے ہیں۔ مریضوں کے علاج میں بھی اس سے کام لیا جا رہا ہے اور وہ تصرف خیالی جس کا ذکر مسلمان صوفیائے کرام کے ہاں صدیوں سے چلا آرہا تھا اور جس کو لوگ محض توہم پرستی کہہ کر ٹال دیا کرتے تھے۔

اب ہپناٹزم کے نام سے ایک حقیقت بن گیا ہے اور اب ہمارے زمانے کے وہ نام نہاد عقلیت پسند بھی اسے تسلیم کرنے لگے ہیں جنہیں مسلمانوں کی غیر معمولی بات توہم پرستی اور مغرب کی ہر دریافت سائنٹیفک نظر آتی ہے۔ بہر کیف عرض کرنا یہ تھا کہ مسمریزم ہو یا ہپناٹزم اس کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک انسان دوسرے کو مسخر کر کے اپنے خیالات اور اپنی باتیں اس کے دل و دماغ میں ڈال دیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جس خدا نے انسان کے تصرفِ خیالی یا عملِ تنویم میں اتنی قوت ڈالی ہے کہ وہ معمولی مقاصد کے لیے بلکہ بعض اوقات بالکل بے کار دوسرے کے دل و دماغ کو مسخر کر لیتا ہے۔

کیا وہ خود اس بات پر قادر نہیں کہ انسانیت کی ہدایت کی خاطر ایک پیغمبر کے قلب کو مسخر کر کے اپنا کلام اس میں ڈال دیں۔ سبحانك هذا بهتان عظيم [1]

جاہلوں کے لیے مذہب سے متزلزل ہونے کا سبب

بعض لوگ بارش، طوفان، اولوں اور زلزلوں کے بارے میں جب یہ معلومات کرتے ہیں کہ کس طرح وجود میں آتے ہیں تو وہ مذہب کے بارے میں متزلزل یا سرے سے انکار کر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی چیز کی ترتیب معلوم کرنے سے اس کے بنیادی اسباب کی نفی نہیں ہوتی۔ اگر کسی کو

[1] علوم القرآن: مؤلف حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی ص ۴۵ تا ۴۸۔

موت کی پھانسی دیتے ہوئے دیکھا جائے تو بظاہر دیکھنے میں اس کی موت کے اسباب جلاد اور گلے کا طوق معلوم ہو رہا ہوتا ہے اور یہ درست بھی ہوتا ہے کہ واقعی اس کی موت اس ترکیب و ترتیب سے واقع ہوتی ہے لیکن اس کو پھانسی قاضی یا جج کے حکم کی تعمیل کی بنا پر دی جاتی ہے اور قاضی یا جج کے اس حکم کی وجہ اس شخص کے ایسے جرم کا ثابت ہونا ہوتا ہے جس کی سزا پھانسی ہوتی ہے۔

اس طرح ان طوفانوں، زلزلوں کا ایک خاص ترتیب و ترکیب سے واقع ہونا انسانی اعمال کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آتے ہے یا ان کو اپنی نشانیاں بتلا بتلا کر ان کے ایمانوں کو غیر متزلزل بنانے یا آزمانے کے لیے لایا جاتا ہے بہر حال یہ اشکال جو کبھی کبھی بعض افراد سے سننے میں آتا ہے بالکل حماقت ہے جس کو ادنیٰ عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ ہر چیز کی بناوٹ، ترکیب و ترتیب علیحدہ ہوتی ہے اور اس کو وجود میں لانے کا سبب اور مقصد کچھ اور ہوتا ہے کارخانے، ریل گاڑی جہاز وغیرہ کی بناوٹ، ترکیب، ترتیب اور ساخت معلوم کرنے سے اس کے مقاصد اور اس کو بنانے کے بنیادی اسباب کی نفی کی جا سکتی ہے؟ بلاشبہ ایسے شکوک اور سوالات کی منشا محض حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مذہب کی پابندیوں کو غلامی کہنا حماقت ہے

بعض لوگ مذہب کے ضابطوں (جیسے بے محل انسانی خواہشات پر پابندی، روزہ اور نماز کا اوقاتِ مخصوصہ میں بجا لانا وغیرہ) کو دیکھ کر مذہب کو غلامی کے تصور کے طور پر پیش کر کے سادہ لوح انسانوں کے دلوں میں مذہب سے نفرت دلانے کی کوششیں کرتے ہیں حالانکہ یہ بات تو ہر عالم اور جاہل کو معلوم ہے کہ اجتماعی زندگی کے لیے پابندیاں ایک ناگزیر ضرورت ہے ورنہ قتل، چوری، ڈاکہ اور ٹریفک وغیرہ پر پابندیاں نہ ہوتیں اور نہ کسی شخص پر اس چیز کی پابندی ہوتی کہ وہ چوری بچوں کو اغوا کرنے اور اس کے علاوہ دیگر جرائم کے طریقوں کی عام تعلیم کے لیے سکول کھول دیں۔ اگر ہر شخص کو آزاد رہنا ہے تو پھر ایسی بے شمار پابندیاں حکومت کی طرف سے کیوں عائد ہوتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر پابندی غلامی نہیں ہوتی اور نہ اس کو کوئی غلامی کہہ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے بچوں کو انگارہ، تیز چاقو، چھری وغیرہ پکڑنے، غلط صحبت اور دیگر مضر اشیاء سے روکے یا اس کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے پابند رکھیں تو وہ کون سا عقلمند ہے جو اس کو غلام کہے گا کیونکہ یہ تمام تر پابندیاں محض بچے کی بقا اور خیر خواہی کی خاطر اس پر عائد کی جاتی ہیں بلکہ اس کے برعکس اگر بچے کو چھری

پکڑنے سے نہ روکا جائے تو اس کو آزادی کہنا تو کیا ایسے شخص کے دیوانہ یا کم از کم جاہل ہونے میں کسی عقل مند کو انکار نہ ہو گا۔ اس طرح مذہب زنا وغیرہ پر پابندی اور صوم وصلوٰۃ پر انسان کو مامور کر کے ابدی بقا کا انتظام کرتا ہے۔ اب اس کو غلامی کہنا کیا مجنونیت یا جہالت نہ ہو گی؟ بلکہ جو قوم وحی کی رہنمائی سے محروم ہو جاتی ہے وہاں صرف نام کی آزادی ہوتی ہے ورنہ بالفعل سارے کے سارے مخلوق کے غلام بن جاتے ہیں۔

وحی اور مذہب کے فوائد

وحی اور مذہب انسان کو اصلی حریت بخشتا ہے اور وہ صرف ایک اللہ عزوجلّ شانہٗ کی عبادت اور ہر حالت میں اس اعلیٰ اور برتر ہستی پر ارتکاز توجہ کی تعلیم دے کر تمام مخلوق کی غلامی سے چھٹکارا دلاتا ہے۔ بلاشبہ مذہب انسان کے لیے ناگزیر ضرورت ہے، وہ انسان کی زندگی کا رخ متعین کرتا ہے اور اس کی زندگی کو معنویت بخشتا ہے اور اس کو راہِ راست پر لگا کر اس میں مصائب اور مشکلات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ پیدا کر دیتا ہے۔ مشاہدات و محسوسات کی وہ آخری سرحد جہاں عقل اور سائنس ہمیں بے خبری اور جہالت کی گھاٹیوں میں حیران و سرگرداں چھوڑ کر الگ ہو جاتے ہیں وہاں وحی اور نبوت کی تعلیم ہی ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ تخلیقِ کائنات اور حیاتِ انسان کے مقاصد سے روشناس کرتی ہے۔ شکوک وشبہات کو زائل کر کے انسانی قلوب اور اذہان کو سکون اور اطمینان کی نعمت سے مالا مال کر دیتی ہے۔ مذہب انسان کی نفسیاتی ضرورت ہے۔ ذہنی اور نفسیاتی صحت کے لیے اس کی شدید ضرورت ہے۔ مذہب معاشرے میں عدل اور انصاف کا ضامن ہوتا ہے۔ انسان سے بالاتر ہستی کا قانون معاشرے میں رائج ہوتا ہے وہ سب کے لیے مقدس اور محترم ہوتا ہے۔

ظالم اور مظلوم، حاکم اور محکوم الغرض سب پر اس کی بالادستی قائم ہوتی ہے۔ موجود خالص وضعی قوانین جو مذاہب سے ماخوذ نہ ہوں صرف محکوم کے واسطے بنائے جاتے ہیں، حاکم اس سے عملاً بالاتر رہتا ہے حاکم کا طرزِ عمل کسی قاعدہ اور قانون کا پابند نہیں ہوتا، مذہب کے بعد مشترک بنیاد معدوم ہو جاتی ہے۔

اگر کسی قوم کو اس سرمائے سے محروم کر دیا جائے تو وہ قوم نہ صرف سیاسی طور پر ہمیشہ کے لیے غلام بنا کر رکھی جا سکتی ہے بلکہ اس کے جداگانہ قومی تشخص کو بھی موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے۔ مارکسی سوشلزم یا سامراجیت اس کی واضح مثالیں ہیں۔ نبوت اور مذہب کے انکار سے انسانی زندگی میں ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے جس کو نہ کوئی فلسفہ، نہ کوئی سائنس اور نہ کوئی دوسری چیز پر کر سکتی ہے۔

مذہب سے محروم قوموں کا انجام

یہی وجہ ہے کہ جو قومیں تعلیماتِ الٰہی اور مذہب سے محروم ہیں ان کی روحوں میں ایسی ناآسودگی ہوتی ہے کہ دائمی اضطراب اور اختلال میں مبتلا رہتے ہیں۔ وہ لوگ آزاد حیوانی زندگی بسر کرنے اور مادی لذتوں اور ہر طرح کی آسائشوں میں غرق ہونے کے باوجود ایسے سرگرداں، وحشتِ قلوب اور بے چینی سے دوچار ہیں کہ آئے دن سینکڑوں لوگ خودکشی کرتے ہیں اور زیادہ تعجب اس پر کہ نابالغ لڑکے بھی باوجودیکہ ہر طرح کی مادی سہولتیں ان کو فراہم کی جاتی ہیں خودکشی کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے کہ ان کی زندگیوں سے سکونِ قلب اور طمانیتِ روح خارج ہو چکا ہے اور وہ سوائے یکتا خالق کے تمام مخلوق کے ذہنی غلام بن کر رہ گئے ہیں۔

کاش! کہ ان لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اصلی حریت اور اطمینانِ قلب و روح واحد یکتا خالقِ کائنات کی یاد (جو وحی الٰہی کے زیرِ نگرانی ہو) کے بغیر ممکن نہیں۔

مذہب کے بارے میں چند سائنسدانوں اور مفکرین کی آراء

اس کے متعلق دورِ حاضر کا مفکر سائنسدان لی کومٹ (LECOMTE) لکھتا ہے:

اب اس بات پر یقین ہو گیا کہ موجودہ دور کی بے چینی خاص طور پر اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ عقل نے سائنس کے نام پر جو ابھی تک گہوارہ اطفال میں ہے، ابھی تک بلوغت کو نہیں پہنچا، انسان کو زندہ رہنے کے لیے ہر قسم کی امنگ اور معقولیت سے محروم کر دیا۔

اس نظریۂ حیات نے مذہب کو ہی ختم کر ڈالا جو ابھی تک زندگی کا مفہوم متعین کرتا تھا جو جدوجہد میں حصہ لینے کے لیے انسان کو ابھارتا تھا جو مادیت سے مافوق ایک بلند نصب العین عطا کرتا تھا۔

آگے چل کر لکھتا ہے انسانی زندگی میں اختیار کا انکار کر دینا اور اخلاقی ذمہ داری کا انکار کر دینا، حقیقت انسان کا تصور ایک طبعی کیمیائی مرکب کے طور پر پیش کرنا جو کسی دوسرے حیوانوں سے ممتاز نہیں ہے ان سب باتوں کے نتیجے میں اخلاقِ انسانی کو موت آ گئی روحانیت دم توڑ گئی، امید ختم ہو گئی، دنیا میں بے کارِ محض ہونے کے تصورِ جانکاہ نے ذہنوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔

ایک اور جدید مصنف اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

آج لاکھوں افراد بے چینی سے ڈھونڈ رہے ہیں، تلاش کر رہے ہیں مگر کیا؟ یہ بات خود انہیں معلوم

نہیں۔ جدید تعلیم حق و باطل میں کسی تمیز کا باقی نہ رہنا، دنیائے عمل میں دوہرے معیارِ اخلاق کا پایا جانا تجرباتی نفسیات، تجرباتی شہوت رانی، عدم تحفظ، جرائم کی کثرت، فراغت و دولت یہ خیال کہ پس طاقت ہی حق ہے اور کوئی میعارِ حق موجود نہیں ہے۔ ان تمام عوامل نے مل کر موجودہ دور میں شکست، فریب خوردگی اور بد اخلاق معاشرے کے خلاف بغاوت اور زندگی سے فرار کو جنم دیا ہے۔ (1)

DESTINY RUMM BY LECOMTE DENUARY Page No.13

دورِ جدید کے ایک بڑے نقاد امریکی صحافی والٹر لپ مین (WATERLIPPMAN) لکھتے ہیں:

تنہا اپنی ذات پر پہلے کبھی ہم نے اتنا انحصار نہیں کیا تھا، آج کوئی ہمدرد ہماری فکر کرنے والا نہیں ہے۔ کوئی نمونہ زندگی بلاچوں وچرا اطاعت کرنے اور پیروی کرنے کے لیے سامنے موجود نہیں ہے، کوئی مافوق شارع نہیں ہے۔ سب عوام الناس ہیں جن کو دل گداز مصائب اور مشکلات کا سامنا ہے۔

تمام کمزوریاں سطح پر نمایاں ہوگئی ہیں۔ ناقابو یافتہ طبعی قوتیں کبھی خوف زدہ کرتی ہیں اور کبھی ڈھارس بندھاتی ہیں۔ فی الحقیقت ہماری ثقافت گنجلک ہے، ہماری تہذیب ہنگامی، ہمارے جذبات جامے سے باہر نکل رہے ہیں، کسی ملاح نے شاید ہی کبھی ایسے ناآشنا سمندر میں جہازرانی کی ہو جیسے کہ بیسویں صدی میں پیدا ہونے والے انسان کو کرنی پڑ رہی ہے۔ ہمارے اسلاف سمجھتے تھے کہ وہ اپنا راستہ پیدائش سے لے کر موت تک جانتے ہیں، لیکن ہم پریشان ہیں ہمیں کل کے بعد آنے والے دن کی خبر نہیں ہے۔

مذہب سے آزادی حاصل کرنے کے بعد پھر سے یہ تمام مصیبتیں شروع ہوتی ہیں۔ آزادی ایک دل خراش چیخ ہے یہ انسان کو رہبر کی رہنمائی سے اور پادری کی طمانیت سے محروم کر دیتی ہے، مذہب کے بت کو پاش پاش کرنے والوں نے ہمیں آزاد نہیں کیا، بلکہ در حقیقت سمندر کی موجوں میں پھینک دیا۔ اب ہمیں خود ہی ہاتھ پیر مارنے ہیں۔ (Drift and Mystery by Walter lippman Page196-197)

برٹرینڈ رسل (۱۸۷۲ء تا ۱۹۶۷ء) جیسے کٹر دہریہ کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا ہے۔

اگر سائنس کو برتر تہذیب بننا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ معلومات میں اضافہ ہو۔ حکمت سے میری مراد زندگی کی غایت کا صحیح تصور ہے مگر جس کو سائنس مہیا نہیں کر سکتی۔

(Scientific thought by Russel Page. 12)

(1) مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ صفحہ ۷۰ تا ۷۲۔

ہندوستان کی حکومت نے یونیورسٹی تعلیم کی اصلاح کے لیے ۱۹۴۸ء میں ایک کمیشن مقرر کیا تھا۔ کمیشن کی رپورٹ کے دو اقتباسات سننے کے قابل ہیں۔

مشرق و مغرب کے مفکرین کے نزدیک تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ کائنات کی ایک مربوط تصویر پیش کی جائے اور نظامِ حیات مرتب انداز میں طلبہ کے سامنے پیش کیا جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

انسان ان میل و بے جوڑ معلومات کے انبار کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا اس کو اس بات کی خواہش رہتی ہے کہ وہ اشیاء کے مابین روابط کا ادراک کرے۔ مختلف مظاہراتِ فطرت کا مطالعہ کرے لیکن انسان کی زندگی کا مجموعی تصور بھی ہم کو حاصل ہونا چاہیے یہ معلومات غیر مربوط اجزاء کا ڈھیر نہ ہوں بلکہ باہم مرتب و مربوط اور منسلک ہوں۔

دادہا کرشنس ہندوستان کا فلسفی صدر مملکت کہتا ہے:

یقین جانیے دنیا کی بنیادی ضرورت بہت وسیع و عمیق ہے۔ معاشی و معاشرتی یا سیاسی ردوبدل سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ آج روحانی بیداری اور احیائے ایمان کی شدید ضرورت ہے۔ ①

اسٹالن کو کون نہیں جانتا۔ اس کی بیٹی سوتیلانہ مسندِ شاہی سے اتر کر بھاگی اس نے پریس کو تحریری بیان دیتے ہوئے کہا:

مجھے بچپن سے کمیونزم کی تعلیم دی گئی، موجودہ نسل کی طرح میں نے بھی کمیونزم پر یقین کیا لیکن عمر کے ساتھ ساتھ میری فکر میں تبدیلی شروع ہوئی۔ ابھی چند سال ہوئے کہ ہمارے ملک میں بحث و مباحثہ کا دور شروع ہوا۔ ہم نظریات کے بارے میں دلائل دینے لگے، ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ ہمیں سکھایا گیا تھا ہم اس سے متزلزل ہوگئے۔ واقعہ یہ ہے کہ مذہب نے میری فکر میں زبردست انقلاب پیدا کیا۔ جس خاندان میں میں پلی پوسی ہوں وہاں خدا کا ذکر تک بھی نہیں تھا لیکن بڑی ہو کر میں خود بخود اس نتیجے پر پہنچی کہ خدا کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہے، لیکن اس یقین کے ساتھ ہی کمیونزم کے اہم اصول کی وہ اہمیت میری نظر میں باقی نہیں رہی جو پہلے تھی۔ (امروز ۱۳ اپریل ۱۹۶۷ء) ②

---

① مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ۔

② کائنات کی گواہی: صفحہ ۵۱۲

لوگ مذہب سے کیوں بے زار ہو رہے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جتنی لادینی اور مادہ پرستی پھیل گئی ہے اس کی بنیادی وجہ یہود و نصاریٰ کے غلط عقائد اور مذاہب ہیں جو ایک لاجواب معمہ بن کر رہ جاتے ہیں۔ ان خود ساختہ عقائد اور مذاہب پر سماوی تعلیمات کے لیبل لگا کر دنیا کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ بدظن ہو کر تمام سماوی مذاہب سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور خدا کو ایک مجسم مادی چیز تصور کرنے لگتے ہیں۔ یہی غلط تصور سرے سے خدا کے وجود میں شک وارتیاب کی دلدلوں میں پھنسا کر انسان کو قعرِ مذلت میں پھینک دیتا ہے۔

نصاریٰ کے خود ساختہ عقائد

جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنایا اور خدا کو تین اقانیم باپ، بیٹا اور روح القدس سے مرکب مان کر تثلیث کے قائل ہو گئے اور اس عقیدے کی تشریح و تعبیر میں عیسائیوں کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور پر ایک بات کہنا مشکل ہے کہ وہ تین اقانیم کیا ہیں؟ جن کا مجموعہ ان کے نزدیک خدا ہے۔ خود ان کے تعین میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ باپ، بیٹے اور روح القدس کا مجموعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور کنواری مریم وہ تین اقنوم ہیں، پھر ان تین اقانیم میں ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اور خدائے مجموع سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں ایک زبردست اختلاف پیدا ہوا ہے جس کی وجہ سے عقیدۂ تثلیث خوابِ پریشان بن گیا ہے۔ پھر زیادہ تعجب یہ کہ ان کے نزدیک ان تینوں میں ہر ایک مستقل خدا ہے لیکن تینوں مل تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جب ان تینوں میں سے ہر ایک مستقل خدا مان لیا گیا تو ایک کہاں رہا؟ وہ تو لازماً تین ہو گئے۔ یہی وہ سوال ہے جو عیسائیت کی ابتداء سے لے کر اب تک چیستان بنا رہا ہے۔ عیسائیوں کے بڑے بڑے مفکرین نے نئے نئے انداز سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوششیں کیں اور اس بنیاد پر بے شمار فرقے نمودار ہوئے۔ سالہا سال تک بحثیں چلیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا کوئی معقول جواب سامنے نہیں آسکا۔ نصاریٰ ایک عظیم الشان پریشانی میں مبتلا ہیں کیونکہ اول تو یہ کہ فلسفہ اور عقل ایک سے زائد خداؤں کی نفی کرتی ہے جیسا کہ توحید میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ دوسری طرف تثلیث پر قول کر کے عقیدۂ توحید کو بھی سالم نہیں رکھ سکتے جو تمام مللِ سماوی کا متفقہ عقیدہ ہے اور نہ اس عقیدے سے دست بردار ہو سکتے ہیں کیونکہ پھر سرے سے عیسائیت کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ جب ہر طرف سے لاچار ہو جاتے ہیں تو آخر داؤ لگا کر دلیل

میں موجود انجیل کو پیش کرتے ہیں لیکن یہ بات تو تقریباً ساری دنیا پر کھل چکی ہے کہ موجودہ انجیلیں کسی طرح تحریف سے محفوظ نہیں ہیں، اصل انجیل ایک تھی اب چار اور انجیل برناس کے ساتھ پانچ بنتی ہیں اور یہاں تک محققین یورپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ موجودہ انجیلوں میں سے ایک بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں اور نہ اس کا ترجمہ ہے اور نہ ان انجیلوں کی کوئی صحیح سند ہے۔

مذہبِ عیسائیت کا بانی کون ہے؟

بلکہ مذہبِ مسیحی آغاز ہی میں مسیحیت کے مشہور دشمن سینٹ پال پولس نے مسخ کر ڈالا تھا۔ دائرۃ المعارف کا مسیحی مصنف البتانی لکھتا ہے:۔ لوقا نے مسیحیت کو مسیحیت کے بدترین دشمن سینٹ پال سے لیا اور ابنیّت، کفارہ شراب، مردار اور خنزیر کی حلت اس نے مسیحیت میں شامل کر کے مسیحیت کو برائیوں کا ایک مجموعہ بنایا۔ (علوم القرآن: مؤلفہ علامہ شمس الحق صاحب : صفحہ ۱۳۷)

میرے استاد محترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی مقدمہ اظہار الحق کے آخر میں لکھتے ہیں:

اب ہم اپنے قریبی زمانے کے خود عیسائی علما کے کچھ اقوال پیش کرتے ہیں جن سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ پولس کو عیسائیت کا بانی قرار دینے کا نظریہ تنہا ہمارا نہیں ہے، بلکہ وہ عیسائی علماء بھی اس کی تائید پر مجبور ہیں جنہوں نے غیر جانبداری کے ساتھ بائبل کا مطالعہ کیا ہے۔

۱) انسائکلو پیڈیا برٹانیکا میں پولس کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ مصنفین کا ایک مکتبِ فکر جس میں سے ڈبلو، ریڈ W.WREDE کو بطور مثال ذکر کیا جا سکتا ہے اگرچہ کسی بھی اعتبار سے پولس کا منکر نہیں ہے تاہم وہ اس سوال جا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ پولس نے عیسایت کو اس قدر بدل دیا تھا کہ وہ عیسائیت کا دوسرا بانی بن گیا وہ درحقیقت اس کلیسائی عیسائیت کا بانی ہے جو یسوع مسیح کی لائی ہوئی عیسائیت سے بالکل مختلف ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ یا تو یسوع کی اتباع کرو یا پولس کی۔ ان دونوں پر بیک وقت عمل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پولسی مذہب نے نہ صرف یہ کہ گناہ، کفارہ، اور منجی کے ابدی وجود سے متعلق بعض توہم پرستانہ تصورات کو شامل کیا ہے بلکہ یسوع مسیح سے متعلق پولس کی تمام تر متصوفانہ روش جو اسے ذریعہ نجات و کفارہ قرار دیتی ہے۔ خود یسوع مسیح کی ان تعلیمات سے متناقض ہے جو انہوں نے خدا اور انسان کے صحیح رشتے سے متعلق پیش کی ہیں۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا: ص ۳۹۵ ج، ۱۷ مقالہ پولس)

۲) اور پولس کا ایک مشہور سوانح نگار والٹر وون لوئی وینک (WaltervinlooWondich) لکھتا ہے:

پال ڈی لا گارڈے کہتا ہے کہ پولس کو جو واقعی طور پر ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھا اور اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد بھی فریسیوں کا فریسی تھا۔ اسے یسوع اور اس کی انجیل کے بارے میں کوئی قابلِ اعتماد علم مطلق نہیں تھا۔

لہذا یہ بات کسی طرح سننے کے قابل نہیں ہے کہ جو لوگ تاریخی طور پر تعلیم یافتہ ہیں انہیں پولس نام کے اس شخص کو کوئی اہمیت دینی چاہیے۔ آج بھی کلیسا اپنے پولسی ورثے کی بنا پر شدید مشکلات سے دوچار ہے۔ پولس نے کلیسا میں عہد نامہ قدیم کو داخل کیا اور اس کے اثرات نے ہر ممکن حد تک انجیل کو تباہ کر دیا، یہ پولس ہی تھا جس نے یہودی قربانی کا نظریہ اپنے تمام لوازم کے ساتھ درآمد کیا، اسی نے یہودیوں کا پورا تاریخی نظریہ ہم پر مسلط کر دیا۔ یہ تمام کام اس نے قدیم کلیسا کے لوگوں کی شدید مخالفت کے عین درمیان انجام دیے جو ہر چند کہ یہودی تھے مگر اول تو یہودی انداز میں پولس کی بہ نسبت کم سوچتے تھے۔ دوسرے کم از کم وہ ایک ترمیم شدہ اسرائیلی مذہب کو خدا کی بھیجی ہوئی انجیل قرار نہ دیتے تھے۔

۳) لی گارڈ کا یہ اقتباس نقل کر کے لوئی وینک لکھتے ہیں:

عصرِ حاضر میں پولس کے بیشتر مخالفین انہی خطوط پر سوچتے ہیں جو لی گارڈ نے بیان کیے۔ اب بھی لوگ بہت جلد اس تضاد پر زور دیتے ہیں جو یسوع اور پولس کے درمیان پایا جاتا ہے، اس شخص کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے کہ اس نے یسوع کی خالص اور اصلی تعلیمات کو مکمل طور پر مسخ کر ڈالا۔

(Loewenich Paul his life and work Trans by G. E Harris London P. 5)

۴) اگرچہ خود لوئی وینک پولس کے سرگرم حامی ہیں مگر وہ ہوسٹن اسٹیوٹ چیمبر لین کے اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ:

اس (یعنی پولس) نے عیسائیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے یہودیت سے الگ ایک شکل عطا کی اس لیے اس کا خالق بن گیا جو یسوع کے نام پر ہے۔ (IBID P. 6)

آگے چل کر استاد محترم آخر میں لکھتے ہیں کہ:

۱۹۵۳ء میں امریکہ سے ایک کتاب شائع ہوئی جو رابرٹ گریوس THE NAZOREAMGOS PALRESTOREDROBERTGREYES کے نام سے جو اشوا پوڈرو JOSHUA PODRO کی

مشترک تصنیف ہے۔ موخر الذکر ایک مشہور عیسائی یشب کا لڑکا ہے۔ اس کتاب کے مقدمے میں پولس پر مفصل تنقید کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے اصل حواری اس سے ناراض تھے۔

(Naserane Gospel Restored cassell 1953 PP 19, 21)

ہم نے اوپر مختلف عیسائی علما کے حوالے پیش کیے ہیں ان کی حیثیت مشتے نمونہ از خروارے کی ہے، ورنہ اگر پولس کے مخالفین اور ناقدین کے اقوال اہتمام کے ساتھ جمع کیے جائیں تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ ان چند اقتباسات کے پیش کرنے کا مقصد صرف یہ دکھلانا تھا کہ خود عیسائی علماء میں بھی بے شمار لوگ اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ موجودہ عیسائیت اصل بانی حضرت عیسی علیہ السلام کی تعلیمات سے مناسبت نہیں رکھتا، وہ تمام تر پولس کی ایجاد ہے۔ اس بنا پر اس مذہب کا صحیح نام عیسائیت کے بجائے پولسیت ہے۔ [1]

عقیدۂ تثلیث موجودہ اناجیل سے ثابت نہیں ہو سکتا

اس کے باوجود موجودہ محرف انجیلوں میں حضرت عیسی علیہ السلام کے جو ارشادات موجود ہیں، ان سے نمایاں طور پر واضح ہوتا ہے کہ عقیدۂ تثلیث کو انہوں نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی بیان نہیں کیا ہے۔ اس کے برعکس وہ ہمیشہ توحید کے عقیدے کی تعلیم دیتے رہے اور نہ کسی جگہ یہ فرمایا ہے کہ میں درحقیقت خدا ہوں اور تمہاری اصلاح و بہبود کے لیے انسانی روپ میں حلول کر کے آگیا ہوں، اس کے بجائے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ابنِ آدم کے لقب سے یاد کرتے رہے۔ اس سلسلے میں موجودہ انجیلوں سے بہت سے حوالے پیش کیے جاسکتے ہیں، لیکن یہاں نمونہ کے طور پر چند ہی حوالوں پر اکتفا کرتا ہوں:

۱) انجیل مرقس میں ہے کہ اور فقیہوں میں سے ایک نے ان کو بحث کرتے سن کر جان لیا کہ اس نے ان کو خوب جواب دیا ہے وہ پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ سب احکام میں اول حکم کون سا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا ایک ہی خداوند ہے۔ اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔ (انجیل مرقس ب ۱۲ ۲۸ تا ۳۰)

۲) یسوع نے جواب میں اس سے کہا لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ (لوقا ب۴۔۸)

---

[1] بائبل سے قرآن تک: ص ۱۷۴ تا ۱۷۷

۳) تم جو ایک دوسرے سے عزت چاہتے ہو اور وہ عزت جو خدائے واحد کی طرف سے ہوتی ہے نہیں چاہتے کیونکر ایمان لاسکتے ہو؟(انجیل یوحنا ب ۵ ۴۴)

۴) اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تونے بھیجا ہے جانیں۔ (یوحنا: ۱۷ ب ۳)

۵) لیکن اس لیے کہ تم جان لو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے (اس نے مفلوج سے کہا) اٹھ اپنی چارپائی اٹھا اور اپنے گھر چلا جا وہ اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا۔ لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے اور خدا کی تمجید کرنے لگے جس نے آدمیوں کو ایسا اختیار بخشا۔(متی ۹ ب ۶)

۶) لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا اور انہوں نے اسے نہیں پہچانا، بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی ان کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا۔(انجیل متی: ۱۷ ب ۱۲)

۷) اور جب وہ گلیل میں ٹھہرائے ہوئے تھے یسوع نے ان سے کہا ابن آدم آدمیوں کے حوالے کیا جائے گا۔ (متی : ۱۷ ب ۲۲)

۸) کیونکہ ابن آدم کھوئے ہوئے کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا۔(لوقا: ۱۹ ب ۱۰)

۹) دیکھو وقت آپہنچا ہے اور ابن آدم گناہ گاروں کے حوالے کیے جاتا ہے۔(متی : ۲۶ ب ۴۵)

اسی طرح موجودہ اناجیل میں بہت ایسے ارشادات ملتے ہیں جن میں کہیں تثلیث یا حلول کا کوئی تصور نہیں ملتا اور نہ حضرت عیسی علیہ السلام کے حوارین تثلیث اور حلول کا عقیدہ رکھتے تھے، بلکہ ان کے نزدیک بھی حضرت عیسی علیہ السلام ایک انسان اور خدا کے پیغمبر تھے۔ پطرس حواری اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

ابراہام، اضحاق اور یعقوب کے خدا یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا جسے تم نے پکڑوادیا۔(اعمال: ۳ ب ۱۳)

ایک مرتبہ حواریوں نے ایک زبان ہو کر خدائے تعالی سے مناجات کرتے ہوئے کہا کیونکہ واقعی تیرے پاک خادم یسوع کے برخلاف جسے تونے مسح کیا ہیرودوس اور پنطیس پیلاطس غیر قوموں اور اسرائیلیوں کے ساتھ اسی شہر میں جمع ہوئے۔(اعمال : ۴ ب ۲۷)

اور پطرس حواری ایک مرتبہ یہودیوں کے سامنے ایک تقریر فرماتے ہیں۔

اے اسرائیلیو!یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں، عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم میں دکھائے چناچہ تم آپ ہی جانتے۔(اعمال: ۲ ب ۲۲)①

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہورہاہے کہ حواریوں کے نزدیک حضرت عیسی علیہ السلام ایک شخص اور خدا کی طرف سے پیغمبر اور خادم تھے۔ البتہ بائبل میں حضرت مسیح علیہ السلام کو بعض مرتبہ خداوند یا ربی کا لفظ منسوب کیاجاتاہے، یہ لفظ استاد آقا کے معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے جس پر موجودہ اناجیل کی کئی عبارات دلالت کرتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حواریوں میں سے کسی نے حضرت عیسی علیہ السلام کے لیے الوہیت یا تجسُّم کا لفظ استعمال نہیں کیاہے۔ وہ صرف پولس ہی ہے جس کی عبارات میں الوہیت تجسُّم اور حلول کے عقیدہ کی پرچار ملتے ہیں۔

عیسائیوں کا استدلال اور اس کا جواب

نصاریٰ کا عقیدۂ تثلیث پر ان اقوال سے استدلال کرنا جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو باپ اور اپنے آپ کو بیٹا کہاہے اگر موجودہ اناجیل کی تحریف سے قطع نظر بھی کریں پھر بھی بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ باپ۔ بیٹا کے الفاظ بہت معنوں میں استعمال ہوتے ہیں، کبھی اس سے مراد باہمی محبت ہوتی ہے اور کبھی باہمی قرب کے تعلق اور کبھی ہمدردی اور شفقت کی وجہ سے یہی الفاظ استعمال ہوسکتے ہیں۔ بعض غریب اقوام اپنے بادشاہوں اور مخدوم کو اپنے باپ کے نام سے پکارتی ہیں اور وہ ان کو بیٹے کے نام سے آواز دیتے ہیں۔ کیا ان کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ان کے حقیقی باپ یا بیٹے ہیں؟

در حقیقت یہ ایک اسرائیلی محاورہ ہے۔ بائبل میں بے شمار مقامات پر مسیح علیہ السلام کے سوا دوسرے انسانوں کو بھی خدا کا بیٹا کہا گیاہے مثلاً پیدائش میں ہے کہ:

۱) جب روئے زمین پر آدمی بہت بڑھنے لگے اور ان کی بیٹیاں پیدا ہوئیں تو خدا کے بیٹوں نے آدمی کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وہ خوبصورت ہیں۔ (پیدائش: ٦ب ۲۰۱)

۲) جب صبح کے ستارے مل کر گاتے تھے اور خدا کے سب بیٹے خوشی سے للکارتے تھے۔(ایوب:۳۸ ب ۷)

---

① بائبل سوسائٹی پاکستان انار کلی لاہور۔ ایم 96ء 197ء

۳) وہ مجھے پکار کر کہے گا تو میرا باپ، میرا خدا نجات کی چٹان ہے اور اس کو اپنا پہلوٹا بناؤں گا اور دنیا کا شاہنشاہ۔(زبور ۸۹ ـ ۲۶)

۴) یقیناً تو ہمارا باپ ہے اگر چہ ابرہام ہم سے ناواقف ہوا اور اسرائیل ہم کو نہ پہچانے تو اے خداوند! ہمارا باپ اور فدیہ دینے والا ہے، تیرا نام ازل سے یہی ہے۔(یسعیا: ۶۳ ب ۱۶)

۵) تو بھی اے خداوند ہمارا باپ ہے، ہم مٹی ہیں اور تو ہمارا کمہار ہے اور ہم سب کے سب تیرے دستکاری ہیں۔ (یسعیا:۶۴ ب ۸)

۶) میں ان کو پانی کی ندیوں کی طرف راہِ راست پر چلاؤں گا جس میں وہ ٹھوکر نہ کھائیں گے کیونکہ میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا پہلوٹا ہے (یرمیاہ : ۲۱ ب ۹)

۷) پس ان کی نہ بنو کیونکہ تمہارا باپ تمہارے مانگنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ تم کن کن چیزوں کے محتاج ہو۔ (متی: ۶ ب ۸)

۸) اسی طرح تمہارا آسمانی باپ یہ نہیں چاہتا کہ ان چھوٹوں میں سے ایک بھی ہلاک ہو۔(متی : ۱۸ب ۱۴)

۹) اور جب کبھی تم کھڑے ہوئے دعا کرتے ہو اگر تمہیں کسی سے کوئی شکایت ہو تو اسے معاف کرو تاکہ تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے تمہارے گناہ معاف کرے) (مرقص : ۱۱ ب ۲۵)

۱۰) اگر تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور ان کے ساتھ بھلائی کرو اور بغیر ناامید ہوئے قرض دو تو تمہارا اجر بڑا ہو گا اور تم خدا تعالی کے بیٹے ٹھہرو گے کیونکہ وہ ناشکروں اور بروں پر بھی مہربان ہے جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم بھی رحم دل ہو۔ (لوقا : ۶ ب۲۵ ، ۲۶)

اسی طرح بائبل کے اول عہدِ قدیم سے لے کر عہدِ جدید تک تمام کتابوں کو دیکھیں بہت سے پیغمبروں حتیٰ کہ عام انسانوں کو بھی خدا کے بیٹے کہا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک اسرائیلی محاورہ ہے جو ہمدردی اور باہمی تعلق کے لیے مستعمل ہے اور اس سے استدلال پکڑنا بالکل باطل اور بے بنیاد ہے۔ ورنہ پھر اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی تخصیص کیا رہی؟ پھر تو ساری دنیا کے عام انسانوں کو بھی خدا کے بیٹے ہونے کا شرف حاصل ہے جیسا کہ مندرجہ بالا اقتباسات سے بھی واضح ہے۔

استاد محترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ اظہار الحق کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ:

اب کچھ عرصہ سے عیسائی دنیا میں یہ احساس بہت شدت اختیار کرتا جارہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا نہیں کہا بلکہ یہ عقیدہ بعد کے زمانے کی پیداوار ہے۔ اس سلسلے میں سینکڑوں عیسائی علماء کے حوالے پیش کیے جاسکتے ہیں، مگر ہم یہاں صرف ایک اقتباس ذکر کرتے ہیں جس سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حق بات کو مقدس نظریات کے غلاف میں کتنا ہی چھپایا جائے لیکن وہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو کر ہی رہتی ہے۔

پروفیسر ہارنیک (Harnack) بیسویں صدی عیسوی کی ابتداء میں برلن (جرمنی) کے مشہور مفکر گزرے ہیں۔ عیسائیت پر ان کی کئی کتابیں یورپ اور امریکہ میں بڑی مقبولیت کے ساتھ پڑھی گئی ہیں اور وہ عقلیت پسندوں (Rationalist) کے گروہ سے ہے اور عیسائی مذہب کی جو تعبیر ان کی نگاہ میں درست ہے اس پر ان کا ایمان مستحکم اور مضبوط ہے۔ انہوں نے ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۰ء میں عیسائیت کے اوپر کچھ تقریریں کی تھیں۔ یہ تقریریں جرمنی زبان میں (Daswesen deschis tenianst) کے نام سے شائع ہوئی تھیں اور بعد میں ان کو انگریزی ترجمہ (What is Christianity) کے نام سے شائع کیا گیا۔

ان تقریروں نے جرمنی انگلینڈ اور امریکہ میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی اور اب یہ لیکچر ایسی تاریخی اہمیت اختیار کر چکے ہیں کہ عصر جدید میں عیسائیت کا کوئی مورخ ان کا ذکر کیے بغیر نہیں گزرتا۔ انہوں نے تقریروں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا ہے اسے ہم انہی کے الفاظ میں یہاں نقل کر رہے ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ خدا یسوع مسیح کا اپنے بارے میں کیا خیال تھا؟ دو بنیادی نقطوں کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی خواہش کبھی یہ نہیں تھی کہ ان کی شخصیت کے بارے میں اس سے زیادہ کوئی عقیدہ رکھا جائے کہ ان کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے یہاں تک کہ چوتھی انجیل کا مصنف جو بظاہر یسوع مسیح کو اصل انجیل کے تقاضوں سے زیادہ بلند مقام دینے پر مصر نظر آتا ہے اس کی انجیل میں بھی ہمیں یہ نظریہ واضح طریقے سے ملتا ہے۔ اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ: اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو میرے حکموں پر عمل کرو۔ غالباً (حضرت) مسیح نے یہ دیکھا ہو گا کہ بعض لوگ ان کی عزت کرتے ہیں، بلکہ ان پر بھروسہ رکھتے ہیں لیکن کبھی ان کے پیغام پر عمل کرنے کے بارے میں کوئی تکلیف گوارا کرنا پسند نہیں کرتے۔ ایسے ہی لوگوں کو خطاب کر کے آپ نے فرمایا تھا کہ جو مجھ سے اے خداوند!

اے خداوند! کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہو گا مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہو۔ ①

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ انجیل کے اصل متضمنات سے الگ ہو کر (حضرت) مسیح کے بارے میں کوئی عقیدہ بنالینا خود ان کے نظریات کے دائرے سے بالکل باہر تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مسیح نے آسمان اور زمین کے خداوند کو اپنا خداوند اور اپنا باپ ظاہر کیا، نیز یہ کہا کہ وہی خالق ہے اور وہی تنہا نیک ہے، وہ یقینی طور پر یہ بھی مانتے تھے کہ ان کے پاس جو چیز بھی ہے اور جس چیز کی تکمیل وہ کرنے کو ہیں، وہ سب باپ کی طرف سے آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خدا سے دعائیں کرتے تھے، اپنے آپ کو اس کی مرضی کے تابع رکھتے تھے، وہ خدا کی مرضی کو معلوم کر کے اس پر عمل کرنے لیے سخت سے سخت مشقتیں برداشت کرتے تھے۔

مقصد، طاقت، فہم، فیصلہ اور سختیاں سب ان کے نزدیک خدا کی طرف سے آتی ہیں۔ یہ ہیں وہ حقائق جو اناجیل ہمیں بتاتی ہیں اور ان حقائق کو توڑا مروڑا نہیں جا سکتا ہے۔ یہ ایک شخص جو اپنے دل میں احساسات رکھتا ہے، دعائیں کرتا ہے یقیناً ایک انسان ہے جو اپنے کو خدا کے سامنے بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ ملا جلا کے رکھتا ہے۔

یہ دو حقیقتیں اس زمین کی حدود کو ظاہر کرتی ہیں جو اپنے بارے میں خود حضرت مسیح کی شہادت سے ڈھکی ہوئی ہے، یہ درست ہے کہ ان حقیقتوں سے ہمیں اس بات کی کوئی مثبت اطلاع نہیں ملتی کہ حضرت مسیح نے کیا کہا؟ لیکن اپنے بارے میں انہوں نے جو دو الفاظ بیان کیے ہیں۔ ایک خدا کا بیٹا اور ایک مسیح (یعنی داؤد کا بیٹا اور ایک آدم کا بیٹا) اگر ہم ان دو الفاظ کو قریب سے دیکھیں تو ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان الفاظ سے حضرت مسیح علیہ السلام کی مراد کیا تھی؟

آیئے! پہلے ہم یہ دیکھیں کہ ابن اللہ کے منصب کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ حضرت مسیح نے اپنے ایک ارشاد میں اس بات کو خوب واضح کر دیا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو یہ لقب کیوں دیا؟ یہ ارشاد متی کی انجیل میں موجود ہے۔

(اور جیسے توقع ہو سکتی تھی انجیل یوحنا میں نہیں ہے) اور وہ یہ کہ کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوائے باپ کے اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوائے بیٹے کے اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے۔ ②

① یہ متی ۷ب ۲۱ کی عبارت ہے۔
② یہ متی ۱۱ب ۲۷ کی عبارت ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کو اپنے خدا کا بیٹا ہونے کا جو احساس تھا وہ اس بات کے عملی نتیجے کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ خدا کو باپ یعنی رب ہونے کی حیثیت سے جانتے تھے۔

لہٰذا اگر بیٹے کے لفظ کو صحیح سمجھا جائے تو اس کا مطلب خدا کی معرفت کے سوا اور کچھ نہیں ہے البتہ یہاں دو چیزوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ پہلی یہ کہ حضرت مسیح اس بات کے قائل ہیں کہ وہ خدا کو اس طریقے سے جانتے ہیں کہ ان سے قبل کوئی نہیں جانتا۔ اس معنی میں حضرت مسیح اپنے آپ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے۔

Harnack what is christiar.ity pp. 128. 131. I rans by Thamas Paity sounder New York 1912

آگے چل کر چند صفحوں کے بعد ڈاکٹر ہارنیک لکھتے ہیں:۔

جس انجیل کی تبلیغ حضرت مسیح نے کی تھی۔ اس کا تعلق صرف باپ سے ہے بیٹے سے نہیں، یہ کوئی تضاد کی بات نہیں، اور نہ یہ کوئی عقلیت پسندی (Rationalism) ہے بلکہ یہ ان حقائق کا سادہ سا اظہار ہے جو انجیل کے مصنفین نے بیان کیے ہیں۔ (IBID P. 147)

پھر چار صفحوں کے بعد لکھتے ہیں:

انجیل ہمارے سامنے اس زندہ جاوید خدا کا تصور پیش کرتی ہے، یہاں بھی صرف اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس خدا کو مانا جائے اور تنہا اسی کی مرضی کی پیروی کی جائے، یہی وہ چیز ہے جو حضرت مسیح کا مطلب اور مقصد تھی۔ (IBID P. 151)

ڈاکٹر ہارنیک کے ان طویل اقتباسات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب بھی غیر جانبداری اور دیانتداری کے ساتھ انجیلوں کا جائزہ لیا گیا ہے تو دیانت نے ہمیشہ یہ فیصلہ دیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بارے میں ایک خدا کا بندہ اور پیغمبر ہونے کے سوا کوئی اور بات نہیں کی۔ ان کا کوئی ارشاد آج کی انجیلوں میں بھی نہیں ملتا جس سے ان کا خدا ہونا یا خدا کا کوئی اقنوم ثابت ہوتا ہے۔[۱]

اسی طرح عیسائیت کے اور عقائد کا حال ہے جن کو عقل اور نقل دونوں رد کرتے ہیں۔[۲] یہاں مقصد

---

[۱] بائبل سے قرآن ص ۱۰۸ سے ۱۱۳ ج ۱

[۲] عیسائیت کی حقیقت اور انجیل میں تحریفات کے متعلق ان کتابوں میں دیکھی جا سکتا ہے جو مستقل اس موضوع پر لکھی گئی ہیں خاص کر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی رحمہ اللہ کی بے نظیر تصنیف اظہار الحق کا مطالعہ کیا جائے جس میں عیسائیت کے خود ساختہ عقائد میں سے ہر ایک پر مبسوط اور مدلل اور تحقیقی بحثیں کی گئی ہیں۔ اصل کتاب عربی میں ہے چند سال پہلے اس کا اردو ترجمہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴ کے مدرس حضرت مولانا اکبر علی صاحب نے کیا اور استاد محترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے اس پر تحقیقات تجدید عصر حاضر کی مطبوعہ اناجیل سے اور اس پر ایک مقدمہ بھی مرتب کیا ہے جو بائبل سے قرآن تک کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے قابل دید ہے۔

رد عیسائیت میں کتاب لکھنا نہیں بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ اصلی سماوی مذاہب کو خود ساختہ ٹھیکداروں نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ہدایت آنے کے بعد طرح طرح کی دکانداریوں میں تبدیل کیا جس کی بنا پر وہ کسی فلسفہ کا مقابلہ نہ کر سکے جس کے نتیجے میں لوگ مذہب سے متزلزل ہوگئے اور ان کی بچی کچی روحانیت اور طمانیت بھی مادہ پرستی کے سیلاب میں بہہ کر چلی گئی اور یہی وہ چیز تھی جس سے محروم ہونے کی وجہ سے آج کی ترقی یافتہ آسمانوں سے باتیں کرنے والی دنیا امن وچین سے محروم ہے، بڑوں کو تو چھوڑیں نابالغ بچے خودکشی کرنے لگے ہیں۔

کاش! ان بے چاروں کو یہ معلوم ہو تا کہ وہ حیرت انگیز ترقیوں کے ذریعے طرح طرح کی ایجادات کر سکتے ہیں، برق اور خلا کو مسخر کر کے سیاروں پر جائے سکونت بنا سکتے ہیں لیکن دل کی خلش اور سکون واطمینان جو زندگی کی ساری بھاگ دوڑ کا اصل مقصد ہے وہ کبھی نہ کسی نئی سے نئی ایجاد میں ملے گا اور نہ دنیا کی کسی دوسری چیز میں ہاتھ آئے گا بلکہ یہ موتی جس سمندر میں ملے گا وہ تو صرف اسلام ہی ہے۔

باب چہارم

حقانیتِ اسلام

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر انبیائے کرام مبعوث ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی نبوت ایک خاص قوم اور محدود زمانہ کے لیے تھی، اس کے بعد دوسرا نبی آجاتا اور اپنی قوم کو ہدایت اور اطاعتِ خداوندی کی طرف بلا کر نفسانی اور شیطانی اعمال واخلاق کی نجاستوں اور شرک وغیرہ سے پرہیز کرنے کا حکم فرماتا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوئی

یہاں تک کہ وحی ورسالت کا سلسلہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (جیسا کہ ہر ممکن کام کی ایک ابتداء اور ایک انتہا ہوتی ہے) مکمل ہو کر ختم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ شانہٗ نے پورے عالَم کے انسانوں اور جنات کے لیے قیامت تک رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی حقیقی معرفت سعادت وشقاوت کے اصول صرف اسلام ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں

اب اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت، اس کی ذات وصفات کا علم، اس کی اطاعت وبندگی، سعادت وشقاوت کے اصول صرف قرآن مجید اور جناب سیدنا فخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ وہ اقوام جن کو کتب سماویہ دی گئی تھیں انہوں نے اپنی طبیعت ومزاج کے مطابق تحریفات سے اپنے عقائد ومذہب اور کتبِ سماویہ کو ایسا مسخ کر ڈالا ہے کہ حق اور باطل کا امتیاز ناممکن ہو گیا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مقدّس ذات کا صحیح تصور کسی ایک مذہب میں بھی نہیں پایا جاتا۔ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم کو تورات اور انجیل، الغرض تمام کتبِ سماویہ کی اصل تعلیمات اور حقائق ومعارف کے ساتھ مزید بے شمار علوم اور خصوصیات کا مجموعہ بنا کر تمام کتبِ سابقہ کا مصدق وموئید فرمایا اور اہلِ کتاب کے فریب کا پردہ چاک کر کے حق اور حقیقت کو روشن کر دیا اور ان کے ہاتھوں میں موجودہ آسمانی کتابوں تورات اور انجیل کی تحریفات کو نہایت واضح طور پر بیان فرمایا۔

قرآن مجید کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنے ذمے لے لی ہے

قرآن مجید کی آخری کتاب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت اور نبوت ختم ہونے کی وجہ سے،

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ

"ہم نے ہی اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں"۔ (سورت حجر:۹)

فرما کر اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے لیا اس لیے وہ قیامت تک بغیر ادنیٰ تغیّر و ترمیم کے اصلی حالت میں محفوظ رہے گا، کسی کی کوئی طاقت نہیں کہ اس کا ایک شوشہ تک بدل دے اس لیے آپ ﷺ کے بعد کسی دوسرے نبی اور رسول کی کوئی ضرورت اور گنجائش باقی نہیں رہی۔

اسلام کے سوا کوئی اور مذہب مدارِ نجات نہیں ہو سکتا

اور نہ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب مدارِ نجات ہو سکتا ہے۔ اگر قرآن مجید ہمیں یہ نہ بھی بتلائے کہ کسی شخص کی نجات سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں اگرچہ وہ شخص کسی دوسرے مذہب پر پورے تقویٰ سے نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ عمل پیرا ہو تو پھر بھی عقلاً یہ بات بالکل روز روشن کی طرح واضح ہے، اس لیے کہ جب قرآن کریم میں تمام کتبِ سابقہ کی اصلی اور بنیادی تعلیمات جمع کر دی گئی ہیں تو اب اگر کوئی بھی قرآن مجید کا انکار کرے تو وہ خود اپنی کتاب انجیل کا انکار کر کے کافر ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود حق تعالیٰ شانہ اپنی شفقت اور رحمتِ کاملہ کی وجہ سے قرآنِ حکیم میں ساری دنیا کے انسانوں اور جنات کو مختلف الفاظ سے بار بار خطاب فرماتے ہیں کہ:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ☆

"اور جو کوئی طلب کرلے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین پس اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا (یعنی نجات نہیں پائے گا"۔ (آل عمران : ۸۵)

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ☆

"فرما دیجیے اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا، تم سب کی طرف جس کی بادشاہت ہے آسمانوں اور زمین میں اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اس کی ساری باتوں پر اور اس کی اتباع کرو تاکہ تم راہِ راست پاؤ۔"

(اعراف آیت : ۱۵۸)

محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے بغیر اور دینِ اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب میں نجات کا کوئی تصور نہیں۔

سابقہ انبیاء علیہم السلام نے آپ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دی ہے

رسول اللہ ﷺ سے قبل بہت سے انبیاء علیہم السلام نے بشارت دی تھی کہ آخری دور میں ایک عظیم الشان رسول اللہ آنے والے ہیں۔ اس پر رسالت اور نبوت کا مقدس سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ آج سے چودہ سو سال قبل قرآن مجید نازل ہوتے وقت اگرچہ تورات اور انجیل میں بہت سی ترامیم اور تبدیلیاں ہو چکی تھیں پھر بھی ان میں محمد ﷺ کی علامات اور آپ کا نام مبارک صراحتًہ موجود تھا ورنہ قرآن مجید یہ اعلان نہ کرتا کہ:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا ۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ ۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ☆

”اور جب کہا عیسی مریم کے بیٹے نے کہ اے بنی اسرائیل! میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس تصدیق کرنے والا اس کی جو مجھ سے آگے ہے تورات اور خوشخبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد اس کا نام ہو گا احمد۔ پھر جب آیا ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے صریح۔“

(سورۃ الصف:۶ ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اگر یہ اعلان خلافِ واقعہ ہوتا تو اس زمانے کے یہود و نصاری کو قرآن مجید اور اسلام کے خلاف ایک بہت بڑا اور مفید ہتھیار ہاتھ آ جاتا۔ وہ اس کے ذریعے قرآن مجید کو اچھی طرح جھٹلا سکتے کہ دیکھیے تورات اور انجیل میں کہیں محمد یا احمد ﷺ کا ذکر نہیں لیکن اس وقت یہود و نصاری کی طرف سے اس کے خلاف کوئی اعلان نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس تورات اور انجیل میں آپ ﷺ کی صفات و علامات اور اسمِ گرامی تک صاف واضح طور پر موجود تھے جس کی وجہ سے اس کے مقابلہ میں کوئی خلافِ واقعہ ایسی بات پیش نہ کر سکے جس سے قرآن مجید کی شکست ہو اور اس کو جھٹلایا جا سکتا۔

آپ ﷺ کے عہد مبارک میں اہلِ کتاب آنحضرت ﷺ کی علامات اور اسمِ گرامی کو دیکھ کر مسلمان ہوتے تھے

اس زمانے کے بہت سے ایسے حضرات کے حوالے پیش کیے جا سکتے ہیں جو تورات اور انجیل وغیرہ میں

آپ ﷺ کی علامات اور نام مبارک پڑھ کر ہی مسلمان ہو گئے تھے لیکن یہاں طوالت کے خوف سے چند حوالے لکھے جاتے ہیں۔

حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ایک یہودی کا قرضہ تھا اس نے آکر اپنا قرضہ مانگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس نہیں، کچھ مہلت دو۔ یہودی نے شدت کے ساتھ مطالبہ کیا اور کہا کہ میں آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک میرا قرضہ ادا نہ کرو۔ آنحضرت ﷺ اسی جگہ بیٹھ گئے اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء اور پھر اگلے روز صبح کی نماز یہیں ادا فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ ماجرا دیکھ کر غضب ناک ہو رہے تھے اور آہستہ آہستہ یہودی کو ڈرادھمکا کر یہ چاہتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو تاڑ لیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ یہ کیا کرتے ہو؟ تب انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ !ہم اس کو کیسے برداشت کریں گے کہ ایک یہودی آپ کو قید کرے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ:

"مجھے میرے رب نے منع فرمایا ہے کہ کسی معاہد وغیرہ پر ظلم کروں۔"

یہودی یہ سب ماجرا دیکھ اور سن رہا تھا۔ صبح ہوتے ہی یہودی نے کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس طرح مشرف با اسلام ہو کر اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ! میں نے اپنا آدھا مال اللہ کے راستے میں دے دیا اور قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ میں نے اس وقت جو کچھ کیا اس کا مقصد صرف یہ امتحان لینا تھا کہ تورات میں جو آپ کی صفات بتلائی گئی ہیں وہ آپ میں صحیح طور پر موجود ہیں یا نہیں۔ میں نے تورات میں آپ کے متعلق یہ الفاظ پڑھے ہیں۔

محمد بن عبد اللہ، ان کی ولادت مکہ ہی میں ہو گی اور ہجرت مدینہ طیبہ کی طرف ہو گی اور ملک ان کا شام ہو گا۔ نہ وہ سخت مزاج کے ہوں گے، نہ سخت بات کرنے والے، نہ بازاروں میں شور کرنے والے۔ فحش اور بے حیائی سے دور ہوں گے۔

اب میں نے تمام صفات کا امتحان کر کے صحیح پا لیا ہے اس لیے شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ میرا آدھا مال ہے، آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں خرچ فرمائیں۔ وہ یہودی بہت مال دار تھا آدھا مال بھی ایک بڑی دولت تھی۔ اس روایت کو تفسیر مظہری میں بحوالہ دلائل النبوۃ اور بیہقی نقل فرمایا ہے۔

امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ کعب احبار سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تورات میں آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ لکھا ہوا ہے کہ:

محمد اللہ کے رسول ﷺ اور منتخب بندے ہیں، نہ سخت مزاج ہیں، نہ بے ہودہ گو، نہ بازار میں شور کرنے والے، بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے بلکہ معاف فرماتے ہیں اور در گزر کرتے ہیں، ولادت آپ کی مکہ میں اور ہجرت مدینہ طیبہ میں ہو گی۔ ملک آپ کا شام ہو گا اور امت حمادین ہو گی (یعنی راحت و کلفت دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر ادا کرے گی۔) ہر بلندی پر چڑھنے کے وقت وہ تکبیر کہا کرے گی، وہ آفتاب کے سایوں پر نظر رکھے گی تا کہ اس کے ذریعے اوقات کا پتہ لگا کر نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھا کرے، وہ اپنے نچلے بدن پر تہبند استعمال کریں گے اور اپنے ہاتھ، پاؤں کو وضو کے ذریعے پاک وصاف رکھیں گے۔ ان کا اذان دینے والا فضا میں آواز بلند کرے گا، جہاد میں ان کی صفیں ایسی ہوں گی جیسے نماز جماعت میں، رات کو ان کی تلاوت اور ذکر کی آوازیں اس طرح گونجیں گی جیسے شہد کی مکھیوں کا شور ہوتا ہے۔ (مظہری)

ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت سہل مولیٰ حیثمہ سے سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت سہل نے فرمایا کہ میں نے خود انجیل میں محمد مصطفی ﷺ کی یہ صفات پڑھی ہیں کہ:

وہ نہ پست قد ہوں گے، نہ بہت دراز، سفید رنگ دو زلفوں والے ہوں گے۔ ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہو گی، صدقہ قبول نہ کریں گے، حمار اور اونٹ پر سوار ہوں گے، بکریوں کا دودھ خود دوہ لیا کریں گے، پیوند زدہ کرتہ استعمال فرمائیں گے اور جو ایسا کرتا ہے وہ تکبر سے بَری ہوتا ہے۔ وہ اسماعیل علیہ السلام کی ذریت میں ہوں گے اور ان کا نام احمد ہو گا۔

کتب سابقہ کے بڑے ماہر عالم حضرت وہب بن منبہ سے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے زبور میں حضرت داود علیہ السلام کی طرف یہ وحی ارسال فرمائی کہ اے داؤد! آپ کے بعد ایک نبی آئیں گے جس کا نام احمد ہو گا، میں اس پر کبھی ناراض نہ ہوں گا اور وہ کبھی میری نافرمانی نہ کریں گے اور میں نے ان کے لیے سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی ہیں، ان کی امت مرحومہ ہے۔ میں نے ان کو وہ نوافل دیے ہیں جو انبیا کو عطا کی تھیں اور ان پر وہ فرائض عائد کیے ہیں جو پچھلے انبیاء پر لازم کیے گئے تھے یہاں تک کہ وہ محشر میں میرے سامنے اس حالت میں آئیں گے کہ ان کا نور انبیا علیہم السلام کے نور کی مانند ہو گا۔

اے داؤد! میں نے محمد ﷺ اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے۔ میں نے ان کو چھ چیزیں خصوصی طور پر عطا کی ہیں جو دوسری امتوں کو نہیں دی گئیں۔ اول یہ کہ خطا ونسیان پر ان کو عذاب نہ ہو گا جو گناہ ان سے بغیر قصد کے صادر ہو جائے اگر وہ اس کی مغفرت مجھ سے طلب کریں تو معاف کر دوں گا اور جو مال اللہ کی راہ میں بطیبِ خاطر خرچ کریں گے تو میں دنیا ہی میں ان کو بہت زیادہ دے دوں گا اور جب ان پر کوئی مصیبت پڑے اور وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُون کہیں تو میں ان پر اس مصیبت کو صلوۃ ورحمت اور جنت کی طرف ہدایت بنادوں گا اور وہ جو دعا کریں میں قبول کروں گا کبھی اس طرح کہ جو مانگا ہے وہی دے دوں گا اور کبھی اس طرح کہ اسی دعا کو ان کی آخرت کا سامان بنادوں گا۔(روح المعانی) ①

عصرِ حاضر کی موجودہ تورات وانجیل میں آج بھی ایسے کلمات موجود ہیں جو آپ ﷺ کے اسمِ گرامی کا پتہ دیتے ہیں

جب یہ بات بالکل ثابت ہے کہ چودہ سو سال پہلے بھی اہلِ کتاب نے تورات اور انجیل کے بہت سے احکام اور عقائد میں ترمیم و تبدیلی کی تھی تو اس وقت سے اب تک موجودہ تورات وانجیل میں مزید تحریفات کا کیا حال ہو گا لیکن اس کے باوجود سابقہ انبیائے کرام کے صحیفوں میں آج بھی ایسے کلمات موجود ہیں جن سے آپ ﷺ کی صفات اور علامات نمایاں طور سے واضح ہیں۔

تورات کی کتاب استثناء میں آپ ﷺ کے متعلق پیشن گوئی

موجودہ بائبل میں تورات کی کتاب استثناء میں ہے کہ:

خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا۔ ②

اس بات کی آیت نمبر ۱۷ میں ہے کہ: اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے

---

① معارف القرآن ص ۸۰ ج ۴ ادارۃ المعارف کراچی نمبر ۱۴۔ ۲؎ استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور M۱۹۷۹۸ء۔

② استثناء باب: ۱۸ آیت: ۱۷ تا ۱۹

گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔ ①

استثناء کے آخر میں ہے کہ:

اور اس وقت سے پہلے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کے مانند جس سے خداوند نے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا۔ ②

حضرت عیسی علیہ السلام کے مشہور حواری پطرس کی گواہی

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کوئی نبی موسیٰ علیہ السلام جیسا نہیں آیا۔ اس کی گواہی خود حضرت مسیح علیہ السلام کے مشہور حواری پطرس دیرہے ہیں۔ پس توبہ کرو اور رجوع لاتا کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع میں آئے تھے چناچہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ خداوند تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا اور یوں ہو گا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا وہ امت میں سے نیست ونابود کر دیا جائے گا۔ ③

ان کلمات میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ جس نبی کی بشارت دی گئی ہے وہ اسرائیل میں نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں (بنی اسماعیل جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے اس کے نسبی رشتہ دار ہیں) میں مبعوث ہو گا اور باب:۱۸ اور آیت:۱۵ میں یہ لفظ "تیرے ہی درمیان" الحاق ہے جیسا کہ بعد کے حوالوں سے ظاہر ہے اگر مراد بنی اسرائیل میں سے کسی نبی کی پیشن گوئی ہوتی تو زیادہ مناسب الفاظ یہ تھے کہ تمہاے لیے تم ہی میں سے ایک نبی برپا کروں گا۔ صرف یہی نہیں ان کلمات کا ایک ایک جملہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی خاصہ ہے۔ قرآن مجید کے سوا کتب سماویہ میں اور کوئی ایسی کتاب نہیں جس کی وحی لفظاً و معنیً پہنچی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم امی (ان پڑھ) تھے۔ انہیں خداوند کا

---

① استثناء باب:۱۸ آیت:۱۷ تا ۱۹

② استثناء: باب آیت:۳۴ آیت ۱۰۔

③ رسولوں کے اعمال: ب۳ آیت: ۱۹ تا ۲۳

کلام موسیٰ علیہ السلام کی طرح لکھا ہوا نہیں ملا تھا بلکہ ان کے منہ میں ڈالا گیا اور یہی کلام پھر قرآن مجید کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے جمع کر دیا، بس وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جس کے ذریعے ہمیں اللہ تعالیٰ کا کلام لفظاً و معنیً پہنچا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وحی اِنْ ھُوَ اِلاَّ وَحْیٌ یُّوْحیٰ کے مطابق کلام کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے امور میں موسیٰ علیہ السلام سے مشابہت رکھتے تھے مثلاً دونوں کا شادی شدہ ہونا اور دونوں کا صاحبِ ہجرت اور صاحبِ جہاد ہونا، دونوں کا صاحبِ شریعت ہونا۔ الغرض اسی قسم کے اور بہت سے امور میں دونوں باہم مماثل تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو مسیح علیہ السلام کے نزول سے قبل مبعوث ہوئے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے ضروری تھا کہ اس وقت تک آسمان میں رہیں جب تک کہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جس نے شرک و تثلیث اور بت پرستی کو مٹا دیا۔

اور اب حضرت عیسی علیہ السلام کا انتظار ہے وہ آکر دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے ان کی علامات اور نشانیاں ایسی صاف طور پر مسلمانوں کے ہاں محفوظ ہیں کہ کسی جھوٹے کے لیے ایسا دعوی کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تورات کی دوسری پیشن گوئی

اور استثناء میں ہے کہ:

اور مردِ خدا موسیٰ نے دعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہے اور اس نے کہا: خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لیے آتشی شریعت تھی۔ (استثناء: ۳۳ ب ۱،۲)

اور پیدائش میں ہے کہ:

"اور خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کیونکہ خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اس کی آواز سن لی ہے۔ اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیونکہ میں اس کو بڑی قوم بناؤں گا پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا کنواں دیکھا اور جا کر مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا۔" (پیدائش: ۲۱ب آیت:۱۹،۱۷)

مجموعہ بائبل میں جس قدر کتابیں ہیں۔ ان میں مکہ مکرمہ کا نام فاران ہے اور اسماعیل علیہ السلام جس بیابان

میں رہا اسی بیابان میں باپ، بیٹے نے مسجد تعمیر کرائی جو مسجد الحرام کے نام سے مشہور ہے اور سینا سے مراد موسیٰ علیہ السلام اور شعیر سے ان پر آشکارا ہونے سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور باقی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے جو دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ فاران کے پہاڑ سے فاران (مکہ مکرمہ) والوں پر جلوہ گر ہوا اور اس کے ساتھ نورانی آسمانی شریعت تھی یہاں ہمارے ہاں جو 6M ۱۹۷۹ء کی جدید ایڈیشن کی بائبل ہے اس میں لفظ "لاکھوں قدسیوں" ہے لیکن اس سے قبل کے جو بائبل ہیں ان میں لاکھوں قدسیوں کے بجائے "دس ہزار قدسیوں" ہے۔ چنانچہ حضرت قاضی محمد سلیمان منصور پوری صاحب نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین میں دس ہزار ہی نقل کیا ہے اور سیرت النبی میں حضرت سید سلیمان ندویؒ نے انگریزی ترجمہ (کنگ جیمس ورشن) مطبوعہ ۱۹۵۸ء میں لفظ "دس ہزار مقدسوں" نقل کیا ہے۔ اسی طرح پاکستان بائبل سوسائٹی ایڈیشن ۱۸۹۵ء میں بھی لاکھوں کی جگہ دس ہزار کا لفظ ہے۔ اور ہولی بائبل کے انگریزی ایڈیشن میں بھی یہی لکھا ہے۔

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ پادری صاحبان کسی لفظ کے بارے میں جب یہ دیکھتے ہیں کہ اہلِ اسلام اس سے دلیل پکڑ سکتے ہیں تو اس لفظ میں تغیّر و تبدّل کر دیتے ہیں یا سرے سے اڑا دیتے ہیں اور یہاں جب انہوں نے دیکھا کہ فتح مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار صحابہؓ تھے تو لفظ دس ہزار کو اڑا دیا اور اس کی جگہ لاکھوں کا لفظ رکھ دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی گواہی

بلکہ یہاں میرے پاس جو بائبل موجود ہے (ایڈیشن 6M ۱۹۷۹ء بائبل سوسائٹی لاہور) اس کی کتاب غزل الغزلات میں حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"میرا محبوب سرخ و سفید ہے اور وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔ اس کا سر خالص سونا ہے اور اس کی زلفیں پیچ در پیچ اور کوے سی کالی ہیں۔" ①

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرخ و سفید تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال گنگریالے تھے اور "دس ہزار" وہ لفظ ہے جو تورات کی کتاب استثناء میں تبدیل کر کے لاکھوں کر دیا گیا ہے۔

---

① غزل الغزلات ب۵ آیت ۱۰، ۱۱

حضرت اشعیا علیہ السلام کی پیشن گوئی

حضرت اشعیا علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: "عرب کی بابت بارِ نبوت اے ددانیوں کے قافلو!، تم عرب کے جنگل میں رات کاٹو گے وہ پیاسے کے پاس پانی لائے۔ تیما کی سر زمین کے باشندے روٹی لے کر بھاگنے والے سے ملنے کو نکلے کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں کیونکہ خداوند نے مجھ سے یوں فرمایا کہ مزدور کے برسوں کے مطابق ایک برس کے اندر اندر قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کی تعداد کا بقیہ یعنی بنی قیدار کے بہادر تھوڑے سے ہوں گے کیونکہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا ہے"۔ ①

اور آگے اشعیا علیہ السلام سے دوسری جگہ خطاب ہے کہ:

"دیکھو میرا خادم جس کو میں سنبھال لیتا ہوں۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے میں نے اپنی روح اس پر ڈالی، وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی، وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا، وہ راستی سے عدالت کرے گا، وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے، جزیرے اس کی شریعت کے منتظر ہوں گے۔ جس نے آسمانوں کو پیدا کیا اور تان دیا جس نے زمین کو اور ان کو جو اس میں سے نکلتے ہیں پھیلایا جو اس کے باشندوں کو سانس اور اس پر چلنے والوں کو روح عنایت کرتا ہے یعنی خداوند، خدا یوں فرماتا ہے میں خداوند نے تجھے صداقت سے بلایا۔ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری عظمت کروں گا اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانے سے چھڑائے۔ یہوداہ میں ہوں یعنی میرا نام ہے، میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لیے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتوں کی لیے روزانہ رکھوں گا۔ دیکھو پرانی باتیں پوری ہو گئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں اس سے بیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ اے سمندر پر گزرنے والو اور اس میں بسنے والو! اے جزیرو اور ان کے باشندو خداوند کے لیے نیا گیت گاؤ زمین پر سر تا سر ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کی آباد گاں اپنی آواز بلند کریں۔ سلع کے بسنے والے گیت گائیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں، وہ

① (یسعیاہ ب ۲۱ آیت ۱۳،۱۷)

خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثناخوانی کریں۔ خداوند بہادر کے مانند نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا۔ وہ نعرہ مارے گا ہاں وہ للکارے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا۔"

دوان اور سبا دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے یُقسان کے بیٹے تھے جو ابراہیم کی تیسری بیوی قطورہ کے بطن سے تھا① سبا اور دوان کی اولاد یمن میں آباد ہوئی تھیں۔ سیل عرم کے آنے سے یہ قبائل متفرق ہوئے۔ اوس و خزرج کے قبائل جو انصار کہلاتے ہیں انہیں میں سے ہیں اور تیما حضرت اسماعیل علیہ السلام کے آٹھویں فرزند کا نام ہے جس کی اولاد مدینہ منورہ کے عقب میں آباد ہوئی اور قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صاحبزادے کا نام ہے۔② قریش انہی کی نسل میں سے ہیں اور سلع سے سابقہ انبیاء کی کتب میں مدینہ منورہ مراد ہے کیونکہ سلع مدینہ منورہ کا مشہور پہاڑ ہے اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا گھر اس کے پاس تھا۔

اب مندرجہ بالا کلمات جو حضرت اشعیا علیہ السلام نے فرمائے ہیں یا ان سے خطاب ہے ان پر نظر ڈالیے جن کا ایک ایک لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر صادق آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم قریش کے ظلم و ستم سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آباد ہوئے اور اہلِ مدینہ نے ان کی پانی، روٹی، جان و مال ہر لحاظ سے پوری نصرت کی اور ہجرت کے ایک سال بعد جنگ بدر واقع ہوئی جس میں قریش کے مشہور بہادر بڑے بڑے سردار ابو جہل جیسے مارے گئے اور ان کے رعب و حشمت کو ختم کر ڈالا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم استقلال کے ایسے پہاڑ تھے جس میں ہمت ہارنے کا کوئی تصور تک نہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بت پرستوں کے ساتھ ایسا مقابلہ کیا کہ دنیا سے تشریف لے جانے سے قبل پورے جزیرۂ عرب میں کوئی بت پرست نہ رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جہاد کیے اور ان کو ذلیل و خوار کر کے ان کی قوموں میں عدل و انصاف جاری کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا اعلان خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ

"اور اللہ تعالیٰ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے"

جس کے بعد کسی کو مجال نہ ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر ڈالے یہی وجہ تھی کہ ایسی شدید جنگوں کے باوجود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر انتقال کر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر مدینہ منورہ کی بچیوں نے:

---

① دیکھیئے پیدائش ب ۲۵، آیت ۱۔۴

② دیکھیئے پیدائش ب ۲۵، آیت ۱۳

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَاعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

کے گیت گائے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حجتہ الوداع میں اور لاکھوں مسلمان ہر سال حج کو جاتے ہوئے بلند آواز سے لبیک اللھم لبیک کہتے ہوئے چوٹیوں پر سے گزرتے ہیں اور اللہ تعالی کے جلال کو ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح مذکورہ بالا پیشین گوئی کا ایک ایک حرف سیدنا محمد ﷺ اور آپ کے صحابہؓ وامت پر پوری طرح صادق آتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی غزل الغزلات میں آج بھی آپ ﷺ کا اسمِ گرامی موجود ہے

اور موجودہ بائبل کی کتاب غزل الغزلات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ان الفاظ "ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے اے یروشلم کی بیٹیو! یہ میرا محبوب یہ ہے میرا پیارا" کو نقل کر کے حضرت محمد سلیمان منصور پوری صاحب اپنی کتاب رحمتہ اللعالمین: ص ۱۱۶ جلد اول میں لکھتے ہیں کہ:

"عبرانی بائبل کے الفاظ یہ ہیں۔ "خلو محمدیم زہ دوری وزہ رعی بلوث یروشلامیم" اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے "وہ ٹھیک محمد ہے، میرا خلیل اور میرا حبیب یہی ہے اے دخترانِ یروشلم!" پادری صاحبان کا اتفاق ہے کہ غزل الغزلات میں ہیکل (قبلہ) نے کسی موعود بزرگ کے عشق میں ترانہ گایا ہے۔ اس کے بعد بھی پادری صاحبان اسے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق خیال کرتے ہیں لیکن جب اس ترانہ کے مصنف حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود ہی نام مبارک محمد بھی فرمادیا تو اب ممدوح کا صحیح پتہ لگ جانے میں کوئی شبہ نہیں رہا اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ آپ (ﷺ) کے عشق میں کیا گیا ہے جیسا کہ اس سے قبل غزل الغزلات کے حوالے حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہ الفاظ منتقل کیے گئے ہیں کہ میرا محبوب سرخ و سفید ہے، وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ آپ ﷺ ہی تھے جو فتح مکہ کے دورانِ دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ممتاز تھے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اشعار آپ ﷺ ہی کے عشق میں گائے گئے ہیں۔ کسی دوسرے کی محبت میں نہیں گائے گئے ہیں۔

انجیل یوحنا میں آپ ﷺ کے متعلق پیش گوئی

موجودہ بائبل کے عہد قدیم میں اس قسم کی اور بہت سی بشارتیں آج بھی موجود ہیں جن کا مصداق آپ ﷺ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی لوگوں کی نظریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ ایک مشہور و معروف عظیم الشان نبی پر لگی ہوئی تھیں۔ انجیل یوحنا میں ہے کہ ”یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہو کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا کہ پھر تو کون ہے؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا جیسا یسعیا نبی نے کہا ہے بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو یہ فرسیوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ نبی تو پھر بتپسمہ کیوں دیتا ہے“۔(ب ۱/ ۱۹ تا ۲۵)

اسی انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خطاب کے بعد یوں کہا گیا۔ پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سن کر کہا بے شک یہی وہ نبی ہے اوروں نے کہا یہ مسیح ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(یوحنا: ب ۷ ۴۰)

ان کلمات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا محمد ﷺ ان کے ہاں ایسے مشہور و معروف تھے کہ نام لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپ ﷺ کی عظمت اور رفعت ان کے درمیان ایسی کچھ مشہور ہوئی تھی کہ وہ نبی کہنا سمجھنے کے لیے کافی ہوتا تھا اور یہ بھی صاف ظاہر ہو گیا کہ لوگ حضرت مسیح کے علاوہ ایک دوسرے عظیم الشان رسول کے بڑی شدت سے منتظر تھے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اس عظیم الشان نبی کی علامات لوگوں کو بتائیں حتی کہ اس آنے والے رفیع الشان کے اسم مبارک کو بھی صراحت سے بتلا دیا تھا۔

آپ ﷺ کی تشریف آوری کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتیں

اب اگرچہ بائبل میں بہت کانٹ چھانٹ کر کے پوری طرح اس کا حلیہ بگاڑ دیا گیا ہے تاہم پھر بھی اس کے عہدِ جدید میں ایسے کلمات موجود ہیں جو آپ ﷺ کے سوا اور کسی پر صادق نہیں آتے۔

حضرت مسیح علیہ السلام بشارت دیتے ہیں کہ:

لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مدد گار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہوں، راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا۔(۱۶ب ۱۲۔ ۸ یوحنا)

اور تین آیات چھوڑ کر آگے لکھا ہے کہ:

مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا اجلال ظاہر کرے گا۔(۱۶ ب ۱۲ تا ۱۴ یوحنا)

ان کلمات میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دیتے ہوئے سب کچھ فرماتے ہیں۔ اگرچہ یہاں بھی پادری صاحبان نے مدعا کو ضبط کرنے کی پوری کوشش کرکے روح حق کو شامل کر دیا ہے لیکن ایک سرسری نظر سے سمجھنے میں آتا ہے کہ یہ کوئی روح کی پیشن گوئی نہیں ہے بلکہ ایک خاص عظیم شخص کے متعلق ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری پوری صادق آتی ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جو وحی کے علاوہ کوئی بات نہیں فرماتے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

"اور وہ نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے، نہیں یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے"(سورۃ النجم:۳-۴)

اور بے شمار ایسی باتیں کیں جن کو سابقہ انبیاء میں سے کسی نے بھی بیان نہیں کیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جس کی عظمت اور رفعت کے بارے میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو صاف بتا دیا ہے کہ:

"اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔"(۱۴ ب: ۳۰ یوحنا)

اور مسیح علیہ السلام تو صرف بنی اسرائیل کے ہی سردار تھے چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے خود فرماتے ہیں کہ:

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا ہوں۔"
(متی: ۱۵ ب ۲۴)

بلاشبہ وہ محمد ﷺ ہی ہیں جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے سچے نبی ہونے اور اس کی الوہیت کے دعوی کرنے سے برات کی گواہی دی اور قرآن مجید نے ساری دنیا کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں مریم صدیقہ کی پاکیزگی کو بیان کر دیا اور ان دونوں (ماں، بیٹے) سے متعدد مواقع میں سارے اتہام دور کیے، اور وہ آپ ﷺ ہی تھے جنہوں نے ساری دنیا خصوصاً یہود کو قصوروار ٹھہرایا اور ان کو حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ایسا سخت ملامت کیا کہ اس کے نتیجہ میں بہت سارے یہود بھی اسلام قبول کرنے سے محروم ہو گئے۔

بہت سے یہود آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تھے جن کو اس بات پر اصرار تھا کہ ہم لوگ آپ ﷺ پر ایمان لانے کو تیار ہیں مگر ہم عیسیٰ علیہ السلام کو سچا نہیں مان سکتے۔ آپ ﷺ صاف فرما دیتے کہ جو کوئی عیسی علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتا وہ مجھ پر ایمان نہیں لا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہر مسلمان حضرت عیسی علیہ السلام اور تمام سابقہ انبیا علیہم السلام کی بزرگی اور عظمت کا دل سے قائل اور ان پر ایمان رکھتا ہے حالانکہ اسلام کے سوا عیسائیوں کے پاس ایک بھی بیرونی گواہ موجود نہ تھا اور نہ اب قرآن مجید اور مسلمانوں کے سوا کوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی گواہی دیتا ہے۔

ڈیڑھ سو سال قبل مطبوعہ اناجیل میں لفظ "فارقلیط"

بلکہ ڈیڑھ سو سال قبل مطبوعہ اناجیل میں اس لفظ کے بدلے تو وہ مددگار کے بجائے لفظ "وہ فارقلیط" ہے۔

جیسا کہ حضرت شیخ ابو محمد عبد الحق حقانی رحمہ اللہ یوحنا انجیل جو عربی زبان میں مترجم ہو کر شہر لندن میں چھپی ہے اس سے نقل کرتے ہیں کہ:

"تمہارے لیے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آوے.............. الخ۔

پھر لفظ "فارقلیط" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ

عیسی علیہ السلام عبرانی زبان میں کلام کرتے تھے اور عبرانی میں صاف احمد کا لفظ ذکر کیا تھا۔ اہلِ کتاب کی عادت ہے کہ وہ جب کسی کلام کا ترجمہ کرنے بیٹھتے ہیں تو ناموں کا بھی ترجمہ کر دیا کرتے ہیں، اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں۔ پھر جب یوحنا کے کلام کا یونانی میں ترجمہ کیا تو احمد کا بھی ترجمہ کر دیا اور یونانی میں پیرکلوس لکھ دیا جس کے معنی ہیں احمد۔ (یعنی بہت سراہا گیا) بہت حمد کرنے والا پھر جب یونانی سے عربی ترجمہ کیا تو اس کا معرب فارقلیط کر دیا"۔

بعض عبرانی نسخوں میں اب بھی آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی موجود ہے

اور اس لفظ پر طویل بحث کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

اس کے علاوہ ایک بڑی تائید اور بھی ہے وہ یہ کہ بعض عبرانی نسخوں میں اب تک آنحضرت ﷺ کا نامِ مبارک موجود ہے۔ (دیکھو پادری پارکھرست صاحب کی یہ عبارت)

"دِ باحمدہ خل ہگویم"

(از حمایتِ اسلام مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء صفحہ ۸۱، ۸۴)

ترجمہ اپالوجی گاڈفری، ہنگنس صاحب مطبوعہ لنڈن ۱۸۲۹ء [1]

اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کی خیانت

یہ ہے پادری صاحبان کی خیانت! آخر ان کی کون سی چیز پر اعتماد کیا جائے جس وقت کتابوں کی چھپائی شروع ہوئی ہے۔ آپ اس وقت سے اب تک انجیل کی مختلف زبانوں کے نسخوں کو سامنے رکھیں پھر ایک ہی زبان کی مختلف ایڈیشنوں میں غور کریں تو آپ پر ان لوگوں کی خیانت صاف ظاہر ہو جائے گی کہ یہ لوگ ہر نئے ایڈیشن میں کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل کر دیتے ہیں پہلے لفظ "فارقلیط" لکھا جاتا ہے، جب دیکھا کہ اہلِ اسلام اس سے سند پکڑتے ہیں تو اس لفظ کو موجودہ اناجیل سے غائب کر دیا۔ بہر حال جو کچھ بھی کر دیا اب تک تورات اور انجیل میں ایسے بے شمار کلمات موجود ہیں جو آپ ﷺ کے سوا اور کسی پر صادق نہیں آتے۔

یوحنا حواری کا مکاشفہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے متعلق

بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان جانے کے بعد اس کے حواری یوحنا کو جو مکاشفہ ہوا تھا جس میں صرف وہ باتیں دکھائی گئی تھیں جو بعد میں واقع ہونے والی تھیں۔

اس کے چودھویں باب میں ہے کہ:

"پھر میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ برّہ صیّون کے پہاڑ پر کھڑا ہے اور اس کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار شخص ہیں جن کے ماتھے پر اس کا اور اس کے باپ کا نام لکھا ہوا ہے اور مجھے آسمان پر سے ایسی آواز سنائی دی جو زور کے پانی اور بڑی گرج کی سی آواز تھی اور جو آواز میں نے سنی تھی جیسے بربط نواز بربط بجاتے ہوں

[1] تفسیر حقانی ص ۱۰۵ تا ۱۱۰۔ ج ۷۔ المکتبہ العزیزیہ ۱۳۰ اردو بازار لاہور

وہ تخت کے سامنے اور چاروں جانداروں اور بزرگوں کے آگے گویا ایک نیا گیت گا رہے ہیں اور ان کے ایک لاکھ چوالیس ہزار اشخاص کے سوا جو دنیا میں سے خرید لیے گئے تھے کوئی اس گیت کو نہ سیکھ سکا یہ وہ ہیں جو عورتوں کے ساتھ آلودہ نہیں ہوئے بلکہ کنوارے ہیں، یہ وہ ہیں جو برّہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں جہاں کہیں وہ جاتا ہے، یہ خدا اور برہ کے لیے پہل پہل ہونے کے واسطے آدمیوں میں سے خرید لیے گئے ہیں اور ان کے منہ سے کبھی جھوٹ نہ نکلا تھا، وہ بے عیب ہیں پھر میں نے ایک اور فرشتے کو آسمان کے بیچ میں اڑتے ہوئے دیکھا جس کے پاس زمین کے رہنے والوں، ہر قوم، قبیلہ، اہلِ زبان اور امت کے سنانے کے لیے ابدی خوشخبری تھی اور اس نے بڑی آواز سے کہا کہ خدا سے ڈرو اور اس کی تمجید کرو کیونکہ اس کی عدالت کا وقت آپہنچا ہے اور اس کی عبادت کرو جس نے آسمان اور زمین سمندر اور پانی کے چشمے پیدا کیے ہیں۔[1] یہ وہی آپ ﷺ کی حج کی پیشن گوئی ہے جو یوحنا حواری کو کی گئی ہے۔

کیونکہ "برّہ" سے مکاشفات کی اصطلاح میں وہ مقدس مخلوق مراد ہوتی ہے جو اللہ تعالی کے بعد سب سے برتر ہو اور صیّون سے مقدس پہاڑ مراد ہوتا ہے۔ یہاں برّہ سے مراد سیدنا محمد ﷺ اور صیّون سے عرفات کا میدان مراد ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ حج میں ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جن کی پیشانیوں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے اثرات نمایاں تھے۔ قرآنِ حکیم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے کہ:

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ

"ان کی علامات ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ظاہر ہے" (سورۃ الفتح:۲۹)

اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے جن کی تسبیح و تحمید اور تہلیل سے میدانِ عرفات اور اس کے مقدس پہاڑ گونج رہے تھے۔ اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے خطبہ سننے کا شرف ان ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہی ملا اور وہ یہی صحابہ کرام تھے جن کو اللہ تعالی نے جنت کے بدلے خرید لیا تھا اور آنحضرت ﷺ کی سچی اتباع اور آپ ﷺ کے قدم قدم پر چلنے والے تھے اور جھوٹ سے پرہیز کرنے والے تھے، اسی طرح جو جو اوصاف ان کے بارے میں لکھے ہیں وہ سارے کے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بوجہ اتم موجود تھے جن میں

[1] باب ۱۴۔ ۱ تا ۷ مکاشفہ بائبل۔

بعض کو قرآن مجید نے بھی بیان کیا ہے اور ابدی خوشخبری قرآن مجید ہی ہے جو سینوں میں محفوظ ہے، نہ چھینا جا سکتا ہے، نہ جلایا جا سکتا ہے، نہ چرایا جا سکتا ہے، نہ تحریف کیا جا سکتا ہے اور آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی اسی طرح محفوظ ہے اور ابد تک محفوظ رہے گا کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالی نے لی ہے اور یہی قرآن کسی زمان یا قوم و قبیلہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام عالم کے انس و جن کے لیے قیامت تک رہنمائی کرتا رہے گا اور اللہ جلّ شانہ نے احکامات دین کی تکمیل کی خوشخبری اسی دن عرفات میں دے کر فرمایا کہ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

”آج کے دن تمہارے لیے دین کو میں نے پورا کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا“۔ (المائدہ :۳)

اللہ تعالی نے امتِ مرحومہ کو بشارت دی کہ دینِ اسلام ایک بہت بڑی نعمت ہے جو ان کو بخشی گئی ہے اور یہی دین ہر حیثیت سے کامل اور مکمل ہے۔ نہ اس کے بعد کوئی نیا دین آئے گا اور نہ اس میں کوئی کمی بیشی کی جائے گی۔

اسی طرح مکاشفہ یوحنا حواری کے دوسرے مکاشفات میں بھی ایسے کلمات اب بھی موجود ہیں جن سے آپ ﷺ کا سید المرسلین اور امام الانبیاء ہونا اور دیگر صفات جنگِ بدر اور حنین کے واقعات اور اس میں فرشتوں کا نزول وغیرہ سب کچھ نمایاں طور سے واضح ہے۔(دیکھیے مکاشفہ با۱۹ب۔۱۱ تا۱۶)

انجیل برناباس

انجیل برناباس میں آج بھی سیدنا محمد ﷺ کا اسم گرامی صراحتًا موجود ہے۔

محمد ﷺ کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے کلیسا نے اس کتاب پر پابندی عائد کی تھی اور اس شخص کو واجب القتل قرار دیا تھا جس کے پاس یہ کتاب پائی جائے، آپ ﷺ کے بارے میں جو بشارتیں اس میں بکثرت موجود ہیں وہ کلیسا کے غیظ و غضب کا گو سبب نہ تھیں لیکن ان کے علاوہ اس میں عقیدۂ تثلیث کا بطلان کیا گیا ہے اور توحید کو مضبوط دلائل سے بہت اچھے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس میں کچھ ایسی تعلیمات تھیں جو سینٹ پال کے پیش کردہ خود ساختہ مذہب کی بیخ کنی کرتی تھیں اور کلیسا کے نزدیک یہ سب کچھ ناقابلِ برداشت تھا اس لیے انہوں نے اس کتاب کو اپنی مقدس کتب کی فہرست سے خارج کر دیا۔

اسی انجیل برناباس کے متعلق میرے استاد حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

برنابا یا برناباس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک جلیل القدر حواری ہیں۔ انجیل برناباس وحی الٰہی کی طرف منسوب ہے۔ دوسرے حواریوں کی طرح انہوں نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانحِ حیات اور آپ کے ارشادات جمع کیے تھے لیکن یہ انجیل عرصہ دراز سے دنیا سے غائب تھی۔ گم شدہ کتابوں میں اس کا ذکر آیا کرتا تھا جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ ۲۲۴ جلد اول پر اکسہومو کے حوالے سے آپ پڑھ چکے ہیں لیکن ۱۷۰۹ء میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے پوری دنیا کو سوچنے اور سمجھنے پر مجبور کر دیا۔ مذکورہ سن میں شاہ پرویشا کے ایک شہر جس کا نام کریمر تھا ایمسٹرڈیم کے مقام پر کسی کتب خانہ سے ایک کتاب ہاتھ لگی جو اطالوی زبان میں تھی اور اس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ برناباس کی انجیل ہے۔ اس کتاب میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات درج تھے اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا مصنف برناباس ہے، اس وقت تک صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ کریمر نے یہ اطالوی نسخہ ایمسٹرڈیم کے کسی صاحبِ حیثیت آدمی سے حاصل کیا تھا جو اسے ایک انتہائی قیمتی کتاب سمجھتا تھا۔ کریمر نے یہ نسخہ شہزادہ ایوجین سافوی کو تحفے کے طور پر دے دیا اس کے بعد ۱۷۳۸ء میں یہ آسٹریا کے پایہ تخت دائنا کے شاہی کتب خانہ میں منتقل ہو گیا اور اب تک وہیں ہے۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

یہی برناباس کی وہ انجیل ہے جسے عرصہ دراز سے چھپانے اور مٹانے کی بڑی کوششیں کی گئیں اور جس کے بارے میں پانچویں صدی عیسوی میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے) پوپ جیلاشیس اول نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کی اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا مجرم سمجھا جائے گا۔

(دیکھئے انسائیکلو پیڈیا ص ۲۶۲ ج ۳ مقالا جیلا شیش اور مقدمہ انجیل برناباس از ڈاکٹر سعادت مصری مسیحی)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

انجیل برناباس اور دوسری اناجیل کے درمیان اختلاف

یہاں اتنا اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انجیل برناباس معروف اناجیل اربعہ سے مندرجہ ذیل بنیادی اختلاف رکھتی ہے۔

۱) اس میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بیٹا ہونے سے واضح طور سے انکار کیا ہے۔

۲) اس میں حضرت مسیح علیہ السلام نے بتایا کہ وہ مسیح یا جس کی بشارت عہدِ قدیم کے صحیفوں میں دی گئی ہے اس سے مراد میں نہیں ہوں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۳) برناباس کا بیان ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی بلکہ انہیں آسمان پر اٹھایا گیا، ان کے بجائے یہوداسکر دیوتی کی صورت بدلی گئی تھی اور اس کو پھانسی دی گئی تھی۔

۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ حضرت اسحاق نہیں تھے بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

یہ امور چونکہ اسلامی عقائد کے سو فیصد مطابق ہیں اس لیے اکثر مسیحی علماء اس انجیل برناباس کو مسلمانوں کی خود ساختہ کتاب قرار دیتے ہیں۔

انجیل برناباس کی حقیقت اور اصلیت پر استادِ محترم محققانہ اور طویل بحث کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

”جو حضرات بائبل کو قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں ان کے پاس انجیل برناباس کو رد کرنے کی کوئی وجہ اور جواز نہیں ہے، بلکہ جتنے خارجی اور اندرونی قرائن اس کتاب کی اصلیت پر دلالت کرتے ہیں اتنے شاید ہی بائبل کی کسی کتاب کو حاصل ہوں“۔ [1]

انجیل برناباس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتیں

جب آپ انجیل برناباس کی حقیقت اور اصلیت کو پہچان گئے تو اب اس کی چند بشارتیں ملاحظہ فرمائیے۔ مولانا پیر کرم شاہ صاحب اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں انجیل برناباس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسٹر اور مسز ریگ (RAGG) نے ۱۹۰۷ء میں ایک لاطینی نسخے سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو اب ہمارے سامنے ہے۔ آکسفورڈ کے کلیر نڈن پریس نے اسے طبع کیا، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے اسے شائع کیا۔ جب اس کا انگریزی ترجمہ چھپ کر بازار میں آیا تو اس کے سارے نسخے بازار سے پر اسرار طور پر غائب کر دیے گئے صرف دو نسخے محفوظ رہے۔ ایک برٹش میوزیم میں اور دوسرا واشنگٹن کی کانگریس لائبریری

---

[1] دیکھئے اظہار الحق: ص ۱۵۹ تا ۱۶۰ ج: ۱۔ اور ص ۳۵۴ تا ۳۸۴ ج: ۳۔

میں پیشِ نظر انگریزی ترجمہ مائکرو فلم کے ذریعے ایک پبلشر دوست کی وساطت سے واشنگٹن کی کانگریس لائبریری سے حاصل کیا ہے آگے چل کر انہوں نے اس انگریزی ترجمے سے متعدد حوالے پیش کیے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

But after me shall come the splendor of all the prophets and holy ones and shall shed light upon the darkness of all that the prophets have said because he is the messanger of god.

۱) لیکن میرے بعد وہ ہستی تشریف لائے گی جو تمام نبیوں اور نفوسِ قدسیہ کے لیے آب و تاب ہے اور پہلے انبیاء نے جو باتیں کی ہیں ان پر روشنی ڈالے گی کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

The name of the messiah is a dmirable for god himself give him the name when had created his soul and placed it in a celestial splendor god said.

Wait Muhammad for the sake I well to create paradise.

The world and great multitude of creatures.

I shall send the eintoth e world I shall send thee as my messanger and the world shall be true in so much that heavan and earth shall fail but the faith shall never fail.

"Muhammad is the blessed"

۲) مسیحا کا نام قابلِ تعریف ہے۔ اللہ تعالی نے جب ان کی روح مبارک کو پیدا کیا اور آسمانی آب و تاب میں رکھا تو خود ان کا نام رکھا۔ اللہ نے فرمایا اے محمد ﷺ! انتظار کرو میں نے تیری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے اور ساری دنیا کو پیدا کیا ہے اور بے شمار مخلوق کو پیدا کیا ہے، جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو تمہیں نجات دہندہ رسول بنا کر بھیجوں گا، تیری بات سچی ہو گی۔ آسمان اور زمین فنا ہو سکتے ہیں لیکن تیرا دین کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔ آپ نے کہا کہ محمد اس کا بابرکت نام ہے۔

Shall abide that dishonour. For a long in the world. but when Muhammad shall come the sacred messanger of god.

That in famy shall be taken away and this shall god do because I have confessed.

The truth of the messiah who shall give me this reward that shall be known to bealive and to be a stranger to that death of in famy.

(۳) طویل عرصہ تک لوگ مجھے بدنام کرتے رہیں گے لیکن جب محمد ﷺ تشریف لائیں گے جو خدا کے مقدس رسول ہیں۔ تب میری یہ بدنامی اختتام پذیر ہوگی اور اللہ تعالیٰ یوں کرے گا کیونکہ میں اس مسیحا کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں وہ مجھے یہ انعام دے گا۔ لوگ مجھے زندہ جاننے لگیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس رسوا کن موت سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ (باب ۱۱۲)

پادری سیل نے اپنے ترجمۂ قرآن مجید کے مقدمہ میں انجیل برناباس سے ایک بشارت یوں نقل کی ہے۔

"اے برنابا! تو جان لیں کہ گناہ کتنا ہی چھوٹا ہو اللہ (تعالیٰ) اس پر سزا دیتا ہے۔ اس لیے اللہ (تعالیٰ) گناہ سے راضی نہیں"۔

اور جب میری ماں اور میرے شاگردوں نے دنیا کی خاطر مجھ سے محبت کی تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوا اور اپنے انصاف کے تقاضا سے اس نے ارادہ کیا کہ ان کو اس دنیا میں اس نادرست عقیدہ پر سزا دے تاکہ انہیں عذابِ جہنم سے نجات ملے اور انہیں وہاں تکلیف نہ ہو اگرچہ میں بے قصور ہوں لیکن جب بعض لوگوں نے میرے بارے میں یہ کہا کہ یہ اللہ ہے اور اللہ کا بیٹا ہے تو اللہ نے اس بات کو برا سمجھا اور اس نے اردہ کیا کہ قیامت کے دن شیطان مجھ پر نہ ہنسیں اور دوسرا ٹھٹھانہ کریں، لہٰذا اس نے بہتر سمجھا کہ ہنسی اور ٹھٹھا یہودا کی موت کی وجہ سے دنیا میں ہو جائے اور لوگوں کو یہ گمان ہو کہ مجھے سولی دی گئی۔ لیکن یہ اہانت اور تمسخر باقی رہے گا یہاں تک کہ جب محمد ﷺ آجائیں اور جب وہ آجائیں گے تو ہر مومن کو اس غلطی پر متنبہ کریں گے اور یہ شبہ لوگوں کے دلوں سے نکل جائے گا۔ (۱)

---

(۱) اظہار الحق ص ۳۵۸ ج ۳۔

استاذِ محترم اظہار الحق کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"یہاں ہمارے پاس برنا باس کے عربی اور اردو ترجمے ہیں۔ ہم یہاں پر اقتباس میں دونوں کی عبارتیں نقل کرتے ہیں اردو ترجمہ پر اس لیے اکتفا نہیں کیا گیا کہ وہ ایک مسلمان عالم کا کیا ہوا ہے"۔

اس کے برخلاف عربی ترجمہ ڈاکٹر خلیل سعادت کا ہے جو ایک عیسائی ہے۔

دوسری بشارت

لَسْتُ اَهْلاً اَنْ اُحِلَّ رِبَاطَاتِ جُرْمُوْقَ اَوْ سَيُوْرَ حِذَآءِ رَسُوْلِ اللهِ الَّذِىْ تُسَمُّوْنَهٗ مَسِيًّا الَّذِىْ خُلِقَ قَبْلِىْ وَيَاْتِىْ بَعْدِىْ

"میں اس کے لائق بھی نہیں ہوں کہ اس رسول اللہ کے بند یا نعلین کے تسمے کھولوں جس کو تم مسیّا کہتے ہو وہ جو میرے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور میرے بعد آئے گا"۔ (فصل ۴۲ آیت ۱۴ عربی ترجمہ ص ۶۴ اور اردو ترجمہ ص ۶۴)

تیسری بشارت

وَلَمَّا رَأَيْتَهٗ اِمْتَلَاَتُ عِزَاءً قَائِلاً يَا مُحَمَّدٌ لِيَكُنَ اللهُ مَعَكَ وَلِيَجْعَلْنِىْ اَهْلاً اَنْ اُحِلَّ سَيْرَ حِذَائِكَ

"اور جب کہ میں نے اس کو دیکھا تو میں تسلی سے بھر کر کہنے لگا۔ اے محمد! اللہ تیرے ساتھ ہو اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیرے جوتے کا تسمہ کھولوں) (فصل ۴۴ آیت ۳۰ عربی ترجمہ ص ۶۹ اردو ترجمہ ص ۷۰)

چوتھی بشارت

اَجَابَ التَّلَامِيْذُ يَا مُعَلِّمُ مَنْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ الَّذِىْ تَتَكَلَّمُ عَنْهُ الَّذِىْ سَيَاْتِىْ اِلَى الْعَالَمِ اَجَابَ يَسُوْعُ بِابْتِهَاجِ قَلْبٍ اَنَّهٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ

"شاگردوں نے جواب میں کہا اے معلم! وہ آدمی کون ہو گا جس کی نسبت تم یہ باتیں کہہ رہے ہو؟ جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا۔ یسوع نے دلی خوشی کے ساتھ جواب دیا کہ بے شک وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہے"۔

(فصل ۶۳ آیت ۷،۸ عربی ترجمہ ص ۲۵۲ اور اردو ترجمہ ص ۲۴۳)

بلاشبہ بائبل کے عہدِ قدیم اور عہدِ جدید میں آج بھی آپ (ﷺ) کی تشریف آوری کی بشارتی موجود ہیں اور بالآخر انجیل برنا باس کی یہ عظیم بشارتیں دیکھ کر ایک منصف مزاج کو آنکھیں کھولنے اور آپ (ﷺ) پر سچے طور پر ایمان لانے کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔

آپ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت ہندوؤں وغیرہ کی کتب میں

پھر صرف یہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی علامات اور تشریف آوری کی بشارتیں تورات اور انجیل میں موجود ہیں بلکہ ہندوؤں کی قدیم ترین کتابوں میں بھی ایسے الفاظ آج تک پائے جاتے ہیں جو آپ ﷺ کا پتہ دیتے ہیں۔ہندوؤں کی مشہور کتاب کلنگی کے بارھویں باب میں ہے کہ:

"جگت گرو(یعنی دنیاکار ہنما)شنو بھگت اور سومتی سے پیدا ہو گا۔اس کی پیدائش ۱۲ بیساکھ پیر کے دن سورج نکلنے سے دو گھڑی بعد ہو گی۔اس کا پتا اس کے پیدا ہونے سے پہلے پرلوک سدھار جائے گا۔اس کی ماتا بھی بعد میں فوت ہو جائے گی۔جگت گرو کی سینل دیپ کی شہزادی سے شادی ہو گی۔شادی کے موقع پر ان کا ایک چچا اور تین بھائی موجود ہوں گے۔ایک غار میں پرسرام اسے تعلیم دے گا اور جس وقت سینل دیپ میں اپنے شہر سمیالا میں آئے گا تو وہ اپنی تعلیم کا پرچار شروع کر دے گا جس پر اس کے عزیز واقارب سخت ناراض ہوں گے،ان مصائب سے تنگ آکر وہ شمالی پہاڑیوں کی طرف بھاگ جائے گا،لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ شہر میں تلوار لے کر آئے گا اور تمام ملک فتح کرے گا،جگت گرو کے پاس ایک گھوڑا ہو گا جس میں بجلی سے زیادہ پھرتی ہو گی جس پر سوار ہو کر وہ زمین اور سات آسمانوں کی سیر کرے گا۔

اور سام وید آنحضرت ﷺ کا نام نامی بتلا کر آپ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دیتے ہیں۔

۱) وہ ہر مقدّس رسم کا مربی۔

۲) رعد والا(بارعب)

۳) نہایت تعریف کیا گیا(آپ ﷺ کے اسم گرامی کا یہی معنی ہے)

۴) رندر(صاحبِ اقبال)①

۵) قلعوں کو توڑنے والا جوان عقیل،بے انداز قوت کا پیدا کیا گیا۔

۶) پتھر رکھنے والا(حجر اسود رکھنے کی طرف اشارہ ہے)

۷) گھڑے کا کھودنے والا(واقعہ خندق کی طرف اشارہ ہے)②

(سام وید دوسرا حصہ باب پنجم فصل اول پرپاٹھک بستم ص ۱۲۵مترجم بالو پیارے لال صاحب)

(زمیندار پروٹھا مطبوعہ ودیا ساگر پریس پروکھا ضلع علی گڑھ ماخوذ از محمد رشی مؤلفہ مولانا ثنا اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ)

---

① محمد رسول اللہ غیر مسلموں کی نظر میں ص ۵۷ تا ۵۹۔مؤلفہ حضرت مولانا محمد حنیف صاحب یزدانی۔

② اور حضرت مولانا عبدالصمد صاحب نے اپنے رسالہ البشائر ص ۱۰ میں رحمۃ للعالمین کہا ہے۔

آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل دنیا آپ ﷺ کی منتظر تھی

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ساری دنیا خصوصاً یہود و نصاری بڑی بے چینی سے آپ ﷺ کے منتظر تھے اور آپ ﷺ کی مدح میں اشعار کہتے تھے اور آپ ﷺ کے توسل سے نصرت مانگتے تھے:

وَكَانُوا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚ

"اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر" (البقرہ:۸۹)

اور آپ ﷺ کو بحیثیت رسول ایسے پہچان گئے جیسے کوئی اول تا آخر اپنے بیٹے کو گود میں پال کر پہچانتا ہو۔

يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ ۚ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ

"پھر جب پہنچا ان کو جس کو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر۔"

(البقرہ :۸۹)

لیکن آپ ﷺ کی بعثت کے بعد جب یہود نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ مسیح علیہ السلام کے متعلق سچا نبی ہونے کی گواہی دیتے ہیں اور اس پر ایمان لانے کو اسلام کا جزلا ینفک قرار دیتے ہیں تو یہود کی اکثریت تعصب سے آگ بگولہ ہو کر مخالف ہو گئی اسی طرح عیسائیوں نے جب دیکھا کہ آپ ﷺ ان کے خود ساختہ عقائد تثلیث، کفارہ، ابنیت (جن کو وہ صدیوں سے تسلیم کرتے چلے آئے تھے) کی تردید کر رہے ہیں تو اس وجہ سے بہت سے عیسائی بھی دشمن ہو گئے۔ یہی وہ تعصب و عناد تھا جس کی وجہ سے ہر دو فریق کو ملعون قرار دیا گیا۔

عصرِ حاضر میں قرآن مجید اور آپ ﷺ کے چند انکشافات اور پیشین گوئیوں کا ظہور

یہ طویل بحث صرف یقین اور اطمینان کو مزید پختہ کرنے کے لیے کی گئی ہے، ورنہ وہ کون ہے جو یہ نہیں جانتا کہ قرآن مجید اور سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کسی بیرونی شہادت کی محتاج نہیں کیونکہ قرآن مجید کے اصول اور مبادی ایسے مستحکم ہیں اور اس کے علوم و نظریات ایسے سچے اور ابدی ہیں جن کی وجہ سے قرآن مجید اور پیغمبر قرآن مجید کی صداقت کے لیے کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ آپ ﷺ نے جتنی پیش آنے والی چیزوں کے متعلق خبر دی ہے ان میں اب تک جتنے امور پائے گئے ہیں وہ بغیر کسی ادنی فرق کے ظہور پذیر ہوئے اور نہ ہی ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ آنے والے امور میں کوئی فرق رونما ہو گی چنانچہ ہر دور میں کوئی نہ کوئی پیشین گوئی ظاہر ہو کر اسلام کی صداقت کو دنیا پر نکھارا کرتی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث میں اول سے

لے کر قیامت تک آنے والے امور کی غائبانہ خبریں موجود ہیں جن میں بعض تو آپ ﷺ کے عہد مبارک میں ظاہر ہو کر بنی نوع انسان پر حُجّت بنیں اور بعض آپ ﷺ کے بعد ظہور میں آئیں۔ اسی طرح جس جس وقت کے لیے جو جو پیشن گوئی کی گئی ہے اپنے اپنے اوقات میں تا قیامت ظاہر ہوتی جائے گی۔ عصرِ حاضر میں رونما ہونے والی بہت سی صداقتوں میں سے صرف چند کو یہاں (اختصار سے) بطورِ نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

۱) قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ☆

"اور ہم نے ہر ایک چیز کے جوڑے بنائے تا کہ تم دھیان کرو"۔

(الذاریات:۴۹)

اس آیت کو نقل کر کے استاد محترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہ فرماتے ہیں کہ:

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے اس وقت عام تصوّر یہ تھا کہ نر اور مادہ کے جوڑے صرف انسانوں اور جانوروں میں ہوتے ہیں یا پھر چند نباتات میں لیکن سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ قرآنی حقیقت واضح ہوتی جارہی ہے کہ نر و مادہ ہر چیز میں موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کہیں ان جوڑوں کا نام نر اور مادہ رکھ لیا جائے کہیں مثبت Positive اور کہیں منفی Negative اور کہیں الیکٹران اور پروٹان اور کہیں نیوٹران اور پوزیٹران بلکہ ایک آیت میں قرآن کریم نے صراحتاً یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ بہت چیزوں میں جوڑوں کا پایا جانا ابھی لوگوں کو معلوم نہیں ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ☆

"پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑوں کو پیدا کیا، نباتات زمین کے قبیل سے بھی اور ان آدمیوں سے اور ان چیزوں میں سے بھی جنہیں یہ لوگ نہیں جانتے"۔ (یٰس آیت :۳۶)

۲) حق تعالیٰ شانہ قیامت تک کے واقع ہونے والی ایجادات کو اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ☆

"اور گھوڑے پیدا کیے اور خچریں اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لیے اور پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے۔"① (النحل :۸)

① علوم القرآن ص ۲۷۶ مؤلفہ مفتی محمد تقی عثمانی مد ظلہ۔

اس وقت کی معروف سواری گھوڑے کو ذکر کرنے کے بعد متصل لفظ مستقبل کے بارے میں استعمال کیا گیا تاکہ دنیا کو خبر دار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ تمہارے انتفاع کے لیے وہ چیزیں پیدا فرمائیں گے جو اب تک معرضِ وجود میں نہیں آئی ہیں۔

جس میں سب سواریاں بس، کار وغیرہ اور دوسری تمام چیزیں بھی داخل ہیں جو تا قیامت بنتی رہیں گی۔

۳) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ☆ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ☆

"اور ایک نشانی یہ ہے ان کے واسطے کہ ہم نے اٹھالیا ان کی نسل کو اس بھری ہوئی کشتی میں اور بنا دیا ہم نے ان کے واسطے کشتی جیسی چیزوں کو جس پر سوار ہوتے ہیں۔" (یٰس آیت ۴۱،۴۲)

یہاں پہلے بحری سواریوں کا ذکر کرنے کے بعد بری اور خشکی کی سواریوں کا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے انسان کے انتفاع کے لیے خشکی میں بھی ایسی سواریاں پیدا فرمائی ہیں جو بحری سواریوں کے مماثل ہیں۔

اس سے اہل عرب نے اپنی عادت کے مطابق اونٹ کی سواری مراد لی تھی جس کو وہ سفینۃ البر (خشکی کی کشتی) بھی کہا کرتے تھے لیکن نئی ایجاد نے واضح کر دیا کہ اس کا سب سے بڑا مصداق جہاز ہی ہو سکتا ہے جس طرح بحری جہاز پانی میں تیرتا ہے اور ڈوبنے سے محفوظ ہوتا ہے۔ اسی طرح ہوائی جہاز ہوا میں تیرتا ہے اور گرنے سے محفوظ ہوتا ہے اور یہی ہوائی جہاز بحری سواریوں کی طرح بہت اور بڑے بڑے انبار لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک تک منتقل کر دیتے ہیں اگرچہ اس میں خشکی کی وہ تمام سواریاں شامل ہو سکتی ہیں جو زمین پر چلتے ہوئے بڑے بڑے بوجھ اٹھا کر ملکوں میں سفر کرتی ہیں جیسے ریل گاڑی لیکن کشتی کے ساتھ مماثلت ہوا میں سفر کرنے والی سواریوں کو جتنی زیادہ ہے اتنی کسی دوسری زمین پر چلنے والی سواری کو نہیں۔

غافل شخص اپنی سطحی اور سرسری نظر سے ان ایجادات کو دیکھ کر اس کے دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ سب کچھ ایجادات عقول انسانی اور سائنس کے کرشمے ہیں تو ان کو تخلیق خداوندی کیونکر کہا جا سکتا ہے؟

ایسے شخص کو سمجھنا چاہیے کہ انسان نے نہ ان مصنوعات کا خام مادہ لکڑی، لوہا، المونیم، پیتل پیدا کیا ہے اور نہ اس نے پٹرول کو پیدا کیا ہے اور نہ ہوا، پانی، ہائڈروجن اور آکسیجن کی طاقتیں اس نے پیدا کی ہیں جن سے طاقت حاصل کی جاتی ہے۔ پھر ان مصنوعات کی طرح طرح کے کل پرزے بنانے اور اس کی ایجاد کرنے

کی عقل و فہم کہاں سے آئی ہے؟ کیا یہ عقل و فہم انسان کی خود ساختہ پیداوار ہے؟ اگر خود پیدا کرلینا انسان کے بس میں ہوتا تو دنیا میں کوئی جاہل اور بے وقوف نہ رہتا ہر شخص ارسطو اور فیثا غورث بن کر دنیا میں زندگی گزارتا جس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں میں سے انسان نے کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کیا۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی کارخانہ میں تیار ہونے والی چیزوں کی نسبت حقیقت میں کارخانہ ساز کی طرف کی جاتی ہے اور مجازاً خود کارخانہ کی طرف بھی ہوسکتی ہے۔ اسی طرح اگرچہ بظاہر یہ سارے سائنس کی ایجادات انسانی جوڑ توڑ کے تصرفات کا نتیجہ معلوم ہو رہے ہیں لیکن درحقیقت یہ تخلیقِ خداوندی ہی ہے، البتہ انسان کی طرف یہ چیزیں مجازاً منسوب کی جاسکتی ہیں جسے اصل حقیقت سے کوئی سروکار نہیں۔

۴) آنحضرت ﷺ مشرکین سے خبردار کرکے فرماتے ہیں کہ:

ثُمَّ يَأْتِيْ بَعْدَ ذٰلِكَ زَمَانٌ يُجَادِلُ الْمُشْرِكُ بِاللهِ الْمُؤْمِنَ فِيْ مِثْلِ مَا يَقُوْلُ

"پھر اس کے بعد ایک زمانہ آئے گا، مشرک مومن کے ساتھ بحث کرے گا مثل ایسی چیز میں جو وہ کہتا ہے"[1]

یعنی مشرک قرآن و حدیث ہی میں مومن کے ساتھ بحث کرے گا۔

مغربی اقوام اور ان کے علمی ادارے مسلمانوں کے خلاف علمی اور فکری محاذ پر سب سے اہم حربہ مستشرقین وغیرہ کو مختلف ناموں سے موسوم کرکے بروئے کار لاتے ہیں۔

جن کا اولین مقصد یہ ہوتا ہے کہ علمی اور نظریاتی غور و فکر اور تحقیق کا نام لے کر اسلام، آنحضرت ﷺ اور ہر وہ چیز جس کی نسبت کسی طرح اسلام سے ہو، اس کے بارے میں شک پیدا کرکے اسلامی اور دینی روح سے مسلمانوں کا رشتہ کاٹ دیں اگرچہ ان کی اکثریت بظاہر یہ اعتراف کرتی ہے کہ اسلام سچا دین ہے اور آپ ﷺ اپنے دعویٰ نبوت میں مخلص تھے آپ ﷺ کے مداح بن کر حسنِ صفت سے رطب اللسان رہتے ہیں لیکن دراصل یہ ایک ایسا مکر و فریب ہے جس کے اندر ہی اندر زہرِ قاتل چھپا کر اوپر سے شیرینی کے دبیز پردے سے ڈھانپ کر عوام الناس کو کھلانے میں مشغول ہیں، لیکن ہم ہر ایک منصف مزاج اور اخلاص کے ساتھ راہِ راست کی تلاش کرنے والے سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اسلام کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے اہلِ اسلام کے پاس جانے کا التزام کرے گا نہ کہ ابوجہل اور دشمنانِ اسلام کی طرف جس طرح مریم علیہا السلام کے

---

[1] رواہ الحاکم فی المستدرک عن ابی ہریرۃ مرفوعاً۔

بارے میں اگر کسی کو اس کی صداقت اور پاکیزگی کی تلاش ہو تو اس کام کے لیے وہ یہود کا رخ نہیں کرے گا کیونکہ اس کو تو ہر ایک سمجھتا ہے کہ دشمن کی زبان سے اپنے مخالف کی مدح تو سچ اور ہر مبالغہ سے بالاتر ہو سکتی ہے لیکن اگر وہ اپنے مخالف کے کسی نقص کی طرف اشارہ کر دیتا ہے تو لامحالہ اس کی تحقیق کے لیے اس کے رفقاء اور عزیز و اقارب کے پاس جانا ہو گا۔

اسی طرح جب کوئی مستشرق اسلام کی کسی چیز میں کمزوری ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرکے دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے تو صاحبِ عقل نیک نیت کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہی وہ تعصب ہے جس نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر حقیقت سے غافل کر دیا ہے تو وہ مخلص اور متلاشی خیر کبھی ایسے اتہام کو بغیر کسی اعلی تحقیق کے باور نہیں کرے گا۔ البتہ جب اس کی زبان یا قلم سے اسلام کی صداقت، حقانیت اور علو شان کے بارے میں کچھ نکلتا ہے تو وہ خود ان پر ایک عظیم حُجّت اور دیگر عوام الناس کے لیے گویا مبلغ دین بن کر دوسرے غیر مسلموں پر اسلام کی صداقت اور حقانیت کو آشکارا کر دیتا ہے۔ ایسے تائیدی کلمات سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں جن میں سے بعض کو ان شاء اللہ آئندہ چل کر عرض کر دیا جائے گا، یہی مستشرقین اور دیگر غیر مسلم اسلام کے دینی امور میں بھی معاونت کرتے ہیں مثلاً قرآن مجید اور کتبِ اسلامیہ کو اچھے سے اچھے طریقہ سے چھپوانا یا اسی طرح اور بعض ایسی چیزیں جن میں وہ اسلام یا مسلمانوں کی ظاہری طور پر مدد اور حمایت کرتے ہیں اگرچہ اس کام میں ان کے اپنے بہت سارے اغراض و مقاصد کیوں نہ ہوں، لیکن پھر بھی ان میں اسلام اور مسلمانوں کی تائید اور مدد تو ہو ہی جاتی ہے، اس طرح ہم کو آپ ﷺ کی ایک اور پیشن گوئی ہاتھ آجاتی ہے غالباً وہ یہی لوگ اور یہی وقت ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ خبر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ الْإِسْلَامَ بِرِجَالٍ مَا هُمْ مِنْ أَهْلِهِ

"اللہ تعالی ضرور اسلام کی تائید اور مدد ایسے آدمیوں سے کرے گا جو اس کے اہل میں سے نہ ہوں" [1]

عصر حاضر میں واقع ہونے والی بیسیوں پیشگی خبریں اور انکشافات میں سے یہ چند مثالیں ذکر کی گئی ہیں جو ایک مخلص اور غیر جانب دار کے لیے حق کی طرف رہنمائی کے لیے کافی ہو سکتی ہیں۔

---

[1] رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر عن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ

اسلام کی خصوصیات

بلاشبہ اسلام دینِ فطرت اور عالمگیر مذہب ہے جس کی بنیاد شخصیت اور قومیت سے بالاتر ہے۔ اس کی تعلیمات فضول رسومات سے یکسر پاک ہیں۔ یہ انسانوں کو ایسی حریت کی تعلیم دیتا ہے جس میں غلامی کا ادنی تصور بھی باقی نہیں رہ سکتا اور اس کی تعلیمات میں امن و عافیت، اطمینان اور آرام کی ایسی بے پناہ دولت پنہاں ہے کہ جو کوئی بھی اس کی حلاوت ایک بار چکھ لیتا ہے وہ اسلام سے ناقابلِ انقطاع وابستگی اختیار کر لیتا ہے۔

اسلام کا نظامِ معیشت

اسلام سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے مابین افراط و تفریط سے بالکل پاک نظام کو پیش کرتا ہے۔

اس وقت ساری دنیا دو دھڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اول وہ قومیں ہیں جو سرمایہ داری نظام کے مطابق زندگی بسر کر رہی ہیں۔ دوسری اقوام وہ ہیں جنہوں نے اشتراکی نظام کو اپنا لیا ہے۔ آج انسانی اکثریت چکی کے ان دو پاٹوں کے درمیان پس رہی ہے۔

سرمایہ داری نظام (جس کے بانی در حقیقت یہودی ہیں) کا مقصد ہر جائز و ناجائز حربہ، دھوکہ بازی، مکر و فریب استعمال کر کے دولت کو اپنی غرض کے لیے خزانہ کے طور پر جمع کرنا ہے۔ سرمایہ دار انسان سخت دل اور بے رحم ہوتا ہے کیونکہ ان کا پیشہ ہی غریبوں کی غربت اور کم مائیگی سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے، مفلسوں کا خون چوس کر ہی اس کو جزو بدن بناتے ہیں۔ ان کے اس عمل کا لازمی نتیجہ لوگوں میں ان کے خلاف بغض و نفرت کا پیدا ہونا ہے۔ دنیا کی ساری جنگیں اس نفرت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ محنت LABOUR اور سرمائے CAPITAL کی جنگ ہی سے اشتراکیت اور اشتمالیت کے نظریئے وجود میں آئے۔

سرمایہ داری نظام میں سرمایہ دار دولت جمع کرنے کی حرص میں اندھا ہوتا ہے۔ اسے بھلے اور برے کی تمیز نہیں رہتی۔ وہ مصیبت زدہ لوگوں پر رحم کھانے کی بجائے ان کی تکلیف سے فائدہ اٹھانے کے لیے منصوبہ بندی کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ سرمایہ داری انسان کے قیمتی جوہر یعنی ایثار و سخاوت جس کی برکت سے انسان خود تکلیف اٹھاتا ہے اور دوسروں کو آرام پہنچاتا ہے کو بالکل فنا کر دیتی ہے اور اسے ایک درندہ بنا دیتی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کو رائج کرنے کے لیے ہی بنک قائم کیے گئے جن میں لوگوں کا پیسہ لالچ دے کر دھوکہ بازی سے جمع کرایا جاتا ہے۔ پھر قوم کے اس سرمایہ سے چند بڑے بڑے بنئے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔

سرمایہ دار بنکوں سے بڑی بڑی رقمیں لے کر تجارت کرتے ہیں۔ وہ اس دولت سے صنعت اور تجارت پر اپنی اجارہ داری قائم کرتے ہیں اور اشیاء کی من مانی قیمتیں مقرر کر کے قوم کو دیوالیہ کرتے ہیں۔ کسی کم سرمائے والے کو تجارت نہیں کرنے دیتے۔ ذرا سا نفع کم کر کے منڈی اور مارکیٹ کو ایسا ڈاؤن کر دیتے ہیں کہ بے چارہ کم مایہ آدمی دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات سرمایہ دار اشیاء کے بڑے بڑے ذخائر کو صرف اس لیے ضائع کر دیتے ہیں کہ ان کے متوقع نفع میں کمی نہ آجائے۔ گندم سے لدے ہوئے جہازوں کو غرق کر کے مخلوقِ خدا کو محروم کر دیتے ہیں اور بازار میں اشیاء کا نرخ بڑھا دیتے ہیں۔ اس طرح بے چارے عوام خود اپنے ہاتھوں سے سود کی وہ رقم بھی جو انہوں بنک سے حاصل کی تھی پھر ان ہی سرمایہ داروں کے حوالے کر دیتے ہیں اور سرمایہ دار پوری قوم کا خون چوس چوس کر پھولتے رہتے ہیں۔ سرمایہ دارنہ نظام کی یہ اور اس طرح کی اور بہت سی خرابیاں بلاشبہ قابل نفرت ہیں اور ہر زندہ دل انسان میں ان کے مٹانے کا جذبہ ہونا چاہیے لیکن نتیجے کے طور پر مادہ پرست انسان دوسری طرف زیادتی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اشتراکی نظام کو تمام مسائل کا حل سمجھ کر رائج کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔

اشتراکی یعنی سوشلسٹ عناصر کے خیال میں تمام وسائل پیداوار کو قومی ملکیت میں لے کر منصوبہ بند معیشت قائم کرنے سے معاشی مساوات قائم ہو سکتی ہے۔ اس تجویز کو اس زور وشور سے پھیلایا جارہا ہے کہ گویا قومی ملکیت ایک طلسماتی چراغ ہے جس کے رگڑتے ہی مزدوروں اور کسانوں کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے اشتراکی کا کمال ہے کہ مزدور و کسان طبقے قومی ملکیت کا نعرہ لگا دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ کارخانے اور زمینیں ان کے قبضے میں آجائیں گی اور وہ سرمایہ داروں کی بالادستی سے محفوظ رہ جائیں گے۔

حالانکہ زمینیں اور کارخانے لوگوں کی نجی ملکیت سے نکل کر حکومت کی ملکیت میں آجانے سے صرف آقا بدل جاتے ہیں، کارخانے کی پالیسی میں مزدور کا دخل نہ پہلے ہوتا ہے اور نہ بعد میں۔ کسی صورت میں بھی نہ انہیں کوئی مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں نہ مالی مساوات بلکہ متعدد سرمایہ داروں کو مٹا کر ذرائع معاش کو ایک سرمایہ دار کے ہاتھ میں دینے سے عوام کی سہولت یکسر ختم ہو جاتی ہے کیونکہ اگر متعدد سرمایہ داروں میں بعض سرمایہ داری کی طرف سے ان پر ظلم ہوتا تو بعض دوسرے سرمایہ دار سے انصاف کی توقع ہو سکتی تھی اور انسدادِ ظلم کے لیے بالآخر حکومت کا سہارا لیا جاتا لیکن جب حکومت ہی وہ واحد آقا اور سرمایہ دار ہے تو عوام کے لیے ظلم سے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہ رہی۔

بعض لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ سوشلزم میں مزدوروں کی حکومت ہوتی ہے۔ اشتراکی پروپیگنڈے کے زیر اثر سادہ لوح عوام یوں سمجھتے ہیں کہ مشین چلانے والے اور ہل جوتنے والے اچانک حکومت کی کرسیوں پر بیٹھ جائیں گے۔ لیکن فی الحقیقت ملک کے دس کروڑ مزدوروں میں سے چنے ہوئے چند سو افراد پر مشتمل ایک پارٹی بن جاتی ہے اور پھر اسی پارٹی کے بیس پچیس افراد عملاً سارے ملک کے سیاہ وسفید کے مالک بن جاتے ہیں۔ یہی لوگ سارے وسائل پر قابض ہو کر کسانوں اور مزدوروں کی اجرتیں اور اشیاء کے نرخ مقرر کرتے ہیں۔

کروڑوں عوام اپنی تقدیر پارٹی کے افراد کے حوالے کر دیتے ہیں اور یہی پارٹی بیس یا پچیس اشخاص کے ہر کام اور فیصلہ کی تصویب کا کام کرتی ہے۔ پارٹی کے ممبروں کی کیا مجال کہ حکومت کے خلاف اپنی زبان کو تھوڑی سی حرکت دیں۔

تقریباً اسی طرح کا نظام بی۔ ڈی سسٹم B.D.SYSTEM میں دیکھا گیا ہے کہ چند ہزار بی ڈی ممبر اور پھر ان کی منتخب شدہ اسمبلی صرف حکومت کے ہاں میں ہاں ملاتی ہے۔ بہر حال بنیادی جمہوریتوں کے نظام میں عوام کو دوسری جماعتیں جلسے جلوس، ہڑتال اور مظاہرے کرنے کا اختیار تو تھا۔ سوشلسٹ نظام کے تحت نہ تو کوئی دوسری سیاسی جماعت بنائی جاسکتی ہے اور نہ جلسوں یا مظاہروں کی آزادی ہوتی ہے۔ لہذا عوام کی مثال اس پرندے کی سی ہو جاتی ہے جس کو پنجرے میں بند کر کے پر بھی کاٹ دیے گئے ہوں تا کہ پھڑ پھڑانے کی آزادی بھی نہ رہے۔

اشتراکی پروپیگنڈے اس قسم کے نظام کو مزدوروں کی حکومت کا نام دے کر بے وقوف عوام کو جان ومال کی بازی لگانے پر ابھارتے ہیں اور جو عقلمند ان کی مخالفت کرے اسے سامراج کا ایجنٹ اور مزدور دشمن جیسے القاب دے کر مار ڈالنے کے لیے تیار کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ سوشلزم در حقیقت سرمایہ داری نظام ہی کی بدترین صورت ہے اور یہ بھی یہود ہی کی پیداوار ہے۔ کروڑوں عوام چند سرکاری ممبروں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں جو ان کے دل ودماغ، ضمیر وزبان اور جذبات وخواہشات پر حکمرانی کرتے ہیں اور انہیں بے جان کل پرزوں کی طرح اپنے مفادات کی خاطر استعمال کرتے ہیں۔

بس ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ غریبوں، کسانوں اور مالداروں غرض ساری دنیا کو امن وسکون صرف

مخلوق کے حقیقی ہمدرد و خیر خواہ حضرت محمد ﷺ کے دامن میں مل سکے گا جنہوں نے کبھی بھی دو وقت پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

اسلام کا نظامِ معیشت ایسا معتدل اور فطرتِ انسانی کے موافق ہے کہ اس میں تمام طبقات کے معاشی حقوق کا تحفظ بھی ہے اور سرمایہ داری یا اشتراکی نظام کی تمام خامیوں سے یکسر پاک بھی ہے۔ یہ نظام افراط و تفریط سے اس طرح پاک ہے کہ نہ ایک فرد، تمام قوم یا جماعت کے حقوق غصب کر سکتا ہے اور نہ قوم یا جماعت کسی ایک فرد کے حقوق کو تلف کر سکتی ہے، کوئی مالدار شخص یا جماعت کسی آدمی کو غلام نہیں بنا سکتی۔

اسلام ان تمام دروازوں کو بند کرتا ہے جن سے عوام کی معاشی حالت ابتر ہو جاتی ہے سود، سٹہ، جوا، ذخیرہ اندوزی اور کسب و اکتساب کے دیگر ناجائز طریقوں کو سختی سے حرام قرار دیتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام معاملات، تجارت اور اجارہ میں سرمایہ داری نظام کے ان بدترین مروجہ طریقوں کو جڑ سے کاٹ دیتا ہے جن کے ذریعے دولت سمٹ کر چند افراد یا چند خاندانوں میں دائر ہو کر رہ جاتی ہے، بلکہ دولت مند شخص کے مال میں زکوٰۃ، عشر، صدقۃ الفطر اور نذر جیسے فرائض مقرر کر کے مسکینوں اور غریبوں کی حاجات کا تکفل کرتا ہے۔ ان فرائض کی ادائیگی فقیروں پر احسان جتا کر نہیں ہوتی بلکہ غریبوں کا احسان مند بن کر اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانا ہوتا ہے۔ ان فرائض کے علاوہ نفلی صدقات کا امر دے کر اسلام نے گویا غریبوں کو مالداروں کی دولت میں شریک کیا ہے۔ اسی طرح ساری زندگی مال خرچ کرنے کے بعد بھی اگر مرنے والے کے پاس کچھ مال رہ گیا تو اس کو ایک خاص حکیمانہ اصول کے مطابق تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ میت کے وارثوں کو الاقرب فالاقرب کے اصول پر حصہ ملتا ہے اور مرنے والا نہ بے جا خرچ کرنے کی خواہش کر سکتا ہے اور نہ ہی افسردہ ہوتا ہے کیونکہ اس کا مال اس کے اقرباء ہی کو ملتا ہے۔ یہ ایسے قوانین ہیں جن کے ذریعے دولت تقسیم ہو کر متحرک ہو جاتی ہے اور معاشی سطح متوازن بن جاتی ہے۔

اسلام ان تمام امور کی مخالفت کرتا ہے جن کے ذریعے انسانی فکر و عمل کی آزادی، شرافت اور خود مختارانہ جوش عمل پر برا اثر پڑتا ہے۔ درحقیقت اگر انسان کو فکر و عمل کی آزادی نہ ہو تو وہ حیوان بن کر رہ جاتا ہے۔ اشتراکی نظام میں یہی تو ہوتا ہے کہ متعدد سرمایہ داروں کو مٹا کر ایک بڑے سرمایہ دار کے قبضہ میں سب وسائلِ معاش آجاتے ہیں اس طرح عوام کی ساری آزادی سلب ہو کر رہ جاتی ہے اور روٹی کپڑے کے سائے میں

انسانیت ذبح ہو جاتی ہے اور انسانوں کی حالت کتوں اور بیلوں سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔

الغرض کلامِ الٰہی دنیا کو ایک ایسا بے مثال عجیب و غریب نظام پیش کرتا ہے کہ اگر اس کو مکمل طور پر اپنا کر عمل میں لایا جائے تو یہی پر غم و مصیبت اور بد امن دنیا آرام و امن والے پر سکون معاشرے میں تبدیل ہو جائے گی۔ ظالم و مظلوم کا نام و نشان تک مٹ جائے گا، فقیر و امیر کی تمیز کا سوال تو کیا بلکہ یہی دنیا جنت بن جائے گی۔ یہ کوئی زبانی جمع خرچ نہیں بلکہ اس کا پیغام لانے والے حضرت سیدنا خاتم النبیین محمد ﷺ نے اس کو عملی جامہ پہنا کر امت کے لیے چھوڑا ہے اور اس کے بعد خلفائے راشدین اور دیگر صحیح مسلمان حکمرانوں نے یہ سب کچھ اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں کر کے دکھلایا آج بھی غیر مسلم دنیا میں اگر قانون کے کسی شعبے میں عدل و انصاف اور خیر کا کوئی پہلو ہے تو وہ اسلام ہی کی چنگاری کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ وہ قوم اس کو اسلام کے علاوہ کسی دوسرے نام سے کیوں نہ موسوم کر لے لیکن بعدِ جستجو یہ راز کھل جاتا ہے کہ وہ ضرور بہ ضرور اسلام کے اصولوں میں سے کسی ایک اصول سے ماخوذ ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی صاحبِ عقل قرآن مجید اور اس کے حامل سیدنا النبی الامی محمد ﷺ کی تعلیمات پر غیر جانبداری سے گہری نظر ڈالے گا تو کوئی دوسرا مذہب یا نظریہ اس کے دل و دماغ پر اثر انداز نہیں ہو سکے گا اور نہ اس کے خلاف کسی تصور حیات سے وہ مصالحت کر سکے گا۔ دینِ اسلام وہ واحد دین ہے جو اندھی تقلید کی مخالفت کرتا ہے اور بلا دلیل اعتقاد اور دین میں شک و ارتیاب کی مذمت کرتا ہے اور دین کے ہر شعبہ میں عقل کو اپیل کر کے دلیل و برھان کے مطالبے کا حق دیتا ہے اور عقائد کے ہر اصول اور ضابطے کے لیے ایسے طریقے پر جو سب کے لیے قابلِ فہم اور مفید ہو دلیل پیش کرتا ہے بلکہ اکثر فروع اور احکام کو اس کی حکمتوں اور فوائد کے ساتھ بیان کر دیتا ہے۔

قرآن اور پیغمبرِ قرآن غیر مسلموں کی نظر میں

الغرض دین اسلام میں وہ بے شمار خوبیاں مضمر ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی اس کی برتریوں کو دیکھ کر بے ساختہ اسلام کی حقانیت اور اس کی بے شمار خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

۱) میجر ارتھر کلائن لیونارڈے اسلام کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پس وہ تلاش کنندہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گا کہ اسلام ایک ایسا عظیم الشان اور سچا مذہب ہے جو اپنے متبعین کو انسانی اندھیرے اور گمراہیوں سے نکال کر روشنی اور سچائی کی بلند چوٹیوں تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

۲) پروفیسر کارلائل اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک قرآن مجید میں خلوص اور سچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اگر کوئی خوبی پیدا ہو سکتی ہے تو اسی سے پیدا ہو سکتی ہے"①

۳) اور پادری آر آر میکوئل کنگ کہتے ہیں کہ:

"بے شک قرآن الہامی کتاب ہے"۔

۴) فرانس کا ایک فلسفی لیورزون کہتا ہے کہ:

"قرآن روشن اور پر حکمت ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ ایسے شخص پر نازل ہوا جو سچا نبی تھا اور جسے اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا"

۵) ینگ انڈیا گاندھی کہتے ہیں کہ:

"میں نے تعلیماتِ قرآنی کا مطالعہ کیا ہے مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے۔ مجھے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ نظر آئی کہ فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے"۔②

۶) سکھوں کے گرو بابا نانک قرآن کریم کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

الف) "توریت، زبور وا نجیل ترے سن ڈٹھے وید رہے قرآن کتاب کل جگ میں پروار"۔

(حوالہ جنم ساکھی بھائی بالا ص۱۴۷ سطر نمبر ۴)

مطلب: "توریت، زبور، انجیل کو ہم نے بغور دیکھا اور ویدوں کو بھی مگر دنیا کے لیے جو کتاب ہدایت کامل کا مجموعہ ہو سکتی ہے وہ قرآن شریف ہی ہے"۔

ب) تہیئے حرف قرآن دے تہیئے سپارے کین تس وچہ پند نصیحتاں سن سن کریقین

(حوالہ جنم ساکھی کلاق بھائی بالا نوشتہ گورو انگلا جی ص۲۲۲)

مطلب: عربی کے حروف تہجی تیس ہیں اور قرآن شریف کے بھی تیس پارے ہیں اور (قرآن مجید) لاانتہا نصیحتوں کا مجموعہ ہے سنو اور یقین کرو۔ "یعنی ایمان لاؤ"۔

ج) "رہے کتاب ایمان دی سچ کتاب قرآن"۔ (حوالہ جنم ساکھی بھائی بالا ص ۱۴۹)

---

① محمد رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں ص۲۷۹۔

② قرآن نمبر ڈائجسٹ اپریل ۱۹۷۰ء ص۳۷۶۔

مطلب: اگر کوئی ایمان کی کتاب ہے تو وہ قرآن شریف ہے۔ ①

۷) ڈاکٹر فرک جرمنی کہتے ہیں کہ:

قرآن مجید کی عبارت نہایت فصیح و بلیغ اور مضامین لطیف و عالی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی امین ناصح نصیحت کر رہا ہے۔ ②

۸) فرانس کے مشہور مستشرق ڈاکٹر مارڈریس جس کو حکومت فرانس کی وزارت معارف نے قرآن حکیم کی باسٹھ سورتوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کرنے پر مامور کیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

"بے شک قرآن کا طرز بیان خالق جل و علا کا طرز بیان ہے، بلاشبہ جن حقائق و معارف پر یہ کلام حاوی ہے وہ ایک کلامِ الٰہی ہی ہو سکتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں شک و شبہ کرنے والے بھی جب اس کی تاثیر عظیم کو دیکھتے ہیں تو تسلیم اور اعتراف پر مجبور ہوتے ہیں۔ پچاس کروڑ مسلمان جو سطح زمین کے ہر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں ان میں قرآن کی خاص تاثیر دیکھ کر مسیحی مشن میں کام کرنے والے بالاجماع اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا کہ جس مسلمان نے اسلام اور قرآن کو سمجھ لیا ہو وہ کبھی مرتد ہوا یا قرآن کا منکر ہو گیا ہو"③

۹) مسٹر وڈول جس نے قرآن مجید کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا ہے:

"جتنا بھی ہم اس کتاب (یعنی قرآن) کو اُلٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی نامرغوبی نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے لیکن فوراً ہمیں مسخر کر لیتی ہے متحیر بنا لیتی ہے اور اخیر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے۔ اس کا طرزِ بیان باعتبار اس کے مضامین و اغراض کے عفیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جابجا اس کے مضامین سخن کی غایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں غرض یہ کتاب ہر زمانے میں اپنا پر زور اثر دکھاتی رہے گی"۔ (شہادۃ الاقوام: ص ۱۳)

۱۰) مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بک زاغلول نے ۱۸۹۸ء میں مسٹر کونٹ ہنروی کی کتاب الاسلام کا

---

① قرآن نمبر ڈائجسٹ ص: ۲۷۳

② قرآن نمبر ڈائجسٹ ص ۲۷۴۔

③ معارف القرآن ص ۱۵۶ ج ۱ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مطبوعہ ادار المعارف کراچی ۱۴۔

ترجمہ عربی میں شائع کیا تھا۔ اصل کتاب فرنچ زبان میں تھی۔ اس میں مسٹر کونٹ نے قرآن کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں ظاہر کیے ہیں:

"عقل حیران ہے کہ اس قسم کا کلام ایسے شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل امی تھا۔ تمام مشرق نے اقرار کر لیا ہے کہ نوعِ انسانی لفظاً و معناًہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ وہی کلام ہے جس کی بلندی انشا پردازی نے عمر بن الخطاب کو مطمئن کیا۔ ان کو خدا کا معترف ہونا پڑا، یہ وہی کلام ہے کہ جب یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالب نے حبشہ کے بادشاہ کے دربار میں پڑھے تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے اور بشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا"۔(شہادۃ الاقوام) ①

١١) جرمن کے شاعر و فلسفی گوئٹے قرآن مجید سے مسحور ہو کر کہتے ہیں:

قرآن مجید کی یہ حالت ہے کہ اس کی دلفریبی بتدریج فریفتہ کرتی ہے پھر متعجب کرتی ہے اور آخر ایک تحیر آمیز رقت میں ڈال دیتی ہے۔ ②

ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیسی کہتے ہیں کہ:

"قرآن مجید دلوں میں ایسا زندہ اور پر جوش ایمان پیدا کرتا ہے کہ پھر کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔" ③

١٢) رینان کا قول ہے جس کو ڈاکٹر گستاولی بان ہی نے اپنی کتاب تمدن عرب میں نقل کیا ہے کہ:

میں کبھی کسی مسجد میں نہیں داخل ہوا مگر یہ کہ ایک لرزہ خیز ہیبت مجھ پر طاری ہو گئی اور بڑی حسرت میں نے محسوس کی کہ میں مسلمان نہیں ہوں"۔ ④

١٣) مشہور جرمن فلاسفر جان جاک ولیک جس نے مقامات حریری، تاریخ ابو الفداء اور سبعہ معلقہ عربی تصانیف کا لاطینی میں ترجمہ کیا ہے اور اس پر حواشی لکھے ہیں، لکھتا ہے کہ:

---

① معارف القرآن۔

② قرآن نمبر ڈائجسٹ ص ۳۷۳۔

③ محمد ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں

④ ماہنامہ الحق ۱۹۷۶ء فروری مارچ۔

تھوڑی عربی جاننے والے قرآن کا تمسخر اڑاتے ہیں اگر وہ خوش نصیبی سے کبھی آنحضرت (ﷺ) کی معجزہ نما قوت بیان سے تشریح سنتے تو یقیناً یہ اشخاص بے ساختہ سجدہ میں گر پڑتے اور سب سے پہلے آواز ان کے منہ سے یہ نکلتی کہ پیارے نبی پیارے رسول خدارا! ہمارا ہاتھ پکڑ لیجیے اور ہمیں اپنے پیروں میں شامل کر کے عزت اور شرف دینے سے دریغ نہ فرمائیں"۔ ①

۱۴) مشہور مستشرق جو اکیمروی بولف جرمنی کے رسالہ "دی ہاف" بابتِ اسلام ۱۹۱۳ء میں اسلام اور حفظِ صحت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

قرآن کریم کو صحت کے اعتبار سے ساری دنیا کی آسمانی کتابوں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ اسلام نے صفائی اور طہارت کی صاف و صریح ہدایات نافذ کر کے جراثیم ہلاکت کو مہلک صدمہ پہنچایا ہے"۔ ②

۱۵) ڈاکٹر حور یسیس فرانسیسی قرآن مجید کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"قرآن کی سب سے بڑی تعریف اس کی فصاحت وبلاغت ہے۔ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے، اس کی فصاحت اور بلاغت کے آگے سارے جہان کے بڑے بڑے انشا پرداز و شاعر سر جھکا دیتے ہیں، روم کے عیسائیوں کو جو کہ ضلالت کی خندق میں گر پڑے تھے کوئی چیز نہیں نکال سکتی تھی بجز اس کے جو غارِ حرا سے نکلی۔" ③

۱۶) سر ولیم "مصنف لائف محمد" کہتے ہیں کہ:

"ہمیں بلا تکلف اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ تعلیم نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تاریک توہمات کو ہمیشہ کے لیے جزیرہ نما عرب سے باہر نکال دیا جو صدیوں تک اس ملک پر چھائے رہے تھے"۔ ④

"بت پرستی خارج البلد ہو گئی توحید اور خدا کی موجودہ رحمت کا تصور محمد ﷺ کے متبعین کے دلوں کی گہرائیوں اور زندگی کے اعماق میں جاگزین ہو گیا معاشرتی اصلاحات کی بھی کوئی کمی نہ رہی، ایمان کا دائرہ برادرانہ محبت، یتیموں کی پرورش، غلاموں سے احسان اور حرمتِ خمر سب جوہر نمودار ہو گئے، امتناع شراب

① محمد رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں
② ایضاً
③ محمد رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں۔
④ محمد رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں: ص: ۳۱۷

میں جو کامیابی اسلام نے حاصل کی اور کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوئی۔ ①

۱۷) جارج برناڈشا کا شمار دنیا کے عظیم مفکروں، ڈرامہ نگاروں اور فلسفیوں میں ہوتا ہے، وہ خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اگر آئندہ سو سال کے اندر کسی مذہب کے انگلستان میں نہیں بلکہ یورپ میں عوام کے ذہن و فکر پر چھا جانے کا امکان ہے تو صرف اسلام ہی ہو سکتا ہے۔ دین محمد ﷺ کی میری نگاہ میں بے حد قدر و منزلت ہے اور اس کا باعث اس مذہب کی توانائی ہے۔ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے پیغام میں اتنی جانداریت اور عہد گریت ہے کہ وہ زندگی کے بدل رہے ادوار کے تمام تقاضوں کو بطریق احسن پورا کر سکتا ہے اور ہر دور میں انسان کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔ میرا راسخ عقیدہ ہے کہ اگر حضرت محمد ﷺ جیسا انسان اس عالم نو میں کلی اختیارات حاصل کرے تو وہ بنی نوع انسان کے تمام مسائل کو ایسے انداز میں حل کر سکتا ہے جس سے امن و آشتی، خوشحالی اور فارغ البالی کی منزل تک انسان کی رسائی ہو سکتی ہے جس کی تلاش میں بنی نوع انسان صدیوں سے دربدر خاک بسر ہے"۔ ②

۱۸) انگلستان کے مشہور مؤرخ ڈاکٹر گبن اپنی مشہور تصنیف (روما کا انحطاط و زوال) کی جلد اول میں لکھتے ہیں کہ:

"قرآن کی نسبت بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لی ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی روح ہے، اساسی ہے اور صرف اصول مذہب ہی کے لیے نہیں بلکہ احکام تعزیرات کے لیے اور قوانین کے لیے بھی ہے جن پر نظام کا مدار ہو، جس سے نوع انسانی کی زندگی وابستہ ہو، جن کو حیات کی ترتیب و تنسیق سے گہرا تعلق ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت سب پر حاوی ہے۔ یہ شریعت ایسے دانش مندانہ اصول اور اس قسم کے قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی"۔ ③

۱۹) موسیو گاسٹن کا نامور فریخ مستشرق کے مضمون کا ترجمہ اس زمانے کے مشہور اخبار "البلاغ" ۱۲ صفر ۱۳۳۰ ہجری میں شائع ہوا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

① محمد رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں ص ۶۲۔

② محمد رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں: ص:۳۱۷

③ معارف القرآن: ص ۱۶۳۔

اسلام حقیقت میں ایک طرح کا اجتماعی مذہب ہے جس کو دنیا کی (3/2) حصہ آبادی نے حق تسلیم کیا ہے۔ اس عاقلانہ مذہب کے قانون "قرآن" میں وہ تمام فوائد و مصالح موجود ہیں جن سے زمانہ حال کا تمدن بنا ہے۔ اسلام ہی نے دنیا کی عمرانی ترقی کے لیے ہر قسم کے ذرائع یورپ کو بہم پہنچائے اگرچہ کوئی ہم میں سے اعتراف نہ کرے مگر امر واقع یہی ہے اور خود ہی سوال کرتا ہے کہ روئے زمین سے اگر اسلام مٹ گیا، مسلمان نیست و نابود ہو گئے، قرآن کی حکومت جاتی رہی تو کیا دنیا میں امن قائم رہ سکے گا؟ پھر وہ خود جواب دیتا ہے ہرگز نہیں"۔ ①

(۲۰ پاپولر انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

"قرآن کے احکام اس قدر مطابق عقل و حکمت و فطرت ہیں کہ اگر انسان انہیں چشمِ بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے گا"۔ ②

اور اڈمنڈ برک فاضل اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ:

"اسلامی قانون ایک تاجدار سے لے کر ادنی ترین افراد رعایا تک کو حاوی ہے۔ یہ ایک ایسا قانون ہے کہ معقول ترین علمِ فقہ پر مشتمل ہے جس کی نظیر اس سے پیشتر دنیا پیش نہیں کر سکتی۔"③

(۲۱ پروفیسر ہٹن سمتھ اقرار کرتا ہے کہ:

"جیسے کہ حقیقت ہے یسوع مسیح کا کام نامکمل حالت میں چھوڑا گیا تھا۔ انجیل کا نزول کسی اور استاد کے لیے ہوا جو اس کے اخلاقی قوانین کو ترتیب دے۔ قرآن شریف روحانی مشقوں اور اعمال کی کتاب ہونے کے علاوہ اخلاقی اور قانونی ضابطہ کا بہت بڑا مجموعہ ہے"۔ (قرآن مصنفہ روڈیل: ص ۱۵)

(۲۲ لائف ٹیچنگ آف محمد ﷺ ۱۹۳۲ء صفحہ نمبر ۳ میں لکھا ہے:

"یاد رکھیے اسلام کا قانون (جیسا کہ قرآن میں لکھا گیا ہے) موجودہ زمانہ تک جب کہ اس کے اجزاء پر انگلینڈ میں بھی عمل درآمد ہونا شروع ہو گیا ہے اسے سب سے زیادہ منصفانہ قانون جہاں تک عورت کا تعلق ہے دنیا میں تسلیم کیا جا چکا ہے۔ اس قانون میں جہاں تک جائیداد کا تعلق ہے یا طلاق کے معاملات کا حل ہے یہ مغربی قانون سے بہت سبقت لے چکا ہے یہاں تک کہ عورت کے حقوق کا خیال رکھا گیا ہے۔"④

---

① محمد ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں

② محمد ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں

③ ایضاً

④ محمد ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں ص ۲۷۵۔

۲۳) مسٹر رچرڈ سن نے قانون ازالہ غلامی انڈیا کونسل میں پیش کرتے وقت ۱۸۱۰ء میں کہا:
"غلامی کی مکروہ رسم کے اٹھانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہندو شاستر کو قرآن سے بدل دیا جائے۔"①

۲۴) بابو بین چندر بال کہتے ہیں کہ:
"قرآن کی تعلیم میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا امتیاز موجود نہیں ہے، نہ کسی کو محض خاندانی اور مالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے"۔

۲۵) مسٹر ولیم میور کتنی صفائی سے اقرار کرتے ہیں کہ:
"کوئی جزو، کوئی فقرہ، کوئی لفظ (قرآن مجید میں) ایسا نہیں ہے جسے جمع کرنے والوں نے چھوڑ دیا ہو اور کوئی لفظ ایسا نہیں سنا گیا جو اس مسلم مجموعہ میں داخل کر دیا گیا ہو جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح صدیوں تک ہر طرح کی تحریف سے پاک ہو"۔

۲۶) معروف عیسائی مورخ مسٹر ہاڈلے کہتے ہیں۔
قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں تیرہ سو برس سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی جو معمولی طور سے بھی قرآن کے مقابلے میں پیش کی جاسکے"۔

۲۷) مسٹر ایوریںڈر جے۔ ایم۔ راڈویل دی قرآن ص ۱۵ میں لکھتے ہیں:
"اسے تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ خدا کی وحدانیت، طاقت، علم اور حقانیت کا جو تصور خدا، جنت اور زمین کے متعلق جس تلقین کا بار بار قرآن میں اظہار کیا گیا ہے اس کی وجہ سے ہم اس کتاب کی جتنی بھی تعریف کریں کم ہے۔ یہ اعلی وارفع اخلاقی تعلیم سے پر ہے اور اس میں علم اور آگہی کے جو نکات بیان کیے گئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی بنیاد پر بڑے بڑے طاقتور ملک اور جلیل القدر سلطنتیں قائم کی جاسکتی ہیں"۔②

۲۸) پروفیسر اڈوائر مونتے کہتے ہیں کہ:
"محمد ﷺ کا مذہب تمام ایسے اصولوں کا مجموعہ ہے جو معقولیت کے امور پر مبنی ہے اور وہ کتاب ہے جس میں مسئلہ توحید ایسی پاکیزگی اور جلال و جبروت اور کمال یقین کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے سوا اور کسی مذہب میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی"۔

(اشاعت مذہب عیسوی اور اس کے مخالف مسلمان ص۱۷، ۱۸ مطبوعہ پیرس ۱۸۹۰ء)③

---

① محمد ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں۔
② قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ
③ محمد ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں۔

۲۹) انگلستان کے مشہور مؤرخ ڈاکٹر گبن کہتے ہیں کہ:

”قرآن واحدنیت کا بڑا گواہ ہے۔ ایک مؤحد فلسفی اگر کوئی مذہب قبول کر سکتا ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔ غرض سارے جہان میں قرآن کی نظیر نہیں مل سکتی۔“①

دینِ اسلام کی توحید

بلاشبہ دینِ اسلام کی توحید کا مسئلہ عیسائیت کی تثلیث کی طرح نہیں جس کو پادری صاحبان عقل و فہم سے بالاتر سمجھتے ہیں اور بغیر سمجھنے کے اس پر ایمان کو واجب کرتے ہیں۔

قرآن مجید اور دینِ اسلام کی توحید فی الذات، توحید فی الصفات، توحید فی العبادات الغرض توحید کو ایسے مکمل اور اعلیٰ ترین انداز میں پیش کرتے ہیں کہ عقول انسانی کو تمام خرافات اور اوہام کے زنگ سے پاک کر دیتے ہیں۔

وہ ہمیں بتاتا ہے کہ مخلوق کی کسی چیز کو چاہے علوی ہو یا سفلی، جامد ہو یا مائع الغرض کسی کو بھی خالق، متصرف، معزّ، مذلّ، شافی اور مہلک تصور نہ کرے۔ علیٰ ہذا القیاس شرک کے تمام دروازے بند کر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرکانہ عقائد ایسے کثیف اور دبیز پردے ہیں جو ہمیشہ صاف عقیدہ اور اصل حقیقت کے مابین آڑ بن جاتے ہیں جس کی وجہ سے انسان نفس الامر اور حقیقت کی دریافت سے محروم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص ایک غلط عقیدہ مان لیتا ہے اور اس کی عقل فکر اس عقیدے پر جم جاتی ہے تو اس کی وجہ سے وہ فکری حرکات اور جدوجہد سے رک جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ بہت سی خرافات کو مان لیتا ہے جس کی بنا پر حقیقی کمالات سے دور بحر مذلت میں گر جاتا ہے، اس کی ساری زندگی اوہام، وحشت اور خوف و ہراس میں گزرے گی، حیوانات کی حرکت اور پرندوں کے اڑنے سے اس پر لرزہ طاری ہو گا۔ الغرض غلط تصورات کی وجہ سے اپنی خوشحالی کے کافی وسائل سے محروم رہے گا۔

بلاشبہ اگر کوئی توحیدِ اسلام کو اپنائے جو صرف توحید کا محض زبانی جمع خرچ نہ ہو بلکہ سچے دل سے اپنے اغراض و مقاصد، نفع وضرر کا مرکز ایک ذات رب العالمین کو قرار دے تو اس کے دل میں اخبات و خشوع، استقلال و توکل اور اخلاص کی وہ بے انتہا دولت اور قوت آئے گی جس کی وجہ سے وہ دلیر اور ہر مخلوق سے بے

---

① محمد ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں۔

نیاز ہو گا حتیٰ کہ مصائبِ دنیا میں لطف و سرور پائے گا، اس کا سر اور اس کی گردن ہر مکار، دجال اور عیار انسان کے سامنے جھک جانے سے محفوظ رہے گی۔

۳۰) امریکہ کے مشہور جریدے لائف کے ایڈیٹر نے اسلام کی خوبیوں پر جو مضمون لکھا تھا اس کے چند اقتباسات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

”عرب میں آنحضرت ﷺ نے جس توحیدی دین کی بنیاد ڈالی تھی، آگے چل کر اس نے ساری دنیا کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ اسلام تمام مذاہبِ عالَم میں آسان اور واضح ترین مذہب ہے اس کی تعلیمات میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے، کوئی عقیدہ خلافِ عقل نہیں ہے۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ نے کبھی خدائی کا دعوی نہیں کیا۔ انہوں نے صاف لفظوں میں کہا کہ میں تمہاری ہی طرح ایک بندہ بشر ہوں، مجھے اللہ تعالی نے اپنا دین تم تک پہنچانے کے لیے منتخب فرمالیا ہے، پیغمبر اسلام ﷺ ایک تاریخی شخصیت ہیں جن کی سیرت اور سوانح عمری ہمیں یقین کے ساتھ معلوم ہے، دوسرے مذاہب کے بر عکس اسلام کا آغاز تاریخ کی روشنی میں ہوا۔

اکثر مغربی مورخین یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی فتوحات کا سبب یہ تھا کہ عرب کے ہمسایہ ملکوں میں بد نظمی پھیلی ہوئی تھی اور مسلمان اعلی درجے کی عسکری قوت کے مالک تھے لیکن یہ مفروضہ بالکل غلط ہے۔

ان کی فتوحات کا اصل سبب یہ ہے کہ اسلام نے ان کے اندر اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرنے اور شہادت حاصل کرنے کا بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا تھا۔

اسلام کے معنی ہیں مطیع ہو جانا یعنی اللہ تعالی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا، اس لیے ہر سچا مسلمان رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ نیز وہ اپنے خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھتا ہے جس کی رفاقت کا احساس اسے بے خوف بنا دیتا ہے۔

مسلمانوں کی نگاہ میں اسلام کو سیاست سے جدا نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اسلام ہمہ گیر نظامِ حیات ہے جو انسانی افکار اور اعمال کی ایسی رہنمائی کرتا ہے جس کی نظیر اہلِ مغرب کے یہاں ناپید ہے“۔ [1]

۳۱) ڈاکٹر مورنس فرانسیسی کہتے ہیں: ”یہ کتاب (قرآن عظیم) تمام آسمانی کتب پر فوقیت رکھتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کے لیے جو کتابیں تیار کی ہیں ان میں بہترین کتاب ہے۔ اس

---

① محمد رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں ص ۳۱۸۔

کے نغمے انسان کی خیر و فلاح کے لیے فلاسفہ یونان کے نغموں سے کہیں بہتر ہیں، اس کا ہر ہر حرف خداوند عالم کی عظمت کے ذکر سے لبریز ہے۔ قرآن علماء کے لیے ذخیرہ لغات و شعراء کے لیے عروض کا مجموعہ اور حکمرانوں کے لیے دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتا ہے"۔ ①

(۳۲) ایڈورڈ ڈینی راس۔ سی۔ آئی۔ ای اسلام کی اصلح اور انفع تعلیمات سے مسحور ہو کر کہتے ہیں کہ:

قرآن (شریف) اس بات کا مستحق ہے کہ یورپ کے گوشہ گوشہ میں پھیلایا جائے۔"②

(۳۳) مسٹر اے۔ ڈی۔ ماریل نے ۱۹۱۲ء میں رائل سوسائٹی آف آرٹس میں ایک لیکچر "شمالی نائیجریا" پر دیتے ہوئے کہا کہ:

قرآن نے نظامِ تہذیب و تمدن پیدا کیا، شائستگی کی روح پھونکی، سول گورنمنٹ کا نظام اور حدود عدالت کے قیام میں بڑا معاون ثابت ہوا ہے جہاں ابھی تک اسلام کی روشنی نہیں پہنچی لوگوں کے فائدے کے لیے یہ علم بہت ضروری ہے کہ حکومت برطانیہ اس (اسلام) کو قائم رکھ کر اس کو مضبوط اور طاقتور بنانے کی کوشش کرے۔"③

(۳۴) مسٹر ارنلڈ وہایت کہتے ہیں کہ:

قرآن نے مسلمانوں کو جنگ آرائی بھی سکھائی اور ہمدردی و خیرات و فیاضی بھی، قرآن نے وہ اصول فطرت پیش کیے کہ سائنس کی بڑھتی ہوئی ترقیاں اس کو شکست نہیں دے سکتیں۔"④

(۳۵) نامور انگریز پروفیسر کارلائل کتنی صفائی سے اقرار کرتے ہیں کہ:

قرآن کے احکام اس قدر عقل اور حکمت کے مطابق واقع ہوئے ہیں کہ اگر انسان انہیں چشمِ بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کر سکتا ہے۔ شریعتِ اسلام اعلیٰ درجہ کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے۔ میرے نزدیک قرآن کے تمام معانی میں سچائی کا جوہر موجود ہے۔ یہ کتاب سب سے اول اور سب سے آخر جو خوبیاں ہو سکتی ہیں اپنے اندر رکھتی ہے"۔ ⑤

① قران ڈائجسٹ نمبر ۳۱۷۔
② قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ۔
③ محمد رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں ص ۲۶۱
④ محمد رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں ص ۲۷۹، ۲۷۸۔
⑤ قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ ص: ۳۷۳۔

۳۶) لائف آف محمد ﷺ میں الکسن لوازون کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"محمد ﷺ نے جو فصاحت و بلاغت اور شریعت کا دستور العمل دنیا کے سامنے پیش کیا یہ وہ مقدس قرآن مجید ہے جو اس وقت تمام دنیا کے (6/1) حصہ میں معتبر اور مسلم سمجھا جاتا ہے۔ جدید علمی انکشافات میں جن کو ہم نے بزور علم حاصل کیا یا ہنوز وہ زیرِ تحقیق ہیں۔ وہ تمام علوم اسلام و قرآن میں سب کچھ پہلے ہی سے پوری طرح موجود ہیں"۔ ①

۳۷) کرنل انگر سال امریکہ کے مشہور دہریہ ہیں جن کو اسلام تو کجا عیسائیت اور دنیا کے کسی مذہب سے بھی کوئی تعلق نہیں کہتے ہیں:

"ہندسے کا راج، الجبرا، علم المثلثات کے گر، علمِ پیائش، ستاروں کے نقشے، زمین کا حجم، اعوجاج طریقِ شمس، سال کی صحیح مدت، آلات ہیت، مختلف قسم کے کلاک، علم الکیمیا، علم المائعات، علم المناظر وغیرہ جنھوں نے اس قدر ایجادات اور اختراعات کیں اور علوم وفنون کو اسی قدر نشو نما دی وہ عیسائی نہ تھے۔ ہم کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ موجودہ سائنس کا سنگِ بنیاد پیروانِ اسلام ہی کو رکھنے کا فخر حاصل ہے جو کسی مفید کام کے لیے عیسائیت یا کلیسا کے منت پذیر نہیں ہیں۔" ②

۳۸) گارڈ فرے ہگینس کہتے ہیں:

"قرآن غریبوں کا دوست اور غم خوار ہے اور سرمایہ داروں کی زیادتیوں کی ہر جگہ مذمت کرتا ہے۔" ③

۳۹) ۹ جون ۱۹۷۰ء کے نوائے وقت کو اٹھایئے اور سر راہے کی یہ سطور پڑھیئے جن کو بی۔ بی۔ سی نے براڈ کاسٹ کیا ہے۔ گارڈین جیسے مسلم دشمن اخبار کے حوالے سے کیا ہے۔ یہ لندن سکول آف اکنامکس کے دو پروفیسروں کا بیان ہے۔ دونوں پروفیسر انگریز ہیں اسلام اور عیسائیت کی آویزش سے واقف ہیں وہ کہتے ہیں:

اسلام کی ناقابل انکار خوبیوں کا انکار کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں غیر مسلم محققین بھی اس کے قائل ہیں

دنیا بھر کے افراطِ زر کے مسئلے کو دینِ اسلام کا صرف ایک رکن زکوٰۃ تھوڑی سی مدت میں حل کر سکتا

---

① محمد ﷺ

② محمد ﷺ ص ۲۶۴

③ قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ ص ۳۷۵۔

ہے۔ یہ دنیا کا بہترین نظام ہے اور مغربی ممالک کو ٹھنڈے دل سے نظامِ زکوٰۃ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ یہی وہ نظام ہے جو دنیا کو افراطِ زر سے بچا سکتا ہے"۔ ①

اسلام کی حقانیت اور مدارِ نجات ہونا اور اس کی تعلیمات میں بے انتہا خوبیاں عدل وانصاف اور نظم و ضبط کی بے پناہ دولت جو داخلی وخارجی، عقلی ونقلی شہادتوں سے مسلَّم اور نا قابلِ انکار ہونے کے ساتھ مخالف ترین دشمن کو بھی تسلیم ہے۔ وہ کسی لیننی یا مارکسی یا کسی دوسرے متعصب کے محض جھوٹے پروپیگنڈے کی وجہ سے کیسے نظر انداز کیے جاسکتے ہیں۔ ان لوگوں کا تو کام جھوٹ، افتراء پردازیاں اور عوام کو دھوکہ و فریب دینا ہے، یہ اپنے مدعا کو حاصل کرنے کے لیے کسی قسم کی دروغ گوئی سے نہیں شرماتے۔ کیا کسی میں یہ شعور نہیں دیکھے تو سہی کہ جو آخر اسلام دنیا کو کیا درس دے رہا ہے؟ اور اس کا وہ کون سا قانون ہے جس میں ظلم یا وحشت پائی جاتی ہے؟ کیا یہ کوئی انصاف اور عقلمندی ہے کہ کسی کی تنقید یا تنقیص کو صرف جھوٹے پروپیگنڈوں کی بنیاد پر تسلیم کیا جائے؟

بلاشبہ جو کوئی تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر غیر جانبداری سے تعلیماتِ اسلامیہ کا مطالعہ کرے گا۔ اسلام کی صداقت اور بے شمار خوبیاں اس پر کھل جائیں گی اور بے اختیار ہو کر پکار اٹھے گا کہ "اگر ہم قرآن مجید کی عظمت و فضیلت اور حسن وخوبی سے انکار کریں تو ہم عقل و دانش سے بیگانہ ہوں گے"۔ ②

۴۱) مشہور فرانسیسی مؤرخ والٹر تہذیب اسلام پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"میں پھر کہتا ہوں کہ وہ لوگ جاہل اور بے عقل ہوں گے جو مذہب اسلام پر اتہامات و الزام عائد کرتے ہیں۔ ③

۴۲) مسٹر جارج برناڈ شاہ کہتے ہیں کہ:

"ازمنہ وسطیٰ میں عیسائی راہبوں نے جہالت و تعصب کی وجہ سے مذہبِ اسلام کی بڑی بھیانک تصویر پیش کی ہے، بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ انہوں نے تو حضرت محمد ﷺ اور آپ کے مذہب کے خلاف باضابطہ تحریک چلائی، انہوں نے حضرت محمد ﷺ کو اچھے الفاظ میں یاد نہیں کیا، میں نے ان باتوں کا بغور

---

① کائنات کی گواہی: ص ۴۸۴

② نیر ایسٹ ہفت روزہ لندن ۱۳ اپریل ۱۹۲۲ء۔

③ محمد رسول اللہ ﷺ ص ۲۶۵۔

مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ محمد ﷺ ایک ہستی عظیم اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔"①

۴۳) پروفیسر کارلائل آنحضرت ﷺ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"بانی ② اسلام ﷺ کے ناقابلِ انکار فضائل کا انکار انصاف کا خون کرنا اور حق پسندی کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگانا ہے۔ ہمارے خیال میں سرورِ کائنات ﷺ کا وجود جن کا مرتبہ انسانی عظمت کی بلندیوں سے کہیں ارفع ہے دنیا کی باعظمت ہستیوں میں فضائل اور صفات کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ وہ ذات خلوص و صداقت اور سچے اعتقادات کا خزانہ ہے۔ آپ کا ہر فعل تصنع اور تکلف سے مبرا اور حقیقت پر مبنی ہے، آپ کا کلام وحی آسمانی تھا۔ ایسی مقدس ہستی کا وجود خالقِ کائنات کے وجود کی ایک زبردست اور روشن دلیل ہے۔"③

۴۴) سر ولیم میور صحابہ کرام کی پختگی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

محمد ﷺ کے تیرہ برس موعظہ نے بمقابلہ کل زمانہ زندگی مسیح کی ایک ایسا انقلاب پیدا کیا جو ظاہر میں لوگوں کی نظر میں بہت معلوم ہوتا ہے۔

مسیح کے تمام پیرو خوف کی آہٹ معلوم ہوتے ہی بھاگ گئے اور ہمارے خداوند (عیسیٰ علیہ السلام) کی تعلیم نے پانچ سو آدمیوں کے دل پر جنہوں نے ان کو دیکھا تھا خواہ کیسا ہی گہرا اثر پیدا کیا ہو مگر آخر میں اس کا کچھ نتیجہ دکھائی نہیں دیا۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنی خوشی سے اپنا گھر نہیں چھوڑا اور نہ سینکڑوں مسلمانوں کی طرح بالاتفاق مہاجرت اختیار کی اور نہ ویسا پر جوش ارادہ ہی کسی سے ظاہر ہوا جیسا غریب شہر (یثرب) کے نو مسلموں نے اپنے خون کے عوض اپنے پیغمبر کو بچانے میں کیا۔ چاروں خلفا مجسمہ اخلاق تھے، پہلے چاروں خلیفوں کے اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے، ان کے سرگرمی و دلدہی اخلاص کے ساتھ تھی اور ثروت و اختیار پا کر بھی انہوں نے اپنی عمریں ادائیگی فرائض و اخلاقی و مذہبی کاموں میں صرف کیں۔ پس یہی لوگ محمد ﷺ کے ابتدائی جلسہ میں شریک تھے جو پیشتر اس سے کہ اس نے اقتدار حاصل کیا یعنی تلواریں پکڑیں اس کے جانبدار ہو گئے۔ یعنی ایسے

---

① محمد رسول اللہ ﷺ ص ۴۶۴۔

② اسلام اللہ تعالی کا پسندیدہ دینِ وحی ہے نہ کہ انسانی ذہنی کاوش کا نتیجہ، اس لیے حضرت محمد ﷺ کو پیغمبر اسلام کے بجائے بانی اسلام کہنا صحیح نہیں۔ مستشرقین یورپ مسلمانوں میں غلط نظریات پھیلانے سے نہیں چوکتے ان کے عقائد سے خبردار رہنا چاہیے۔

③ محمد رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں ص ۷۵۔

وقت میں کہ وہ ہدف آزار ہوا اور جان بچا کر اپنے ملک سے چلا گیا ان کے اول ہی اول تبدیل مذہب کرنے سے ان کی سچائی ثابت ہوئی ہے اور دنیا کی سلطنتوں کے فتح کرنے سے ان کی لیاقت کی قوت معلوم ہوتی ہے۔ ①

۴۵) جگن ناتھ آزاد اپنے طویل نعتیہ کلام کے آخر میں کہتے ہیں:

تجلی عام فرماتے ہوئے شمس الضحےٰ آئے
امام الانبیاء آئے محمد مصطفےٰ آئے
مبارک ہو زمانے کو ختم المرسلین آئے
صاحب رحم بن کر رحمت للعالمین آئے

(ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۲ مئی ۱۹۷۰ء)

۴۶) چوہدری دتو رام کوثری کہتے ہیں:

ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ — یہی ہیں چار یارانِ محمد
علیؓ و فاطمہؓ شبیر و شبر — بسا اُن سے گلستان محمد (ﷺ)
بتاؤں کوثری کیا مشغل اپنا — میں ہوں ہر دم ثناخوان محمد (ﷺ)

۴۷) لالہ لال چند صاحب فلک اپنے اشعار میں کہتے ہیں:

کیوں نہ قربان مسلمان تیرے نام پر ہوں — حق پرستی کا جنہیں طور بتایا تو نے
گنبد و سقف فلک گوش زمین گونج اٹھے — نعرۂ توحید اِلٰہ جو لگایا تو نے ②

یہاں غیر مسلم مستشرقین کے اقوال اور اعترافات کا استیعاب مقصود نہیں اور نہ اس کی گنجائش ہے، نمونے کے طور پر ہزاروں میں سے چند مختلف اقوال نقل کر دیے گئے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی حقانیت اور بے شمار خوبیوں کا انکار علم و فہم اور عقل کی تضحیک اور رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں۔

منکرین کو چیلنج ہے

اس کے بعد بھی اگر کسی کٹر معاند اور متعصب کو جو ہر بات میں کچھ نہ کچھ بات بناتا پھرتا ہو یا بہت سارے شکوک و شبہات میں گھرا ہوا ہو اسلام کی حقانیت کے متعلق کچھ شک باقی رہتا ہو تو ایسے شخص کو عرض کی

---

① محمد ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں ص: ۴۵۰۔

② محمد رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں ص ۴۸،۵۰۔ ۲ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے اس موضوع پر مستقل کتاب شہادت الاقوام علی صدق الاسلام اور حضرت مولانا حنیف یزدانی نے محمد ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں تحریر فرمائی ہے۔ اس لیے شائقین حضرات وہاں رجوع فرمائیں۔

جاتی ہے کہ اکیلے نہیں بلکہ تمام حمایتی عرب و عجم اور تمام آلات کو حرکت میں لائیں اور پوری زندگی میں سب کے سب اپنی پوری طاقت کو خرچ کر کے پورا قرآن حکیم نہ سہی صرف چند سطور قرآن مجید کی طرح (خود ساختہ) بنا کر دکھلائیں۔ لیکن پورے یقین اور دعوی کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ تا قیامت چند آیات بنا کر نہیں لا سکیں گے۔ یہ کہنا میرا نہیں بلکہ حق تعالیٰ شانہ ساری دنیا عرب و عجم، انسان و جن کو مکرّر سہ کرّر بتدریج اعلان کرتے ہیں کہ:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ☆

"آپ (جواب میں) فرما دیجیے اگر سارے انسان اور جن اکٹھے ہو کر اس قرآن جیسا (کلام) پیش کرنا چاہیں تو وہ اس جیسا پیش نہیں کر سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی کتنی مدد کیوں نہ کریں۔" (بنی اسرائیل:۸۸)

یہ چیلنج اوروں کے لیے نہیں بالخصوص اس قوم کے لیے کتنا غیرت دلانے والا اور ذلیل کن ہے جو فصاحت و بلاغت کے فن میں ساری دنیا سے ایسی بازی لے گئے تھے کہ ان کی چھوٹی چھوٹی بچیاں ایسے فصیح و بلیغ اشعار کہتیں کہ دنیا کے بڑے بڑے ادیب انگشت بدنداں رہ جاتے۔ ان کو اس فن پر اتنا غرور تھا کہ وہ اپنے سوا ساری دنیا کو عجم (گونگے) کہا کرتے تھے اور اس عظیم سرمایہ پر فخر و ناز کرتے ہوئے اپنے کلام کو آبِ زر سے لکھ کر دیوارِ کعبہ پر آویزاں کر دیتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود سب مل کر بھی قرآن مجید جیسا کلام بنانے میں بری طرح ناکام رہے۔

کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے پھر اعلان فرمایا:

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ☆ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ☆

آپ (جواب میں) فرما دیجیے اگر ایسا ہے تو تم بھی اسی جیسی کوئی دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور سوائے اللہ تعالیٰ کے بلالو (اپنی مدد کے لیے) جس کو بلا سکو۔ اگر تم اس (الزام تراشی) میں سچے ہو، پھر اگر تمہارا کہنا پورا نہ کریں (یعنی دس سورتیں بنانے سے بھی عاجز ہوں) تو جان لو کہ قرآن محض اللہ تعالیٰ ہی کے علم سے اتارا گیا ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں پس (اب بھی) مسلمان ہو جاؤ گے"۔ (سورت ہود:۱۳-۱۴)

اس چیلنج پر بھی ایسا سکوت طاری ہوا کہ کسی شخص کو کوئی جرأت نہ ہو سکی کہ اس چیلنج کو قبول کر لیتا

جس کی وجہ سے قرآن اور اسلام کے خلاف ایک ایسا زبردست ہتھیار ان کے ہاتھ آجاتا جس سے نہایت آسانی سے قرآن مجید کو جھٹلا سکتے تھے اور ساری جنگ وجدل کو ختم کر کے راحت و آرام کا سانس لے لیتے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت سے جاری ہونے والے قرآن جیسی صرف دس سورتیں پیش کرنا کوئی سہل کام نہ تھا، اس لیے اس باب میں سب کے سب نے اپنے ہتھیار ڈال دیے اور اسلام کے خلاف دوسرے مشکل ترین راستوں کو اختیار کیا لیکن کچھ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اللہ جلّ شانہُ نے اعلان فرما کر پھر چیلنج دے دیا کہ:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ☆ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ☆

”اور اگر تمہیں اس (کتاب کے کلام الٰہی ہونے کے بارے) میں ذرہ بھی شک ہو جو ہم نے اپنے (خاص) بندے پر اتاری ہے تو تم سب مل کر اور اپنے سارے حمایتیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے بلالو اور اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو۔ پھر بھی اگر تم ایسا نہ کر سکو اور (یقین ہے کہ) ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے“۔ (البقرہ: ۲۴،۲۳)

اس اعلان کے بعد بھی بدستور خاموشی طاری رہی اور کوئی شخص فہیم آگے نہ بڑھا کہ اس چیلنج کو قبول کر کے دو سطریں قرآن مجید کے مقابلے میں پیش کرتا کیونکہ وہ اپنے ادبی ذوق اور فطرتِ سلیمہ کی بنیاد پر سمجھتے تھے کہ قرآن مجید کی نظیر ایک ناممکن بات ہے، اس لیے انہوں نے قرآن مجید کے مقابلے میں کوئی کلام پیش کرنے کی جرأت نہیں کی۔

قرآن مجید و اسلام کی مخالفت اور اس کو مٹانے اور ختم کرنے کا پختہ ارادہ کرنے کے باوجود جنگ وجدل، لڑنے مرنے کے مقابلے میں بہت ہی آسان کام میں کوئی تدبیر نہ کر سکے۔ اگر چند کم فہم اشخاص نے قرآن کریم کے مقابلے اور اس کے جھٹلانے میں پوری کوشش کر کے ایک دو سطریں بنا کر پیش بھی کر دیں تو ان کو خود ان کی قوم نے ان کے منہ پر دے مارا، وہ کلمات ایسے لغو، غیر مہذب اور شرمناک ہیں کہ کان ان کو سننے کے لیے تیار نہیں اور طبیعتیں ان سے متنفر ہو جاتی ہیں، ان کی ترکیب کو دیکھ کر اہلِ عرب ہمیشہ ان کی ہنسی اڑاتے ہیں اور آج تک تاریخ کی کتابوں میں محفوظ چلے آرہے ہیں۔

آخر وہ کون سی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ قوم جن کی فطرت میں فصاحت وبلاغت رکھی گئی تھی، پھر اس کے صرف عوام نہیں بلکہ خواص اعلیٰ ترین شعراء اور خطباء جو عجیب و غریب قصائد کے مالک، اعلیٰ درجہ کے رجز، بلیغ خطبوں اور مختصر و جیز تقریروں کی انشاء پر قادر تھے، پھر ہر ایک سے جداگانہ مطالبہ نہیں بلکہ سارے کے سارے اکٹھے ہو کر ایک ان پڑھ امیؐ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دہان مبارک سے جاری ہونے والے پورے قرآن میں سے اس جیسی صرف ایک چھوٹی سی دو سطر میں آنے والی سورت بنانے سے عاجز رہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کلام کسی مخلوق کا بنایا ہوا نہیں ہو سکتا ورنہ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ ساری مخلوق مل کر بھی ایک شوشے تک بنانے سے عاجز اور درماندہ رہے۔

پھر یہی نہیں کہ یہ اعلان اس دور کے ساتھ خاص تھا بلکہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر سلسلۂ نبوت و رسالت کو ختم کر کے تا قیامت آنے والے انسانوں اور جنات کو یہی چیلنج دیا جا رہا ہے۔

غور کیجیے! نزولِ قرآن کے بعد سے چودہ سو برس گزر گئے، ہر دور میں غیر مسلموں کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہوتی رہی جن میں عربی بولنے والے بڑے بڑے ایسے ادیب بھی موجود رہے جن کی پدری و مادری زبان عربی ہی تھی اور ان کی آنکھیں ہر وقت اسلام کے مٹانے اور گرانے پر لگی ہوئی تھیں اور اسلام کو ختم کرنے میں کسی قسم کے ہتھیار استعمال کرنے سے دریغ نہیں کیا لیکن اب تک کسی کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ صرف چند جملوں سے قرآن مجید کا مقابلہ کر سکے اور وہ مستشرقین وغیرہ جن کو اعلی تعلیم دے کر اسلام کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے ان پر سالانہ کروڑوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں لیکن ان میں سے بھی کسی کو طاقت نہ ہوئی کہ قرآن حکیم کا ادنی توڑ بنا سکیں، ان میں سے بعض تو اِدھر اُدھر کی باتیں بنا کر راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں اور بعض جو پوری طرح ادبی صلاحتیوں سے لیس اور بھرپور ہوتے ہیں کھلے طور پر اعتراف کرتے ہیں کہ:

"قرآن (کریم) بے شک عربی کی سب سے بہتر اور سب سے مستند کتاب ہے۔ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑھا ہوا معجزہ ہے۔"[1] (جارج سیل)

"عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر رواں ہوا جو بالکل امیؐ تھے۔ تمام مشرق نے یہ اقرار کیا کہ یہ وہ کلام ہے کہ نوعِ انسانی لفظاً و معناً ہر لحاظ سے نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

---

[1] محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم غیر مسلموں کی نظر میں ص ۲۸۴، ۲۸۱، ۲۷۵۔

(حضرت) محمد (ﷺ) قرآن کو اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر لائے جو تاحال ایک ایسا مہتم بالشان راز چلا تاہے کہ اس طلسم کو توڑنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔"① (کونٹ ہنری دی کاسٹری)

مسٹر یو سورتھ کھل کر اعتراف کر تاہے:

(جناب) محمد (ﷺ) کا دعوی ہے کہ قرآن مستقل اور دائمی معجزہ ہے اور میں مانتاہوں کہ یہ ایک معجزہ ہے"②

عصرِ حاضر میں بھی مخالفین اسلام کی کوئی کمی نہیں ہے۔ سارے کے سارے اسلام کو گرانے اور مٹانے کے درپے ہیں۔ عیسائیت کی اشاعت میں اربوں روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتاہے۔ مادہ پرست اسلام کے خلاف ہر طرح کی شازشیں اور شرمناک سے شرمناک سو فیصد جھوٹے پروپیگنڈے کر رہے ہیں اور اس پر لاکھوں روپیہ روزانہ خرچ کیا جارہاہے۔

بیروت، شام، لبنان اور فلسطین میں لاکھوں عیسائی اور یہود مسلمانوں کے خون کے پیاسے موجود ہیں جن کی زبانوں سے آتش برستی ہے اور بڑی بڑی عربی ڈکشنریاں تیار کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح مستشرقین اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ادبی ذوق رکھنے والے، بڑی بڑی تنخواہیں لے کر عوام کے قلوب میں چالاکی کے ساتھ اسلام کے خلاف شک وشبہات پیدا کرنے کی سازش میں سرگرم ہیں۔ الغرض ساری دنیا کے شیدایانِ زبان، فدایان حسنِ بیان اور ماہرین علم وسیاست سب اکٹھے ہو کر حوصلہ کرکے صرف قرآن حکیم کی ایک چھوٹی سی سورت کی مثال بنا کر پیش کر دیں، یہ ناممکن ہے۔ اگرچہ آج انسان بہت کچھ ترقی کر گیاہے، آفتاب اور دیگر بڑے بڑے سماوی اجرام کو زیر کر رہاہے۔ زمین اور آسمان کی وسعتوں کو سمیٹ کر ریڈیو، ٹیلی ویژن، وائرلس، راڈار کی شکل میں اپنے سامنے رکھ سکتاہے اور تیز رفتاری کے لیے بڑے بڑے بے جان اجسام کو ریل، جہاز، مصنوعی سیارے اور دیگر مختلف شکلوں میں دوڑاتا رہاہے اور مادہ سے ایٹمی توانائی کی صورت میں طاقت کی بے انتہا دولت حاصل کر کے عجیب وغریب ایجادات کر سکتاہے لیکن پھر بھی پورے دعوی اور یقین کے ساتھ کہا جاتاہے کہ پوری دنیا کی ساری مخلوق اکٹھی ہو کر کبھی بھی قرآن مجید جیسی ایک چھوٹی سی سورت بنا کر پیش نہیں کر سکے گی۔

جب پوری دنیا قرآن مجید کی نظیر پیش کرنے سے تاابد عاجز ہے تو اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں کوئی ادنیٰ شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ پھر اس کے احکام اور نظامِ حیات بھی مکمل اور فطرت کے عین مطابق ہیں

---

① محمد رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں ص ۲۸۴، ۲۸۱، ۲۷۵۔

② ایضاً۔

تو ساری دنیا کے انسانوں اور جنات پر عقلی اور نقلی حیثیت سے لازم ہو جاتا ہے کہ وہ آخرت کے وقوع، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور اعمال کے جزاء وسزا پر سچے دل کے ساتھ پیغمبر قرآن، خاتم الانبیاء فخر الرسل سیدنا محمد ﷺ کی سچی اتباع میں صرف خالقِ کائنات کے سامنے سر بسجود ہو جائیں، اپنی انفرادی اور اجتماعی پوری زندگی کو پورے اخلاص کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال کر دنیا میں چین وسکون کی دولت حاصل کریں۔ اور آخرت کی لامتناہی سختیوں کو ابدی خوشیوں سے بدل دیں۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ- وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ☆ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ج وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ☆ وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى مَنْ لَّانَبِيَّ بَعْدَهٗ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ☆

العبد الضعیف مختار الدین بن صاحبزادہ فضل الرحمٰن (کربوغہ شریف ضلع کوہاٹ)

ضحوۃ یوم الاحد ۴ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ .... ضحوۃ یوم الاحد ۸ جنوری ۱۹۸۴ء